نظرثانی واضافہ شدہ ایڈیشن

اللہ والوں کی
مقبولیت کا راز

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی صفاتِ عالیہ
کی روشنی میں اپنے کردار کا جائزہ

مُرتّب

(مفتی) محمد سلمان منصورپوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

مکتبۃ التذکیر دیوبند

اللہ والوں کی مقبولیت کا راز

اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم ○

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ○

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ [مریم: ۹۶]

البتہ جو یقین لائے ہیں اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے لئے
(مخلوقات کے دل میں) محبت پیدا فرمادیں گے۔

اللہ والوں کی

مقبولیت کا راز

(نظرِ ثانی واِضافہ شدہ ایڈیشن)

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی صفاتِ عالیہ
کی روشنی میں اپنے کردار کا جائزہ

ترتیب:

(مفتی) محمد سلمان منصور پوری
اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

ناشر
مکتبہ ''التذکیر'' دیوبند
9058602750

- نام کتاب: اللہ والوں کی مقبولیت کا راز
- ترتیب: مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- کمپیوٹر کتابت: محمد اسجد قاسمی مظفر نگری
- اِشاعتِ اَول: ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ مارچ ۱۹۹۷ء
- اِشاعتِ دوم: ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ دسمبر ۲۰۰۴
- اِشاعتِ سوم: رجب المرجب ۱۴۴۶ھ مطابق جنوری ۲۰۲۵ء
- ناشر: مکتبہ ''التذکیر'' نزد چھتہ مسجد دیوبند

9412635154 - 9058602750

- تقسیم کار: فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

- صفحات : **280**
- عام قیمت : **250**/روپئے

ملنے کے پتے:

- مکتبہ ''التذکیر'' نزد چھتہ مسجد دیوبند **9058602750**
- مرکز نشر وتحقیق لال باغ مراد آباد **8791034667**

❐❖❐

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تھدیہ:

اللہ

کے مقبول بندوں

کی خدمت میں!

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

مجھے نیک لوگوں سے محبت ہے؛ گو کہ میں ان میں شامل نہیں ہوں۔

اُمید ہے کہ (اُنہی سے تعلق کی برکت سے) اللہ رب العزت مجھے بھی نیکی سے سرفراز فرمادیں گے، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

وما ذلک علی اللّٰہ بعزیز

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ

۱۴۱۷/۱۰/۲۶ھ

تائید ودعاء:

اِس مضمون کا ابتدائی حصہ احقر نے مخدوم گرامی قدر عارف باللہ حضرت اَقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں برائے ملاحظہ واصلاح پیش کیا تھا۔

حضرت والا نے انتہائی مصروفیات کے باوجود اِس پر نظر فرمائی اور درج ذیل مکتوب سے مشرف فرمایا، **فجزاهم الله أحسن الجزاء.**

عزیزم مفتی سلمان سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے مضامین کا مطالعہ کیا، میرا اِرادہ تھا کہ اس قسم کے مضامین مرتب کر کے شائع کئے جائیں، کچھ کام بھی ہوا تھا؛ مگر فرصت نہ ملنے کی وجہ سے کام آگے نہ بڑھ سکا۔

اللہ پاک آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کے اندر ماشاء اللہ صلاحیت ہے مضامین بہت مفید ہیں، اُن میں اضافہ کر کے جلد ہی شائع کرایئے، اللہ پاک اس کا بہتر اجر عطا فرمائے۔

فقط والسلام

صدیق احمد غفرلہٗ

خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

۱۵/رجب ۱۴۱۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتب (طبع جدید)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

بفضلہٖ تعالیٰ زیرِنظر کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۴۱۷ھ میں شائع ہوا تھا، اُس کے بعد کچھ اِضافات کے ساتھ ۱۴۲۵ھ میں اُس کا نیا ایڈیشن منظرِ عام پر آیا اور ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے متعدد کتب خانوں سے اِس کی مسلسل اِشاعت ہوتی رہی۔ نیز مختلف زبانوں (بنگلہ اور اُزبک وغیرہ) میں اُس کے تراجم بھی شائع ہوکر مقبول ہوئے، فالحمد والشکر کلہ للہ۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ اہل اللہ اور بزرگوں کے اَحوال وواقعات کے مطالعہ سے طبیعت میں خاص تاثیر پیدا ہوتی ہے اور اپنا محاسبہ کرکے اِصلاح کا داعیہ اُبھر کر سامنے آتا ہے۔

بریں بنا بالخصوص طلبہ عزیز اور حضرات علماء کرام کو اپنے اکابر واَسلاف کی سیرت وسوانح کا مطالعہ کرکے اُن کی روشن زندگی کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنانا چاہئے، اِسی غرض سے یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔

قوی اُمید ہے کہ جو شخص بھی اِن مضامین کو سامنے رکھ کر اپنا جائزہ لے گا، تو ضرور اپنے اندر تبدیلی محسوس کرے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اِس نئی اِشاعت میں کتاب میں شامل نصوص اور روایات کی اَز سرِنو مراجعت کی گئی ہے، اَحادیثِ شریفہ کے نمبرات درج کئے گئے ہیں اور بعض مقامات پر حذف واِضافہ بھی کیا گیا ہے۔ ساتھ میں ضمیمہ کے طور پر والد گرامی قدر، نمونۂ اَسلاف، اَمیر الہند رابع حضرت اَقدس

مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ اُستاذ حدیث ومعاون مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند (المتوفی: ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ) سے متعلق چند اہم مضامین اور مشاہدات وتأثرات بھی شامل کئے گئے ہیں، جن کی قدر و قیمت کا اندازہ قارئین خود ہی لگالیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازیں اور ہم سب کو ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ رکھیں اور حسنِ خاتمہ سے مشرف فرما کر محض اپنے فضل وکرم سے اپنے نیک بندوں کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیں، آمین۔

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
خادم الطلبہ دارالعلوم دیوبند
۵؍رجب المرجب ۱۴۴۶ھ
مطابق ۶؍جنوری ۲۰۲۵ء بروز پیر

فہرست عناوین

- تہدیہ ---------- ۵
- تائید ودعا: عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ ------- ۶
- عرض مرتب (طبع جدید) ---------- ۷
- عرض مرتب (طبع دوم) ---------- ۲۴
- عرض مرتب (طبع اول) ---------- ۲۵
- چند تأثرات: ---------- ۲۶

○

- حسنِ نیت: ---------- ۳۲
- رسوخ فی العلم ---------- ۳۳
- یہ ہے قبولیت! ---------- ۳۴
  - مقبولیت کی تمنا ---------- ۳۵

①

- تواضع وانکساری ---------- ۳۶
  - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ---------- ۳۷
  - خلیفہ اوّل سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تواضع ---------- ۳۸

- سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تواضع ---------- ۳۹
- سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تواضع ---------- ۴۰
- سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تواضع ---------- ۴۰
- سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا عمل ---------- ۴۰
- سیدنا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا واقعہ ---------- ۴۱
- سیدنا حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کی تواضع ---------- ۴۱
- سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا مہمان کے ساتھ برتاؤ ---------- ۴۱
- اِمام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تواضع ---------- ۴۲
- حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کا جذبۂ تواضع ---------- ۴۲
- سیدنا حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ارشاد ---------- ۴۳
- عالم کامل کی پہچان ---------- ۴۴
- ہمارا حال ---------- ۴۵
- حضرت مدنی رحمہ اللہ کا عمل ---------- ۴۵
- وعظ کی مجلسیں کیوں مؤثر نہیں؟ ---------- ۴۶
- عالم کے لئے فتنہ ---------- ۴۶
- حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا عبرت انگیز واقعہ ---------- ۴۷
- مجمع کی کثرت اصل نہیں ---------- ۴۸
- مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کا واقعہ ---------- ۴۸
- حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا معمول ---------- ۴۹
- مقبول کون؟ ---------- ۴۹
- اِمام ربانی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے وعظ کا حال ---------- ۵۰

- اَز دل خیزد، بر دل ریزد ---------- ۵۲
- سچی مقبولیت کی پہچان ---------- ۵۲
- حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بعض ارشادات ---------- ۵۳
- شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا منہ پر تعریف کرنے پر نکیر کرنا ---------- ۵۵
- فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی بے نفسی ---------- ۵۵
- تصنیفات کے بارے میں اکابرؒ کا طرز عمل ---------- ۵۶
- نقد خوش خبری ---------- ۵۸
- تہمت کی جگہ سے بچیں! ---------- ۵۹
- اپنا امتیاز نہ چاہیں! ---------- ۶۰
- نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نفسی ---------- ۵۱
- حضرت سفیان ثوریؒ کا عمل ---------- ۶۲
- ہمارا طرز عمل ---------- ۶۲
- ہٹ دھرمی تکبر کی علامت ہے ---------- ۶۲
- مرض کا احساس کریں! ---------- ۶۳

۲

- دوسرے کی عزتِ نفس کا خیال ---------- ۶۴
- سب سے زیادہ پسندیدہ لوگ ---------- ۶۴
- حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا اِمام مالکؒ کے ساتھ معاملہ ---------- ۶۵
- اپنے گریبان میں جھانکیں! ---------- ۶۶
- ماتحتوں کے ساتھ برتاؤ کیسا ہو؟ ---------- ۶۷

۳

- عفوودرگذر ---------- ۶۸
- سیدنا حضرت زین العابدینؒ کا حیرت انگیز واقعہ ---------- ۶۸
- نرمی ہی میں خیر ہے ---------- ۷۰

۴

- حلم وبردباری ---------- ۷۲
- حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کا مقام ---------- ۷۳
- حضرت اِمام ابوحنیفہؒ کا بے مثال تحمل ---------- ۷۴
- حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا حلم ---------- ۷۵
- شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی بردباری ---------- ۷۵

۵

- زہدواستغنا ---------- ۷۷
- نبیٔ اَکرم ﷺ کا زہد ---------- ۷۸
- کامیاب مسلمان ---------- ۸۰
- نبیٔ اَکرم ﷺ کی تین اہم وصیتیں ---------- ۸۱
- سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زاہدانہ زندگی ---------- ۸۱
- سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا زہد ---------- ۸۲
- اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حالت ---------- ۸۲

- سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا حال ---------- ۸۳
- علم کا ضیاع کیسے؟ ---------- ۸۴
- استغناء میں عافیت ہے ---------- ۸۵
- حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کا بے مثال استغناء ---------- ۸۵
- حضرت گنگوہیؒ کا زہد واستغناء ---------- ۸۶
- حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا عبرت انگیز واقعہ ---------- ۸۷
- شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا قابلِ تقلید معمول ---------- ۸۹
- شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ کا معمول ---------- ۸۹
- حضرت شاہ عطاء اللہ بخاریؒ کا طرزِ عمل ---------- ۹۰
- حضرت شیخ الحدیثؒ کا استغناء ---------- ۹۰
- حضرت فقیہ الامتؒ کا مثالی زہد ---------- ۹۱
- حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب کا واقعہ ---------- ۹۱
- عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کا مثالی زہد ---------- ۹۲
- حضرت مولانا علی میاںؒ کا زہد ---------- ۹۲
- حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ کا ایک قیمتی ملفوظ ---------- ۹۴
- مال ودولت کی عزت عارضی ہے ---------- ۹۵

٦

- سخاوت اور مہمان نوازی ---------- ۹۶
- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت ---------- ۹۷
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سخاوت ---------- ۹۸

- سیدنا حضرت زین العابدینؒ کی جود وسخا ---------- ۹۹
- اِمام اَعظم اَبوحنیفہؒ کے چند واقعات ---------- ۹۹
- حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے چند واقعات ---------- ۱۰۲
- حضرت نانوتویؒ کی سخاوت ---------- ۱۰۳
- حضرت شیخ الہندؒ کی مہمان نوازی ---------- ۱۰۴
- حضرت شیخ الاسلامؒ کی سخاوت ---------- ۱۰۴
- حضرت رائے پوریؒ کے دستر خوان کی وسعت ---------- ۱۰۵
- حضرت شیخ الحدیثؒ کی فیاضی ---------- ۱۰۶
- حضرت فقیہ الامتؒ کی سخاوت ---------- ۱۰۶
- ایک آسان طریقہ ---------- ۱۰۷

۷

- ورع وتقویٰ ---------- ۱۰۹
- نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط ---------- ۱۱۰
- حضرت ابوالدرداءؓ کا ارشاد ---------- ۱۱۰
- حضرت حسن بصریؒ کا قول ---------- ۱۱۱
- سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا واقعہ ---------- ۱۱۱
- سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ورع وتقویٰ ---------- ۱۱۲
- اِمام اَعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کا ورع وتقویٰ ---------- ۱۱۲
- اِمام احمد بن حنبلؒ کا عبرت انگیز واقعہ ---------- ۱۱۳
- حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کا ورع وتقویٰ ---------- ۱۱۴

- میانجی نور محمدؒ کا تقویٰ ---------- ۱۱۴
- حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کا ورع وتقویٰ ---------- ۱۱۵
- حضرت نانوتویؒ کی کمالِ احتیاط ---------- ۱۱۵
- حضرت گنگوہیؒ کا تقویٰ ---------- ۱۱۵
- حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا واقعہ ---------- ۱۱۶
- شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ ---------- ۱۱۷
- مدرسہ کے مال میں احتیاط ---------- ۱۱۸
- آیئے محاسبہ کریں! ---------- ۱۲۰
- حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ کا معمول ---------- ۱۲۱

۸

- خوف وخشیت ---------- ۱۲۲
- اللہ کے خوف سے رونا ---------- ۱۲۴
- پیغمبر علیہ السلام کی خشیت ---------- ۱۲۵
- سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رقت قلبی ---------- ۱۲۶
- سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جذبہ خوف وخشیت ---------- ۱۲۶
- سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تضرع وزاری ---------- ۱۲۶
- سیدنا حضرت زین العابدینؒ کی خشیت ---------- ۱۲۷
- حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خشیت کا عالم ---------- ۱۲۷
- حضرت اِمام اعظم اَبوحنیفہؒ کے چند واقعات ---------- ۱۲۷
- مؤمن اللہ کی یاد میں نہ روئے تو کیا کرے؟ ---------- ۱۲۹

- رونا کیسے آئے؟ ---------- ۱۲۹
- رونے کا اِخفاء ---------- ۱۳۰
- قابلِ رشک بے قراری ---------- ۱۳۰
- حضرت گنگوہیؒ کا مبارک حال ---------- ۱۳۱
- شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کا الحاح وزاری ---------- ۱۳۲
- حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک نہایت قیمتی ملفوظ ---------- ۱۳۳
- ایک اہم ترین مسنون دعا ---------- ۱۳۳

۹

- علماء کرام کے لئے کچھ کارآمد باتیں ---------- ۱۳۵
- علم کا خلاصہ ---------- ۱۳۵
- علم کیسے حاصل ہوگا؟ ---------- ۱۳۶
- صبر، زہد اور تواضع کی حقیقت ---------- ۱۳۶
- تین نصیحتیں ---------- ۱۳۷
- علم کے ساتھ حلم کی اہمیت ---------- ۱۳۷
- عالم کامل کی تین پہچان ---------- ۱۳۸
- منصف مزاجی ---------- ۱۳۸
- جھک بازی سے پرہیز ---------- ۱۳۹
- چار کاموں سے ناگواری نہیں ہونی چاہئے ---------- ۱۳۹
- سیدنا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا حکیمانہ اِرشاد ---------- ۱۴۰
- جاہل کی تین علامتیں ---------- ۱۴۰

- حبِ جاہ کی نحوست ---------- ۱۴۰
- قابلِ تکریم حضرات ---------- ۱۴۱
- علم کی زندگی سوال وجواب میں ہے ---------- ۱۴۱
- دوطبقوں پر اصلاح کا مدار ---------- ۱۴۲
- عالمانہ وقار کی اہمیت ---------- ۱۴۲
- خفیہ شہوت کیا ہے؟ ---------- ۱۴۳
- گناہ! موجبِ نسیان ---------- ۱۴۳
- دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟ ---------- ۱۴۳
- سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی علماء کو نصیحت ---------- ۱۴۴
- عمل کے بغیر وعظ مؤثر نہیں ---------- ۱۴۵
- اَز دل خیزد، بر دل ریزد ---------- ۱۴۵
- عالم کے لئے عمل لازم ہے ---------- ۱۴۵
- دنیادار عالم سے اُمت کو نفع نہیں ہوتا ---------- ۱۴۵
- حلال روزی کی فکر ---------- ۱۴۵
- ابن عونؒ کی پسندیدہ باتیں ---------- ۱۴۶
- عارف باللہ شخص کی طرف دل کھنچے چلے جاتے ہیں ---------- ۱۴۶
- فتویٰ میں جلد بازی کم علمی کی دلیل ہے ---------- ۱۴۶
- عیب سے کوئی شخص مبرا نہیں ---------- ۱۴۶
- اِمام ابو یوسفؒ کے تجربہ کی تین باتیں ---------- ۱۴۷
- ہر مسئلہ کا جواب دینے میں نہ پڑیں ---------- ۱۴۷
- مسلسل مطالعہ سے حافظہ تیز ہوتا ہے ---------- ۱۴۸

- اہلِ علم کے لئے کچھ گراں قدر نصیحتیں ---------- ۱۴۹
- حضرت حکیم الامتؒ کا ایک گراں قدر ملفوظ ---------- ۱۵۴
- علماء کے کرنے کے چار کام ---------- ۱۵۴
- وقارِ علم ---------- ۱۵۵
- علماء اور اَساتذہ کے لئے حضرت فقیہ الامتؒ کی ۱۴ قیمتی وصیتیں ---------- ۱۵۶

- خاتمہ ---------- ۱۵۸

ضمیمہ:-۱ مختصر تذکرہ مقبول بارگاہ:

عارف باللہ حضرت اَقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہٗ

- ایسا کہاں سے لائیں ---------- ۱۶۲
- علم سے بے انتہاء شغف ---------- ۱۶۴
- سادگی اور تواضع ---------- ۱۶۶
- کمالِ زہد ---------- ۱۶۸
- عشقِ نبوی ---------- ۱۶۹

- حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی کی چند عبرت آموز جھلکیاں ---------- ۱۷۱

- پرمشقت طالب علمی ---------- ۱۷۱
- اِصلاحِ اُمت کی دھن ---------- ۱۷۲
- مدرسہ کی تعمیر میں شرکت ---------- ۱۷۴
- بے مثال تواضع ---------- ۱۷۵
- اپنے لئے احتیاط ہی پسند تھی ---------- ۱۷۶
- مہمانوں کا اکرام ---------- ۱۷۷
- دوسرے کی دل شکنی کا خیال ---------- ۱۷۹
- حوصلہ اَفزائی ---------- ۱۸۰
- اصلاح بین الناس کی فکر ---------- ۱۸۰
- ہدیہ سے بے نیازی ---------- ۱۸۱
- سفرخرچ ---------- ۱۸۲
- وقت کی قیمت کا احساس ---------- ۱۸۲
- ترکِ مالایعنی ---------- ۱۸۳
- ایثار کا عملی نمونہ ---------- ۱۸۳
- لاوارثوں کی کفالت ---------- ۱۸۴
- یہ تو خیانت ہوگی ---------- ۱۸۵
- آخرت میں جواب دہی کا خوف ---------- ۱۸۵
- قیامت کے دن تمہارا دامن پکڑوں گا ---------- ۱۸۶
- میں نے آخرت کا بوجھ اوڑھ لیا ہے ---------- ۱۸۶
- تربیت کا انوکھا انداز ---------- ۱۸۷
- طلباء کے لئے گراں قدر نصیحت ---------- ۱۸۸
- اُمورِ عشرہ برائے طلباء ---------- ۱۸۸

- علماء کی ذمہ داری ---------- ۱۹۰
- لعنت کے اَسباب سے بچیں ---------- ۱۹۱
- کارکنان تبلیغی جماعت سے خطاب ---------- ۱۹۱
- تین قیمتی ہدایتیں ---------- ۱۹۲
- ایک اہم حدیث کی تشریح ---------- ۱۹۴

ضمیمہ:-۲ ہم نے دیکھی تھی: ایک روشن صفات شخصیت!

اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ

- ولادت اور تعلیم ---------- ۲۰۰
- فن قرأت سے دلچسپی ---------- ۲۰۱
- عربی اَدب سے لگاؤ ---------- ۲۰۲
- جامعہ قاسمیہ گیا میں ---------- ۲۰۲
- جامعہ اِسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں ---------- ۲۰۳
- النادی العربی ---------- ۲۰۵
- خانوادۂ مدنی کے اَتالیق ---------- ۲۰۵
- دارالعلوم دیوبند میں تقرر ---------- ۲۰۶
- دارالعلوم دیوبند میں انتظامی ذمہ داریاں ---------- ۲۰۷
- مجلس تحفظ ختم نبوت کی نظامت ---------- ۲۰۸

- بشارت آمیز خواب ---------- ۲۱۰
- مسلکِ حق پر ثبات قدمی ---------- ۲۱۰
- عشقِ نبوی ﷺ ---------- ۲۱۱
- جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی ---------- ۲۱۱
- عادات وخصائل ---------- ۲۱۳
- قرآنِ کریم سے شغف ---------- ۲۱۴
- سلوک ومعرفت ---------- ۲۱۶
- خانوادۂ مدنی سے نسبت ---------- ۲۱۶
- اَولاد کی نگرانی ---------- ۲۱۷
- زیارتِ حرمین شریفین ---------- ۲۱۸
- علالت اور وفات ---------- ۲۱۹

- واقفِ اسرار تعلیم ورموزِ تربیت ---------- ۲۲۱
- حلیہ ---------- ۲۲۱
- انعامِ الٰہی ---------- ۲۲۲
- بے قراری ---------- ۲۲۲
- مخلص ترین اُستاذ ومربی ---------- ۲۲۳
- رجال سازی ---------- ۲۲۴
- دوستی گانٹھنے کی ممانعت ---------- ۲۲۵
- نماز میں سستی پر تنبیہ ---------- ۲۲۶

- فجر کے بعد سونا ---------- ۲۲۶
- رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک ---------- ۲۲۷
- دل داری اور وضع داری ---------- ۲۲۷
- اکرامِ ضیف ---------- ۲۲۸
- بچوں اور پالتو جانوروں کے ساتھ شفقت ---------- ۲۲۹
- مجلس آرائی سے اجتناب ---------- ۲۳۰
- فکرِ آخرت ---------- ۲۳۰
- حبِ نبی ﷺ ---------- ۲۳۱
- اِخفائے حال ---------- ۲۳۲

- حضرت والد ماجدؒ کا تدریسی امتیاز ---------- ۲۳۴

- قابلِ تقلید صفات ---------- ۲۴۰
- مشاہدات وتأثرات ---------- ۲۴۰
- اَسباق کے لئے نوٹس کی تیاری ---------- ۲۴۰
- تدریس کا نرالا اَنداز ---------- ۲۴۱
- دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں ---------- ۲۴۳
- طلبہ کی تشویق وترغیب اور ان کی حوصلہ افزائی ---------- ۲۴۴
- تعمیری ذہن اور سرگرم عمل طبیعت کے مالک ---------- ۲۴۶

- متنوع اَوصاف کی حامل شخصیت ---------- ۲۴۷
- پیکر شفقت وتواضع ---------- ۲۴۸
- سفر میں دل داری اور نماز کا اہتمام ---------- ۲۵۲
- معاملات کی صفائی اور دارالعلوم دیوبند کا اہتمام ---------- ۲۵۳
- تحفظ ناموسِ صحابہؓ ---------- ۲۵۴
- بروقت اصلاح کی فکر ---------- ۲۵۵
- نرالی سادگی ---------- ۲۵۶
- اَمیر الہندؒ ایک ولی کامل کی نظر میں ---------- ۲۵۷
- اَمیر الہند اور نیک کاموں کی حرص ---------- ۲۵۸
- اتباعِ سنت ---------- ۲۵۹
- ذوقِ نظافت ونفاست ---------- ۲۶۰
- ضیاعِ وقت سے احتیاط ---------- ۲۶۱
- صفائی معاملات ---------- ۲۶۲
- زبان کی حفاظت ---------- ۲۶۳
- تکلیف دہی سے اجتناب ---------- ۲۶۳
- نظم ونسق اور اُصول پسندی ---------- ۲۶۴
- دخل اندازی سے پرہیز ---------- ۲۶۴
- دو اہم نصیحتیں ---------- ۲۶۵
- ماٰخذ ومراجع ---------- ۲۶۷
- مرتب کی علمی کاوشیں ---------- ۲۷۰

❐❖❐

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

عرضِ مرتب (طبع دوم)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

''اللہ والوں کی مقبولیت کا راز'' کا اولین ایڈیشن آج سے آٹھ سال قبل شائع ہوا تھا، اس کے بعد سے بفضلہٖ تعالیٰ ہندو پاک کے متعدد کتب خانوں سے اس کی برابر اشاعت ہو رہی ہے۔

اور اس پر اللہ رب العزت کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس کتاب سے قارئین کو غیر معمولی نفع ہوا، فکر مند علماء اور خواص نے اس کی نہایت پذیرائی کی، حتی کہ بعض مشائخ اور اہل اللہ نے اپنی خانقاہوں اور مدارس ومساجد میں اس کی باقاعدہ تعلیم کا اہتمام کیا اور اس کے مطالعہ کو اپنے ''اصلاحی نصاب'' کا ایک جزو قرار دیا۔ **فالحمد و الشکر کلہ للّٰہ۔**

شروع ہی سے ارادہ تھا کہ اس رسالہ پر نظر ثانی کر کے بعض مضامین کا اضافہ اور ترتیب وعنوانات کو مزید جاذب نظر بنایا جائے، مگر آج کل پر بات ٹلتی رہی، بالآخر چند ماہ قبل ہمت کر کے اس کی کمپیوٹر کتابت شروع کر دی گئی اور جیسے جیسے موقع ملتا گیا تصحیح کے ساتھ ساتھ کچھ اضافہ بھی کیا جاتا رہا، اور ذیلی عنوانات الگ الگ کر دئے گئے۔ بالخصوص اہل علم کے لئے علامہ ابن عبد البر الاندلسیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) کی کتاب ''جامع بیان العلم وفضلہٖ'' سے گراں قدر اقوال واحوالِ سلف جمع کر دئے گئے۔ اب انشاء اللہ یہ کتاب پہلے سے زیادہ دل چسپی سے پڑھی جائے گی اور اس کا نفع مزید عام ہوگا۔ **وما ذلک علی اللّٰہ بعزیز۔**

جیسا کہ احقر نے اول اشاعت کے وقت عرض کیا تھا کہ اس کتاب کا اولین مخاطب خود یہ ناکارہ ہے۔ بلکہ اپنی اصلاح کے لئے ہی اس مواد کو جمع کرنے کا داعیہ پیدا ہوا تھا، لیکن سخت افسوس کا مقام ہے کہ ابھی تک احقر کتاب میں ذکر کردہ صفات میں اپنی زندگی ڈھالنے میں کامیاب نہ ہوسکا، اس لئے قارئین سے عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ اس ناکارہ کے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ان لکھی ہوئی باتوں کے مطابق عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں، یہ اس ناکارہ پر بڑا احسان ہوگا۔ ساتھ میں یہ بھی گذارش ہے کہ وہ کتاب پڑھتے وقت مرتب کی ذات سے کسی بات کا موازنہ کرنے کے بجائے ہمیشہ اُن حضرات اکابر وسلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے کردار

ہی کو پیش نظر رکھیں جن کی طرف کتاب میں مذکورہ باتوں کا انتساب کیا گیا ہے، اس لئے کہ احقر تو صرف ناقل ہے، عمل کا دعوی نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔

بہر حال اب یہ عاجزانہ کاوش قارئین کی خدمت میں پیش ہے، دعا ہے کہ اللہ رب العزت اسے اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرما کر امت کے عوام وخواص کو اس سے استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائیں، اور اس کو ہم سب کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بنادیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ
خادم مدرسہ شاہی مرادآباد
۱۴۲۵/۱۰/۲۲ھ

عرضِ مرتب (طبع اول)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

زیر نظر مضمون کا اولین مخاطب خود یہ راقم الحروف ہے، احقر نے جب یہ محسوس کیا کہ اپنی زندگی کی ڈگر اللہ کے نیک بندوں کے راستہ سے ہٹتی جارہی ہے اور عمر کے ساتھ ساتھ لاپروائی اور آخرت سے غفلت کا رجحان روز افزوں ہے، تو خیال آیا کہ اللہ والوں کی امتیازی صفات اور عبرت آموز واقعات یکجا کئے جائیں جو ہم جیسے کم ہمت لوگوں کے لئے مہمیز کا کام دیں۔ اور ان کو بار بار پڑھنے اور یاد رکھنے سے دل میں کچھ غیرت پیدا ہو اور کوتاہی کا تسلسل ٹوٹ سکے۔

اس لئے اپنی وسعت کے مطابق یہ چند بکھری ہوئی باتیں جمع کردی ہیں، کاش یہ حقیر محنت بارگاہِ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل کرے اور اس ناکارہ اور سبھی قارئین کے لئے دینی فائدہ کے حصول کا ذریعہ بنے۔

قارئین سے بھی استدعا ہے کہ وہ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالی ہم سب کو اپنے مقبول اور مقرب بندوں میں شامل فرمائیں اور اپنی رضاء دائمی سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ
خادم الافتاء والحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد
۱۴۱۷/۱۱/۱۷ھ

چند تأثرات:

○ حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی برنی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ

حامداً ومصلیاً امابعد:

اللہ جل شانہ نے انسانوں کی بلندی اور برتری کے لئے اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ پیدا فرمائے، انہیں اخلاق حسنہ اور صفات عالیہ کی وجہ سے انسانیت اجاگر ہوتی ہے اور جو مؤمن بندے ان سے متصف ہوتے ہیں ایسے افراد اللہ تعالی کے یہاں بھی مقبول ہوتے ہیں اور اس کے بندوں کے یہاں بھی انہیں مقبولیت عامہ نصیب ہوتی ہے، ان صفاتِ عالیہ میں صفت تواضع اور انکساری بڑی اہمیت رکھتی ہے، اکابر دیوبند کو اللہ تعالی نے علوم وافرہ کثیرہ سے بھی نوازا اور اعمال صالحہ اور اخلاق عالیہ سے بھی متصف فرمایا، ان حضرات نے تواضع اور انکساری کو ایسا اپنایا اور حرز جاں بنایا کہ قرنِ ماضی میں اس کی نظیر نہیں ملتی، نیز ان حضرات میں زہد واستغناء بھی بڑے درجے کا تھا، تحریر وتقریر، شریعت وطریقت کی خدمات سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے تھیں، مخلوق سے کسی چیز کے طالب نہ تھے، کسی شخص سے خواہ کتنا ہی بڑا ہو، مال دار صاحب اقتدار ہو، ذرا سا بھی لالچ نہیں رکھتے تھے، اہل مال جو اُن حضرات کے معتقد تھے وہ چاہتے تھے کہ کچھ پیش کریں؛ لیکن ان حضرات کا مزاج یہ تھا کہ قول وعمل سے یہ ظاہر فرمادیتے تھے کہ ہماری خوشی اس میں ہے کہ جس وجہ سے ہم سے تعلق ہے یعنی علم سیکھنا اور عملی زندگی کو اپنانا، ہم اس سے خوش ہوتے ہیں، ابھی دنیا میں ایسے افراد اور اشخاص موجود ہیں جنہوں نے ان حضرات کو دیکھا ہے اور جنہیں ان باتوں کا علم ہے اور ان حضرات کی جو سوانح لکھی گئی ہیں ان میں یہ باتیں مندرج ہیں۔

اللہ تعالی مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری زاد اللہ علمہ ومجدہٗ نواسۂ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو جزائے خیر دے جنہوں نے ایک رسالہ ''اللہ والوں کی مقبولیت کا راز'' کے عنوان سے تالیف کیا ہے، مولانا موصوف مدینہ منورہ تشریف لائے تو احقر کو بھی ایک

نسخہ عنایت فرمایا، ماشاء اللہ خوب ہی لکھا ہے، اکابر سلف کے واقعات اور اکابر دیوبند کے حالات متعلقہ تواضع وانکساری، ورع اور تقوی، زہد واستغناء اور خوف وخشیت بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ جمع کئے ہیں، رسالہ عوام وخواص سب ہی کے لئے ضروری المطالعہ ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زور قلب اور زیادہ

بارک اللہ تعالی فی علومہ واعمالہ وجزاہ خیر الجزاء.

العبد الفقیر: محمد عاشق الٰہی بلند شہری عفا اللہ عنہ المدینۃ المنورہ ۱۴۱۸/۱/۱۷ھ

○ مولانا عثمان احمد قاسمیؒ جامعہ بدر الاسلام شاہ گنج جونپور

مکرمی جناب مفتی صاحب دامت فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ باعث مسرت ہوا، اپریل کا ندائے شاہی ملا، ساتھ ہی آپ کی مرتبہ کتاب بھی ملی، عنایت فرمائی کا شکریہ قبول فرمائیں، آپ کی کتاب ظاہری معنوی ہر اعتبار سے لائق تحسین ہے اور آپ مبارک باد اور آفریں کے حق دار ہیں، ہر وقت اور ہر موقع پر اہم کام آپ نے انجام دیا ہے، اللہ تعالی آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے، اور لوگوں کو کتاب سے استفادہ کی توفیق دے، آپ کے مضامین سلسلہ وار ندائے شاہی میں شائع ہو رہے تھے، اب کتابی شکل میں آجانے سے اس کی افادیت بڑھ جائے گی اور یہ قیمتی تحریر محفوظ ہو جائے گی نام بھی آپ نے خوب رکھا ''اللہ والوں کی مقبولیت کا راز'' کتاب بہت پسند آئی۔

والسلام

عثمان احمد غفرلہ شاہ گنج ۱۹۹۷/۴/۹ء

○ حضرت مولانا نور عالم خلیل الامینیؒ اُستاذ دار العلوم دیوبند

اخی العزیز مولانا مفتی سلمان صاحب منصور پوری زید لطفہ ووفقہ اللہ لکل خیر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے کہ آپ ہر طرح مع الخیر ہوں گے۔ ہم رشتہ دونوں کتابیں ''اللہ والوں کی مقبولیت کا راز'' اور ''مذہب غیر پر فتوی اور عمل'' عزیزم مولوی عفان سلمہ کی معرفت موصول

ہوئیں۔ اول الذکر کتاب تو تقریباً پوری پڑھ گیا، محظوظ ہوا، مستفید ہوا اور سعادت مندانہ لمحے اس کے ساتھ گزار کر روح کو تسکین اور قلب کو غذا ملی، واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب ہمارے مدرسی حلقوں کی ناگزیر ضرورت ہے؛ ہمارے علما، قائدین، مفکرین، واعظین، مدرسین، طلبہ اور ذمہ داران مدارس ومکاتب وجماعات: سبھوں کے لئے فرداً فرداً مطالعے کی چیز ہے۔ جن امراض سے ہمیں بچنا چاہئے، ہم انہی کے شکار ہیں؛ اسی لئے اسلامی خدمتوں کی تمام کوششیں مطلوبہ نتائج تک پہنچنے میں ناکام ہیں۔ مظاہر واشکال اور لاشہ ہائے بے جان کی طرح ہماری تگ وتاز اکارت جارہی ہیں۔

خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے بہت ضروری سمت میں یہ قدم اٹھایا ہے؛ جو آئندہ بھی جاری رہنا چاہئے۔ والسلام

اخوک: نور عالم امینی

۱۰/۴/۱۴۱۸ھ ۱۵/۸/۱۹۹۷ء شب جمعہ

○ حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحبؒ جامعہ فلاح دارین ترکیسر

عزیز القدر مولوی محمد سلمان سلمہ منصور پوری سلام مسنون

بعد دعا کے واضح ہو کہ تمہاری کتاب ''اللہ والوں کی مقبولیت کا راز'' موصول ہوئی، دلی خوشی ہوئی، سبحان اللہ تم نے اسلاف واکابر کی زندگی: ان کی بے نفسی، اخلاص، انسان دوستی، فکر آخرت، انابت الی اللہ، امت کی فکر، اسلام کے لئے قربانیاں اور علم کی تحصیل اور اس کی اشاعت کے لئے جد وجہد، دیانت وصداقت، تقوے طہارت، جذبۂ جہاد کے ان واقعات کو آج کی مادہ پرست، مطلب پرست، دھوکے باز، آخرت فراموش اور صرف دنیا کے لئے جینے اور مرنے کے خوگر غافل عوام ونام نہاد علماء وطلبہ کی آنکھیں کھولنے اور اپنا احتساب کرنے اور اپنے آپ کو ان کا جانشین اور معتقد کہنے والوں کو بڑا سامان عبرت جمع کر دیا ہے۔ اللہ تعالی سب کی طرف سے تم کو بھرپور بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

محتاج دعا: ذوالفقار احمد غفرلہ ۲۸/اگست ۱۹۹۸ء

○ مفتی اسماعیل ابراہیم بھڑکودریؒ دارالعلوم کنتھاریہ بھروچ

محترم ومکرم مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش اینکہ گذشتہ کل ماہنامہ ندائے شاہی کے لفافہ میں آپ کی قلمی کاوشوں کا ثمرہ اور فکر صواب کے گوشوں کے گوہروں کا گنجینہ دستیاب ہوا، یعنی ''اللہ والوں کی مقبولیت کا راز''، جس کو بندہ پرچۂ ندائے شاہی میں اکثر پڑھتا اور احباب سے کہتا اور سوچتا کہ بڑا قیمتی، مفید مضمون ہے، مجلس میں تعلیم کے قابل ہے، اور دل ہی دل میں سوچتا تھا کہ کاش یہ قسط وار مضامین بعنوان مذکور کتابی شکل میں چھپ جائیں۔ بندہ اس کو اپنی ضرورت سمجھ کر مطالعہ کرتا تھا، اور یہ خواہش کرتا تھا کہ ہر چھوٹے بڑے کی نظروں اور فکروں میں اسلاف کی یہ روشنی رہے تو امت کے قافلہ کو صحیح رخ مل جائے۔

اس اصلاحی رسالہ کے متعلق سوچا ہے کہ تعطیلات میں اپنے احباب وطن کو پڑھ کر سناؤں گا، تاکہ فاضلین جامعات اصولی اوصاف حمیدہ سے اور اکابرؒ کی روش محمود سے آگاہ ہوں۔

دعاجو: (مفتی) اسماعیل ابراہیم بھڑکودری دارالعلوم کنتھاریہ ۱۲/۱/۱۴۱۷ھ

○ حضرت مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

برادر مکرم زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی ارسال کردہ کتاب ''اللہ والوں کی مقبولیت کا راز'' موصول ہوئی، پڑھ کر دیکھ کر رشک آیا، طلبہ میں زائد سے زائد تقسیم کی جائے انشاء اللہ فائدہ ہوگا، مدرسہ اور طلبہ کی اصلاح سے متعلق اسی نوع کے مفید مضامین آپ جمع کر دیں تو بہت مفید ثابت ہوں گے، اللہ پاک نے آپ کے اندر صلاحیت دی ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی آپ بیتی میں بہت مضامین ہیں اس میں بھی کچھ کام کر دیجئے۔

اللہ پاک آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے، اور امت کو زائد سے زائد فائدہ پہنچائے، میرے لئے بھی دعاء کیجئے۔

بعض جگہ عنوانات قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے ایسا ہوجائے تو بہتر ہے، مضمون لمبا ہونے سے افادیت کم محسوس ہوتی ہے۔

حوالے نیچے ہوجائیں تو بہتر ہے یا مضمون پورا ہونے کے بعد ساتھ ہی؛ لیکن علیحدہ یعنی اس کے بعد کا مضمون نئی سطر سے شروع ہو۔

والسلام طالب دعاء: محمد زید ۱۴۱۷/۱۲/۱ھ

○ حضرت مولانا احمد نصر بنارسی مدظلہ مدرسہ امدادیہ بنارس کینٹ

محبّ مکرم جناب مفتی محمد سلمان صاحب سلمک اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے!

بہت ہی مختصر ملاقات تھی آپ نے اپنی مختصر مگر مدلل تالیف مرحمت فرمائی شکریہ جزاکم اللہ خیر الجزاء، جستہ جستہ تو اسی وقت دیکھ لیا تھا، بنارس آکر پھر اطمینان سے پوری کتاب پڑھی بہت ہی پسند آئی، آپ نے خوب لکھا ماشاء اللہ انداز بھی بہت ہی شگفتہ ہے آپ نے اللہ والوں کی مقبولیت کا راز پالیا، اس سے میرے اندر رشک کی کیفیت پیدا ہوئی کاش مجھے بھی یہ انداز نصیب ہوتا۔ اکابر کے واقعات نے دل پر بہت ہی اثر کیا واقعی عجیب وغریب نافع کتاب ہے۔ جزاک اللہ وبارک اللہ۔

کتاب پڑھنے کے بعد مرے دل میں آپ کی قدر بہت ہی زیادہ پیدا ہوگئی، کتاب کے پڑھنے کے بعد مؤلف کی میانہ روی واعتدال کا جو پہلو سامنے آیا ہے وہ آج کل کے علماء ہی نہیں بلکہ مشائخ کے لئے بھی قابل تقلید ہے، میں بعد عصر طلبہ کو اکابر کی کتب سے چند اوراق سنایا کرتا ہوں، آج سے آپ کی مبارک تالیف کو سنانا شروع کردیا ہے۔

اللہ پاک مؤلف کو جزاء خیر عطا فرمائیں، آمین۔ اور ہم جیسے بے عمل ناکارہ لوگوں کو خاص کر اس ناکارہ کو ان اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دعوت صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔

احمد نصر بنارسی غفرلہٗ ۱۴۱۹/۲/۳ھ

❐❖❐

حسنِ نیت:

دین کے ہر کام میں حسن نیت ضروری ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إنّما الأعمال بالنیات" یعنی اعمال کے مقبول ہونے یا نہ ہونے کا مدار نیت پر ہے، جیسی نیت ہوگی ویسے ہی اس پر اثرات مرتب ہوں گے، سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے: "لا عمل لمن لا نیة له" یعنی جس کی نیت صحیح نہیں ہے اس کے عمل کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یحیٰ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں ''نیت کرنا سیکھو؛ اِس لئے کہ یہ عمل کرنے سے زیادہ اہم ہے''۔ داؤد طائیؒ فرماتے ہیں: ''حسن نیت ہی تمام بھلائیوں کا مجموعہ ہے''۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے ارشاد فرمایا: ''میں اپنی نیت سے زیادہ کسی چیز کی نگرانی نہیں کرتا؛ اس لئے کہ وہ مسلسل الٹتی پلٹتی رہتی ہے''۔

یوسف ابن اسباطؒ فرماتے ہیں: ''نیت کو فاسد ہونے سے بچانا اہل عمل کے لئے لمبی لمبی عبادتوں سے بڑھ کر ہے''۔ اور حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ نے ارشاد فرمایا: ''بہت سے معمولی اعمالِ نیت کی صحت کی وجہ سے عظیم الشان ہوجاتے ہیں اور بسا اوقات بہت بڑے بڑے اَعمال نیت کے فساد کی وجہ سے معمولی بن جاتے ہیں''۔

(جامع العلوم والحکم، ۱۲)

رسوخ فی العلم

علماء نے حقیقی عالم کی چار اہم صفات بیان فرمائی ہیں:

❑ اَلْخَشِيَّةُ فِيْ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى.

اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان خشیت کا معاملہ کرنا۔

❑ اَلتَّوَاضُعُ فِيْ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّاسِ.

اپنے اور لوگوں کے درمیان تواضع اور انکساری کا معاملہ کرنا۔

❑ اَلزُّهْدُ فِيْ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الدُّنْيَا.

اپنے اور دنیا کے درمیان بے رغبتی کا معاملہ کرنا

❑ اَلْمُجَاهَدَةُ فِيْ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ نَفْسِهٖ.

اپنے اور اپنے نفس کے درمیان مجاہدہ کا معاملہ کرنا۔ (اور آرام طلبی کو چھوڑ دینا) (حاشیہ الصاوی علی الجلالین ۱/۲۱۶ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

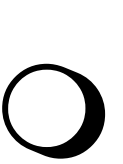

یہ ہے قبولیت!

اشعث ابن شعبہ مصیصی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ شہر ''رقہ'' میں مقیم تھے، اِسی دوران اِمام وقت، محدثِ کبیر حضرت عبداللہ ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ بھی ''رقہ'' میں رونق افروز ہوئے، اُن کے استقبال کے لئے سارا شہر اُمڈ پڑا، بھیڑ کی کثرت کی وجہ سے راستے ٹوٹے ہوئے جوتوں اور چپلوں سے پَٹ گئے اور پورے شہر کی فضا گرد آلود ہوگئی، ہارون رشید کی ایک باندی شاہی محل کے جھروکے سے یہ منظر دیکھ رہی تھی، اُس نے لوگوں سے پوچھا کہ: یہ ماجرا کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ آج خراسان کے ایک بڑے عالم اِمام عبداللہ ابن المبارکؒ نے اپنی تشریف آوری سے اِس شہر کو رونق بخشی ہے، اُن کی زیارت واستقبال کے لئے یہ عظیم مجمع اکٹھا ہوا ہے، باندی یہ سن کر بے اختیار بول اٹھی: ''اللہ کی قسم یہ ہے بادشاہت! ہارون رشید کی بادشاہت حقیقی نہیں، جس کے لئے فوج اور سپاہیوں کے ذریعہ مجمع لگایا جاتا ہے''۔ (مقدمہ کتاب الزہد ص: ۵۵)

جن عبداللہ ابن المبارکؒ کا یہ واقعہ ہے، اُن کی عظمت ورفعت صرف عوام ہی کے دلوں میں نہ تھی؛ بلکہ اُن کے بارے میں بڑے بڑے ہم عصر علماء اور محدثین نے ایسے شان دار کلمات ارشاد فرمائے ہیں جو اِسلامی تاریخ میں خال خال اَفراد ہی کو نصیب ہوئے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر محدث سے مروی ہے، وہ کہتے تھے کہ

''میں پوری عمر اِس آرزو میں رہا کہ کاش میری زندگی کا کوئی ایک سال عبداللہ ابن المبارکؒ کی طرح گذر جائے؛ مگر میں تین روز بھی اُن کی طرح گذارنے پر قادر نہ ہوسکا''۔

حضرت اِمام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ: ''ہمارے علم میں عبداللہ ابن المبارکؒ کے زمانہ میں کوئی اُن سے زیادہ برتر اور اُن سے زیادہ اَوصافِ حمیدہ کا جامع نہیں تھا''۔

الغرض علماء سلف وخلف اُن کی جلالت شان پر متفق ہیں اور ہر شخص دل سے اُن کا احترام کرتا نظر آتا ہے۔

مقبولیت کی تمنا

عبداللہ ابن المبارکؒ اور اُن جیسے اپنے زمانہ کے مقبول ومحبوب علماء اور صلحاء کے حالات وواقعات دیکھ کر بعد کے لوگوں میں بھی یہ خواہش انگڑائی لیتی ہے کہ لوگ اُن کا بھی اسی طرح احترام کریں جیسا عبداللہ ابن المبارکؒ وغیرہ کا کیا کرتے تھے۔

وہ جہاں بھی جائیں استقبال کے لئے لوگوں کی بھیڑ امڈ پڑے۔

وہ جو بھی زبان سے نکال دیں وہ پتھر کی لکیر بن جائے۔

اور ہر شخص دل سے ان کا مطیع اور تابع فرمان بن جائے۔

جب ابتداء ہی سے ہم اپنا ذہن یہ بنا لیتے ہیں تو جہاں بھی ہماری دلی خواہش کی تکمیل میں رخنہ پڑتا ہے تو ہم ناراض ہوجاتے ہیں، ہمارے چہرے کا رنگ متغیر ہوجاتا ہے اور دل ہی دل میں سخت اَذیت محسوس ہوتی ہے۔

مگر اِن انفعالی کیفیات کے باوجود ہم مقبولیت کے مقام سے کوسوں دور رہتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو پہلے اُن صفات میں ڈھالا نہیں جن پر انسان کی مقبولیت کا مدار ہے۔

اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح بغیر سہارے کے کسی بلند چھت پر چڑھنا محال ہے اسی طرح چند لازمی صفات اختیار کئے بغیر مقام قبولیت کی گرد پانا بھی مشکل ہے۔ آئندہ صفحات میں ایسی ہی چند صفات کا اِحاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

۱

تواضع وانکساری

مقبولیت کی صفات میں سب سے اہم صفت تواضع وانکساری ہے، یعنی آدمی خود اپنی مقبولیت کا متمنی نہ رہے اور دل سے اپنے آپ کو کم تر سمجھتا رہے اور ہر وقت عاجزی کا مظاہرہ کرتا رہے، قرآنِ کریم میں ''رحمٰن کے خاص اور مقرب بندوں'' کی صفات بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے یہی صفت بیان کی گئی ہے کہ اُن کی چال ڈھال سے تواضع اور عاجزی کی شان نمایاں ہوتی ہے۔ اِرشاد خداوندی ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً. (الفرقان: ٦٣)

اور رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں۔

اِس عاجزی سے اِنسان اللہ اور اُس کے بندوں کے درمیان محبوب بن جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:

مَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ. (مشكوة شريف / كتاب البر والصلة ٤٣٤/٢ رقم: ٢٥٨٨)

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے آپ کو کمتر سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے ضرور سربلندی اور عزت سے سرفراز فرماتے ہیں۔

نیز حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ اَوْصیٰ إِلَیَّ أَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰی لاَ یَفْخَرَ أَحَدٌ عَلٰی أَحَدٍ وَلاَ یَبْغِیْ أَحَدٌ عَلٰی أَحَدٍ. (صحیح مسلم رقم: ۲۸٦٥، سنن أبي داؤد: ٤٨٩٥، الترغیب والترھیب مکمل ص: ٦٠٩ بیت الأفکار الدولیة)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے کہ عاجزی اختیار کروتا آنکہ کوئی شخص دوسرے کے مقابلہ میں نہ تو فخر کرے اور نہ ظلم کرے۔

سیدنا حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دن منبر پر خطبہ دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ: اے لوگو! تواضع اختیار کرو؛ اِس لئے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اِرشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ فَھُوَ فِيْ نَفْسِہٖ صَغِیْرٌ وَفِيْ أَعْیُنِ النَّاسِ عَظِیْمٌ، وَمَنْ تَکَبَّرَ وَضَعَہُ اللّٰہُ فَھُوَ فِيْ أَعْیُنِ النَّاسِ صَغِیْرٌ وَفِيْ نَفْسِہٖ کَبِیْرٌ حَتّٰی لَھُوَ أَھْوَنُ عَلَیْھِمْ مِنْ کَلْبٍ أَوْ خِنْزِیْرٍ. (شعب الإیمان ٦/٢٧٦)

جوشخص اللہ کے لئے عاجزی کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے سربلندی سے نوازتے ہیں، پس وہ اپنی نظر میں کم تر؛ لیکن لوگوں کی نظر میں برتر ہوجاتا ہے (اِس کے برخلاف) جوشخص تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ذلیل فرمادیتے ہیں، پھر وہ لوگوں کی نظر میں کم تر ہوجاتا ہے؛ حالاں کہ وہ خود اپنے کو برتر سمجھتا ہے؛ حتی کہ وہ لوگوں کی نگاہ میں کتے اور خنزیر سے بدتر ہوجاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس اِرشاد عالی کی صداقت کھلے آنکھوں دکھائی دیتی ہے، جوشخص بھی دل سے متواضع ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا منظورِ نظر اور محبوبِ خلائق بن جاتا ہے اور جو غرور اور رعونت ظاہر کرتا ہے تو اُس کی ذلت لوگوں کے دلوں میں پیوست ہوجاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم کی بھیڑ چلنا بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ سیدنا حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:
''ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید گرمی کے دن بقیع کی طرف تشریف لے چلے، لوگ آپ کے پیچھے چل رہے تھے، جب آپ نے پیچھے جوتوں کی آواز سنی تو اسے اپنی توقیر کا ذریعہ سمجھا اور آپ فوراً بیٹھ گئے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگے بڑھا دیا؛ تاکہ آپ کے دل میں تکبر کا شائبہ نہ آجائے''۔ (سنن ابن ماجہ ص:۲۳)

سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بیماروں کی مزاج پرسی فرماتے، جنازہ میں شرکت کرتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرمالیتے اور (ضرورت پڑنے پر) دوسرے کو پیچھے بٹھا کر گدھے کی سواری میں بھی عار نہ محسوس فرماتے، غزوۂ خیبر اور غزوۂ بنی قریظہ میں آپ ایسے گھوڑے پر سوار تھے جس کی نکیل کھجور کی رسی کی تھی اور اُس پر کھجور کی چھال سے بنی ہوئی کاٹھی تھی''۔ (شعب الایمان ۲/۲۹۰)

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بے تکلف بیٹھ جاتے اور زمین پر بیٹھ کر کھانا نوش فرماتے اور بکریوں کو خود باندھ دیتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرمالیتے تھے''۔ (شعب الایمان ۱/۲۹۰)

یہ سب باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ ترین تواضع کی علامت تھیں کہ ہر کمال سے متصف ہونے کے باوجود آپ کی حیاتِ طیبہ اُن تکلفات سے قطعاً خالی تھی جو نام نہاد بڑے لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔

خلیفہ اَول سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تواضع

خلیفہ اَول سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے سے پہلے تک محلّہ والوں کی بکریوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔ جب آپ خلیفہ بن گئے تو محلّہ کی ایک بچی نے کہا کہ ''اَب ابوبکر ہمارے جانوروں کا دودھ کہاں نکالیں گے؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں؟ میں اب بھی تمہارے لئے دودھ دوہا کروں گا اور مجھے اُمید ہے

کہ میری نئی مصروفیت میرے کسی سابقہ اَخلاق میں کوئی تبدیلی نہ کرے گی''؛ چناں چہ آپ خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود محلّہ والوں کے لئے دودھ دوہا کرتے تھے۔ (العلم والعلماء ص:۱۴۶)

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تواضع

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''آپ اَمیر المؤمنین ہونے کے باوجود اُون کا جبہ استعمال کرتے تھے، جس میں چمڑے کے پیوند لگے ہوتے تھے اور اپنے کندھے پر کوڑا رکھے خود بازار میں گھومتے اور لوگوں کی (غلطیوں پر) سرزنش فرماتے اور اگر کہیں کھجور کی گٹھلیاں یا سوت وغیرہ پڑا ہوا ملتا تو اُسے اُٹھا لیتے اور کسی گھر میں ڈال دیتے؛ تاکہ وہ گھر والے اُس سے فائدہ اُٹھائیں''۔ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ اپنے کندھے پر مشک اُٹھائے جارہے ہیں (لوگوں کے تعجب پر) آپ نے فرمایا کہ ''میں نے اپنے نفس کو ذلیل کرنے کے لئے ایسا کیا؛ کیوں کہ مجھے عجب کا شبہ ہوگیا تھا''۔ (العلم والعلماء ص:۱۶۳)

اصبغ ابن نباتہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے خود سیدنا حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ''آپ آپنے بائیں ہاتھ میں گوشت اور دائیں ہاتھ میں کوڑا اُٹھائے ہوئے بازار سے گذر کر اپنے دولت خانہ تشریف لے گئے''۔ (یعنی اَمیر المؤمنین ہونے کے باوجود ضرورت کی چیز ہاتھ میں لے کر چلنے میں کوئی عار محسوس نہ فرمائی) (احیاء العلوم ۲/۲۱۴)

طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ ''خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب ملک شام تشریف لے گئے تو راستہ میں ایک نہر عبور کرنے کی ضرورت پیش آئی، تو سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے تکلف اپنی سواری سے اُتر گئے اور موزے اُتار کر ہاتھ میں لے لئے اور اپنے اُونٹ کی نکیل پکڑ کر نہر سے پار ہوگئے''۔ یہ منظر دیکھ کر سیدنا حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''اَمیر المؤمنین! آج تو آپ نے بڑا حیرت ناک عمل کیا؟'' (یعنی یہاں کے باشندے تو یہ تصور ہی نہیں کرسکتے کہ ملک کا بادشاہ اِس طرح نہر کو پار کرے) تو سیدنا حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سینے پر اُنگلی چبھوتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ ''ابوعبیدہ! کاش کوئی اور یہ بات کہتا، اصل بات یہ ہے کہ تم لوگوں میں سب سے کمتر اور ذلیل تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے دین اسلام کے ذریعہ عزت بخشی، پھر اَب اِسلام کے علاوہ میں اپنی عزت کیوں ڈھونڈ رہے ہو؟'' (شعب الایمان ۲۹۱/۶)

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تواضع

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود مسجد نبوی میں بے تکلف آرام کرتے ہوئے دیکھا ہے، جب آپ وہاں سے اُٹھتے تو صحن کی کنکریوں کے نشانات آپ کے بدن پر ہوتے تھے، تو ہم اُن کی طرف اِشارہ کر کے کہتے: ''یہ ہیں اَمیر المؤمنین! یہ ہیں اَمیر المومنین!''۔ (العلم والعلماء ص:۱۷۴)

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تواضع

اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بعض لوگوں نے دیکھا کہ آپ نے بازار سے گھر کے لئے گوشت خرید کر اپنی چادر میں رکھ لیا اور تشریف لے چلے، ساتھی نے کہا کہ لائیے! حضرت میں اُسے اُٹھالوں، آپ نے فرمایا: ''نہیں، گرہستی والا ہی اُسے اُٹھا کر لے جانے کا زیادہ حق دار ہے''۔ (احیاء العلوم ۲۱۴/۳)

سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا عمل

ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جب صحابی رسول سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن کے گورنر تھے تو ایک شامی شخص آیا جس کے پاس ''بھس کا گٹھر'' تھا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ادھر سے عجمی لباس پہنے ہوئے گذر رہے تھے اُس شخص نے آپ کو پکارا کہ میرا بوجھ ذرا لے کر چلو (اس نے سمجھا ہوگا کہ یہ کوئی مزدور ہے) سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے وہ سامان بلا تکلف اُٹھالیا اور لے کر چلے، جب لوگوں نے آپ کو دیکھا اور پہچانا

تو کہنے لگے: ''ارے یہ تو گورنر صاحب ہیں'' اس شامی شخص نے بھی معذرت کی کہ حضرت! مجھے یہ پتہ نہیں تھا؛ مگر سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کوئی بات نہیں، میں تمہاری قیام گاہ تک سامان پہنچاؤں گا''۔ (العلم والعلماء ص:۲۴۱)

سیدنا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا واقعہ

سیدنا حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ایندھن کا ایک گٹھر اُٹھائے اپنے باغیچہ سے باہر نکلے، لوگ اُنہیں دیکھ کر بولے کہ: حضرت! آپ یہ کام اپنے کسی لڑکے یا غلام سے لے لیتے، تو آپ نے اِرشاد فرمایا کہ: میں اپنے دل کو آزمارہا ہوں کہ یہ عمل مجھے برا تو نہیں لگتا، (یعنی اگر نفس پر شاق ہوگا تو تواضع کے خلاف ہوگا)۔ (شعب الایمان ۲۹۲/۶، کتاب الزہد ص:۲۸۷)

سیدنا حضرت زین العابدینؒ کی تواضع

خانوادۂ نبوت کے چشم وچراغ، سیدنا علی ابن الحسین زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی جب وفات ہوئی تو آپ کو غسل دینے والوں نے آپ کی کمر مبارک پر کالے کالے گٹے دیکھے تو گھر والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے نشانات ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ان آٹوں کے تھیلوں کے نشانات ہیں جنہیں حضرت زین العابدینؒ رات کے وقت کمر پر لاد کر لیجاتے اور مدینہ منورہ کے فقیروں کو تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ (العلم والعلماء ص:۲۷۲)

سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مہمان کے ساتھ برتاؤ

خلیفہ راشد سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص رات میں مہمان ہوا، آپ چراغ کی روشنی میں کچھ لکھ رہے تھے اتنے میں چراغ بجھنے لگا، مہمان نے کہا کہ: لائیے! میں اسے ٹھیک کردوں (یعنی اس میں تیل وغیرہ ڈال دوں) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا کہ: ''مہمان سے خدمت لینا اچھی بات نہیں ہے'' مہمان نے عرض کیا کہ حضرت! پھر کسی غلام کو آواز دیں، وہ چراغ درست کرلائے گا، آپ نے فرمایا کہ: ''نہیں، وہ ابھی تو سویا

ہے'' (اس کی نیند کچی ہے) پھر آپ خود اُٹھے اور شیشی سے تیل نکال کر چراغ میں ڈالا (اور اُسے درست کیا) مہمان نے تعجب سے کہا کہ اے اَمیر المؤمنین! آپ نے خود ہی یہ زحمت اُٹھائی؟ اِس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا کہ: ''جب میں گیا تو بھی عمر ہی تھا اور لوٹا تو بھی عمر ہی رہا، میرے اندر کوئی کمی تو نہیں ہوئی اور سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو اللہ کے نزدیک متواضع ہو''۔ (احیاء العلوم ۳/۲۱۴)

اِمام اعظم ابوحنیفہؒ کی تواضع

اِمام اعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع کا اندازہ آپ اِس سے لگا سکتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کی والدہ محترمہ کو کوئی مسئلہ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی، امام صاحبؒ نے مسئلہ کا حکم بتادیا، تو آپ کی والدہ اِس پر مطمئن نہ ہوئیں اور کہا کہ میں تو ''زُرعہ قاصؒ'' کے قول کو مانوں گی؛ چناں چہ حضرت اِمام صاحبؒ اپنی والدہ محترمہ کو لے کر ''زُرعہ'' کی خدمت میں تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ میری والدہ محترمہ آپ سے فلاں فلاں مسئلہ کے بارے میں فتویٰ لینے آئی ہیں ''حضرت زُرعہ'' نے فرمایا کہ: آپ تو خود ہی سب سے بڑے عالم اور فقیہ ہیں، آپ ہی بتادیں! تو اِمام صاحب نے فرمایا کہ میں نے تو انہیں یہ فتویٰ دیا ہے، ''حضرت زُرعہ'' نے آپ کی والدہ ماجدہ سے کہا کہ مسئلہ وہی ہے جو اِمام صاحب نے بتایا ہے، اُن کی زبانی تائید سن کر والدہ محترمہ کو اطمینان ہوا۔ (عقود الجمان ص:۲۹۴)

اِسی طرح اِمام صاحب ''عمر ابن ذرؒ'' کی مجلس میں بھی والدہ محترمہ کو لے کر جاتے، وہ خود ''عمر ابن ذرؒ'' سے مسئلہ معلوم کرتیں اور ''عمر ابن ذرؒ'' اِمام صاحبؒ سے حکم معلوم کر کے آپ کی والدہ محترمہ کو مسئلہ بتایا کرتے تھے۔ (عقود الجمان ص:۲۹۲)

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کا جذبۂ تواضع

سیدنا حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ جب ''مرو'' میں رہتے تھے، تو ایک بڑے مکان میں قیام پذیر تھے، جس کا صحن پچاس گز لمبا چوڑا تھا اور روزانہ شہر کے بڑے بڑے علماء، اُمراء اور

شیوخ آپ کے مکان پر جمع ہوتے اور آپ کے انتظار میں باہر بیٹھے رہتے اور جب آپ باہر تشریف لاتے تو ملاقات کا شرف حاصل کرتے تھے؛ مگر جب آپ ''کوفہ'' پہنچے تو وہاں ایک چھوٹے سے مکان میں قیام کیا اور نماز کے اَوقات کے علاوہ آپ مکان سے باہر تشریف نہ لاتے۔ راوی کہتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے آپ سے پوچھا کہ ''اَب آپ کو تنہائی سے وحشت نہیں ہوتی کہ ''مرو'' میں اتنی خلقت کے درمیان رہتے تھے اور یہاں بالکل تنہا ہیں''؟ تو آپ نے یہ سن کر ایسا جواب دیا جو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے، آپ نے فرمایا کہ: ''مرو'' کی جس چیز کو تم پسندیدہ سمجھ رہے ہو اُسی سے تو بھاگ کر میں یہاں آیا ہوں، یہ تنہائی جسے تم ناپسند سمجھ رہے ہو یہی مجھے مرغوب ہے، جب میں ''مرو'' میں تھا تو جو بھی معاملہ پیش آتا میرے حوالہ کر دیا جاتا اور جو بھی مسئلہ کھڑا ہوتا یہ کہا جاتا کہ ''ابن مبارک سے پوچھ لو'' آج مجھے اِن جھمیلوں سے نجات ملی ہوئی ہے''۔

کوفہ کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ آپ پانی پینے کے لئے ''سقایہ'' پر تشریف لے گئے وہاں لوگ جمع تھے، آپ پانی پینے کے لئے آگے بڑھے، لوگوں نے آپ کو نہ پہچانا جس کی وجہ سے آپ کو بھی لوگوں کی بھیڑ کی بنا پر ''دھکا مکی'' کی زحمت اٹھانی پڑی، جب آپ وہاں سے باہر نکل کر آئے تو فرمایا: ''یہی اصل زندگی ہے جس میں نہ پہچانے جائیں، نہ عزت کی جائے''۔

ایک مرتبہ نضر ابن محمدؒ نے اپنے بیٹے کے ولیمہ میں آپ کو دعوت دی، تو آپ تشریف لے گئے اور جا کر لوگوں کو کھانا کھلانے والوں میں شامل ہو گئے، نضر ابن محمد یہ دیکھ کر حیران رہ گئے اور منت سماجت کر کے وہاں سے آپ کو لا کر الگ بٹھایا۔ (مقدمہ کتاب الزہد ص:۴۳-۴۶)

سیدنا حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ارشاد

صحابی رسول سیدنا حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''انسان اُس وقت تک اِیمان کے کمال کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اُس کے نزدیک تواضع شرافت سے زیادہ افضل اور پسندیدہ نہ ہو جائے اور تھوڑی دنیا زیادہ مال کے مقابلہ میں اُسے عزیز نہ ہو جائے اور

حق بات میں اُس سے محبت یا بغض رکھنے والے دونوں اُس کی نظر میں برابر نہ ہو جائیں اور وہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی اِسی طرح فیصلہ کرے جیسے اپنے اور اپنے گھر والوں کے حق میں کرتا ہے''۔(کتاب الزہد بروایۃ نعیم ص:۵۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ''اے لوگو! تم افضل ترین عبادت یعنی تواضع سے لاپروائی برت رہے ہو''۔(کتاب الزہد ص:۱۳۲)

حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ''میں لوگوں کے سامنے زیادہ گفتگو نہیں کرتا، مبادا میں فخر ومباہات میں مبتلا نہ ہو جاؤں''۔(کتاب الزہد ص:۴۴)

حضرت اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''تواضع لوگوں کے دلوں میں محبت کی تخم ریزی کرتی ہے اور قناعت سچی راحت عطا کرنے کا ذریعہ ہے''۔(العلم والعلماء ص:۲۲۲)

عالم کامل کی پہچان

حضرت ابوحازم کہتے ہیں کہ جب تک تین باتیں کسی میں نہ پائی جائیں وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں ہے:

(۱) اپنے سے بڑے سے بغاوت نہ کرے۔

(۲) اپنے سے چھوٹے کو حقیر نہ سمجھے۔

(۳) اپنے علم پر کسی سے معاوضہ کا طالب نہ رہے۔(العلم والعلماء ص:۲۶۵)

الغرض یہ تواضع اور انکساری اور شہرت پسندی سے اجتناب ایسی عظیم صفت ہے جو انسان کو واقعۃً عنداللہ اور عندالناس محبوب اور مقبول بنا دیتی ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جو حضرات بھی اپنے زمانہ میں مقبول ومحبوب رہے ہیں اور جنہوں نے بھی فقر میں رہ کر خلق خدا کے دلوں پر حکمرانی کی ہے وہ اعلیٰ درجہ کی تواضع سے متصف تھے۔ خاص کر حضرات اَکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ طرّۂ امتیاز ہے کہ اُن کی ہر ہر اَدا سے عجز وفروتنی اور توضع وانکساری کا اظہار ہوتا تھا۔ اِس ضمن میں اگر اُن حضرات کے

واقعات یکجا کئے جائیں تو چھا خاصا مواد تیار ہوسکتا ہے۔ اِسی صفت نے اُن بزرگوں کی عظمت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیا تھا اور عوام وخواص سب ان کے گرویدہ اور دل وجان سے مطیع ہوگئے تھے اور آج بھی جب اُن کا نام سامنے آتا ہے تو اُن کے احترام سے گردنیں جھک جاتی ہیں۔

ہمارا حال

مگر اَفسوس ہے کہ آج اُن ہی بزرگوں کے اخلاف اور ہم جیسے کندۂ ناتراش جو چاہتے تو یہ ہیں کہ ہمیں بھی وہی مقبولیت ملے جو کسی زمانہ میں حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور اکابرین کو حاصل تھی؛ مگر ہماری زندگی تواضع کی حقیقت سے خالی ہے۔ آج ہم زبانی طور پر گو کہ اپنے کو متواضع، کمترین، نالائق، احقر، حقیر اور فقیر وغیرہ کہتے نہیں تھکتے؛ مگر دماغ میں خودنمائی اور خودپسندی کا سودا سمایا رہتا ہے، اپنی تعریف سن سن کر جی بڑا خوش ہوتا ہے، اور اعتراض کے شائبہ سے بھی دماغ کھولنے لگتا ہے، ہم ہر وہ ہیئت اختیار کرنا پسند کرتے ہیں جس سے ہماری عظمت کا اظہار ہو اور ہر اس صورت سے بچتے ہیں جس سے ہم دل میں خفت محسوس کریں؛ حتیٰ کہ لوگوں کے سامنے کتابیں یا اپنے سودے کا تھیلا لے کر چلنے میں ہمیں شرم آتی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اِس سے ہماری عزت میں فرق آجائے گا؛ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کو دفع کرنے کا یہ طریقہ بھی بتلایا ہے کہ ''آدمی اپنے گھر کا سامان خود اُٹھا کر لایا کرے''۔ (احیاء العلوم ۳/۲۰۶)

چناں چہ ہم نے اپنے بعض اَساتذہ کو دیکھا کہ وہ روزانہ اپنے گھر کا سودا سلف اُٹھا کر لاتے تھے اور کوئی شاگرد تھیلا لے کر ساتھ چلنے کی کوشش بھی کرتا تو منع فرمادیتے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کام کاج میں شریک رہتے۔ ضرورت پڑتی تو بکری کا دودھ بھی اپنے دست مبارک سے دوہ لیتے، گدھے کی سواری کو بھی باعث عار نہ سمجھتے اور مہمان کی خود ہی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ (مجمع الزوائد ۹/۲۰)

حضرت مدنیؒ کا عمل

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ جب مدینہ منورہ میں مسجد

نبوی میں درس دیتے تھے اور اُس وقت آپ کا درس نہایت مقبول تھا، اُسی دور میں درس سے فارغ ہوکر خود اپنے ہاتھوں سے والد محترم اور بھائیوں کے ساتھ اپنے گھر کی تعمیر کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ (دیکھئے: نقش حیات)

حالاں کہ اگر آپ ذرا سا اِشارہ بھی کر دیتے تو آپ کے سب شاگرد سعادت سمجھ کر اِس خدمت کو انجام دیتے؛ مگر آپ نے اِس کو گوارا نہ فرمایا اور خود اپنی ضرورتیں پوری فرمائیں۔

وعظ کی مجلسیں کیوں مؤثر نہیں؟

اِسی طرح آج جب ہم کہیں تقریر کے لئے بلائے جاتے ہیں تو پہلے ہی سے ہماری یہ تمنا رہتی ہے کہ ہمارا نام سن کر جلسہ میں بڑا مجمع آئے اور تقریر ایسی ہو جو تاریخی یادگار بن کر زبان زد خاص وعام ہو جائے اور جلسہ والے اگر خاطر خواہ اکرام نہ کریں تو ہمیں شدید کوفت ہوتی ہے، کبھی ہم اِس کا برملا زبان سے اظہار بھی کر دیتے ہیں، نہیں تو یہ طے کر لیتے ہیں کہ اب آئندہ یہاں کبھی نہیں آئیں گے اور اگر ہم مدعو ہوں مگر وقت کی تنگی اور مقرروں کی کثرت کی وجہ سے ہمیں اپنے خیالات کے اظہار کا موقع نہ ملے تو ہمارے غصہ کا ٹھکانہ نہیں رہتا، ہم خوش دل سے دوسرے کی تقریر سننا تک گوارا نہیں کرتے۔

یہ سب کچھ اِس لئے ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو سب سے اچھا مقرر اور گفتگو کا سب سے بڑا اہل سمجھتے ہیں؛ حالاں کہ یہ نہایت خطرناک بات ہے۔

عالم کے لئے فتنہ

زید ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ''عالم اور فقیہ کے لئے یہ فتنہ ہے کہ وہ دوسرے کی گفتگو سننے کے مقابلے میں اپنی بات کہنا زیادہ پسند کرتا ہو، باوجودیکہ وہ ایسے کو پائے جو اُس کی طرف سے گفتگو کی کفایت کر سکے'' (یعنی دوسرے اہل شخص کی موجودگی میں بھی اپنی بات کہنا ضروری خیال کرے؛ تاکہ لوگ اُس کے علم کے قائل ہوسکیں) (کتاب الزہد ص:۱۶)

نصر بن حاجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ''عمر ابن

ذرؒ‘‘ کی تقریر سننے تشریف لے جاتے اور اُس میں کوئی عار نہ محسوس کرتے۔ایک مرتبہ لوگوں نے دیکھا کہ آپ تقریر اور وعظ غور سے سن رہے ہیں اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں‘‘۔(عقود الجمان ص:۲۲۹)

آج ہمیں دوسروں کا وعظ سننے کی فرصت ہی کہاں؟ یہاں تو یہ ادھیڑ بُن رہتی ہے کہ کیا ایسی بات کہی جائے کہ اپنے سے پہلے مقرر کا سارا اثر جاتا رہے۔

ایک عقل مند کا قول ہے کہ ’’جب کوئی شخص کسی جلسہ میں گفتگو کرے اور اُسے اپنی تقریر اچھی لگے اور وہ عجب میں مبتلا ہو جائے تو اُسے فوراً خاموش ہو جانا چاہئے۔اور جب کوئی شخص کسی ایسی مجلس میں ہو جہاں خاموش رہنا باعث عجب ہو تو اُسے کچھ گفتگو کر لینی چاہئے‘‘۔(کتاب الزہد ص:۶۷)

ہمارے اکابر کے ایسے واقعات موجود ہیں کہ وعظ کرتے ہوئے جیسے ہی یہ احساس ہوا کہ یہ بات ہماری بڑائی کا ذریعہ بنے گی تو فوراً بات ختم کر دی اور بیٹھ گئے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا عبرت انگیز واقعہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ جن کا علمی اور روحانی فیض آج چار دانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ایک مرتبہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر کان پور تشریف لے گئے اور بہت اصرار کے بعد علماء کی ایک مجلس میں وعظ کہنا شروع کیا،علمی ماحول میں حضرت کی طبیعت خوب کھلی ہوئی تھی اور مضامین عالیہ بیان ہو رہے تھے،اتنے میں ایک (مائل بہ بدعت) عالم ’’مولانا لطف اللہ علی گڈھی‘‘ مجلس میں آ گئے،اُن کو دیکھتے ہی حضرت شیخ الہندؒ نے اچانک تقریر ختم فرما دی اور بیٹھ گئے،بعد میں مولانا فخر الحسن صاحبؒ نے پوچھا کہ ’’حضرت! اچانک وعظ کیوں ختم فرما دیا تھا؟‘‘ آپ کا جواب تھا کہ ’’جب مولوی لطف اللہ صاحب آئے تو مجھ کو خیال ہوا کہ اَب مضامین بیان کرنے کا وقت ہے،یہ بھی دیکھیں گے کہ علم کیا چیز ہے؟ تو اِس طرح وعظ میں خلوص نہ رہا،اِس لئے قطع کر دیا گیا‘‘۔(اَرواحِ ثلاثہ ص:۴۰۷)

اللہ اکبر! یہ ہے اخلاص! ذرا سوچیں! آج اگر ہمیں ایسے مجامع میں بیان کرنے کا موقع ملے تو ہم چھانٹ کر ایسی باتیں لاتے ہیں جو کسی کے وہم وخیال میں بھی نہ ہوں؛ تاکہ حاضرین عش عش کر اُٹھیں اور مجمع بے اختیار داد دینے پر مجبور ہوجائے۔ **نعوذ باللّٰہ من ذلک.**

مجمع کی کثرت اصل نہیں

اِسی طرح اُن حضرات نے کبھی یہ اہتمام نہیں کیا کہ اُن کی مجلس میں بڑا مجمع آئے؛ بلکہ جب اور جہاں فائدہ دیکھا، تو چند لوگوں میں بھی اُسی انشراح کے ساتھ بیانات فرمائے جیسے بڑے بڑے جلسوں میں کئے جاتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ دیکھئے! حیرت ہوتی ہے کہ صرف ۲۰-۲۵/آدمی سامنے بیٹھے ہیں اور آپ کئی کئی گھنٹے بلاتکان علوم ومعارف کے پھول برسا رہے ہیں۔ اور آج حال یہ ہے کہ جب تک بھرا پُرا جلسہ نہ ہو، مقرر صاحب کی طبیعت ہی نہیں چلتی؛ بلکہ بھیڑ کی کمی کی وجہ سے آیا ہوا مضمون بھی خبط ہوجاتا ہے، گویا ہم جلسوں کو اشاعت دین نہیں؛ بلکہ اپنی شہرت کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں؛ کیوں کہ اگر ہمارا مقصود اِشاعت دین ہوتا تو ہم دو چار آدمیوں میں بھی دین کی بات پہنچانے میں ہرگز نہ جھجکتے، جب کہ یہ تجربہ ہے کہ جو فائدہ بسا اَوقات مختصر مجامع میں بیانات سے ہوتا ہے، وہ عظیم الشان جلسوں سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اِسی طرح اگر ہماری نیت میں خلوص ہوتا تو کسی دوسرے مقرر کی تقریر سے ہمیں قطعاً کوفت نہ ہوتی اور ہم سمجھ لیتے کہ مقصود اِس سے بھی حاصل ہورہا ہے؛ بلکہ اور خوش ہوتے کہ ہماری ذمہ داری اُس نے اَدا کردی۔

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا واقعہ

اپنے دور کے خطیب اعظم حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک جلسہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں پہلے مولانا محمد علی جالندھریؒ کی تقریر ہوئی، اُن کی تقریر کے دوران شاہ

صاحب واہ واہ اور سبحان اللہ کہتے رہے اور جب شاہ صاحب کا نمبر آیا تو یہ فرما کر جلسہ برخاست کر دیا کہ مولانا کی تقریر کے بعد اَب میری ضرورت نہیں رہی؛ حالاں کہ شاہ صاحب ہی کے نام پر مجمع اکٹھا ہوا تھا۔ (بیس بڑے مسلمان)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا معمول

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ اپنی علمی جلالت کے باوجود کسی بھی واعظ کی تقریر سننے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے؛ بلکہ وقت نکال کر کچھ نہ کچھ دیر کے لئے وعظ ضرور سنتے کہ ہوسکتا ہے کہ اُس کے وعظ میں کوئی نئی بات معلوم ہوجائے یا عمل کا جذبہ پیدا ہوجائے۔ (دیکھئے میرے والد میرے شیخ، از: مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی ص:۱۹۴)

مقبول کون؟

ہم اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ عمدہ عمدہ نادر ونایاب مضامین لسّانی اور چرب زبانی اور اپنی تقریروں میں لطائف وظرائف کا انبار لگا کر ہم مقبولیت کا مقام حاصل کرلیں گے اور اپنی دھاک لوگوں کے دلوں میں بٹھالیں گے؟ حالاں کہ یہ سراسر فریب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم اس سے وقتی طور پر لوگوں کو داد دینے پر مجبور کردیں؛ مگر مقبولیت کا راز صرف عنداللہ مقبولیت ہی میں مضمر ہے۔

حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''دنیا میں کسی شخص کی تعریف اُس وقت تک لوگوں کے دلوں میں نہیں اُترتی؛ جب تک کہ آسمان والوں میں اُس کی تعریف کا چرچا نہ ہوجائے''۔ (کتاب الزہد ص:۱۵۳)

ظاہر ہے کہ آسمان والوں میں تعریف اُسی شخص کی ہوسکتی ہے جو تواضع اور اخلاص وللّٰہیت کی عظیم صفات سے مزین ہو۔ تجربہ ہے کہ ریاونمود کے جذبہ سے کہے جانے والے شان دار مضامین سامعین کے سروں پر سے گذر جاتے ہیں، جب کہ اخلاص سے کہی جانے والی ٹوٹی پھوٹی باتیں دل کی گہرائیوں میں جگہ پاجاتی ہیں۔

اِمام ربانی حضرت گنگوہیؒ کے وعظ کا حال

اِمام ربانی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جن کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سبق کے دوران بارش آجانے پر طلبہ کے جوتے تک اُٹھالئے اور ذرہ برابر عار محسوس نہ فرمائی۔ (اَرواح ثلثہ ص:۳۲۱)

جب آپ وعظ فرماتے تو نہایت سادگی کے باوجود حاضرین کی حالت یکسر بدل جاتی اور لمبی چوڑی لچھے دار تقریروں سے جو اَثر نہیں ہوسکتا وہ آپ کے اِرشاد فرمودہ چند جملوں سے ہوجاتا تھا۔ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کے جلسۂ دستار بندی کے موقع پر جمعہ کی نماز کے بعد جامع مسجد میں لوگوں کے شدید اِصرار پر آپ نے وعظ فرمایا، وعظ کے دوران مجمع کا کیا حال تھا؟

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اَلفاظ میں اِس طرح بیان کرتے ہیں:

''وعظ کیا تھا؟ ''وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا'' کا مصداق تھا، اور بیان کیا تھا؟ محبت الٰہی کا دریائے مواج اور قلزم متلاطم تھا، جس نے اِس کنارے سے لے کر اُس کنارے تک ہر صغیر وکبیر کی حالت کو دگرگوں کردیا تھا۔آپ حدیث کی کتاب لے کر منبر پر بیٹھے اور کیف ما اتفق اُس کو کھول کر جس حدیث پر نظر پڑی، اُس کو دیکھ کر ترجمہ فرمانے لگے، آپ کے سارے وعظ میں حدیثِ نبوی کا سادہ ترجمہ اور یہی نماز روزہ کے مسائل تھے، جو معمولی پڑھے لکھے بھی بیان کردیتے ہیں؛ مگر خدا جانے وہ غیبی تاثیر کیا تھی، جس نے سارے جلسہ کو ساکت وصامت اور مبہوت وسرنگوں بنا رکھا تھا، ہر شخص اس قلبی فیضان سے متأثر تھا اور مسجد کی دیواریں تک مست وسرشار نظر آتی تھیں۔حضرت مولانا المولوی رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ نے اس وعظ کی چشم دید کو سالانہ روداد میں مختصر اَلفاظ کے ساتھ اِس طرح بیان فرمایا ہے:

''کہ وعظ کیا تھا؟ گویا سامعین کو مئے محبتِ الٰہی کے خم کے خم پلادئے، در ودیوار تک مست تھے اور عجیب کیفیت ظاہر تھی کہ کہیں دیکھی نہ سنی، اللہ اللہ! اُس کے خاص بندوں کے سیدھے سادے الفاظ اور سادہ بیان اور ڈھیلی ڈھیلی زبان میں کیا

کیا تاثیرات ہیں کہ بشر کیا شجر وحجر بھی مان جائے۔ مولانا نے کوئی دقیق مضامین علمیہ بیان نہیں کئے، یہی نماز اور وضو کے مسائل بیان کئے اور اخلاص کے بیان میں کسی تقریب سے ایک دفعہ بآواز بلند ''اللہ'' کہا، معلوم نہیں کہ کس دل اور کیسے سوز وگداز سے ''اللہ کا نام لیا کہ تمام مجلس وعظ لوٹ گئی، اور آہ وزاری سے مسجد گونج اُٹھی۔ ہر شخص اپنے حال میں مبتلا تھا اُس وقت بعض اشخاص نے مولوی صاحب کو دیکھا کہ کمالِ وقار سے منبر پر خاموش بیٹھے ہیں اور اہل مجلس کی طرف متوجہ ہیں، یقین ہوتا ہے کہ اگر مولوی صاحب ایسے متوجہ نہ ہوتے تو اہل مجلس کو دیر تک اِفاقہ نہ ہوتا؛ مگر اللہ رے حوصلہ کہ خود ویسے ہی مستقل رہے۔

ع : سینہ میں قلزم کو لئے قطرہ کا قطرہ ہی رہا

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ آگے لکھتے ہیں:

''اس جلسہ کا حظ وافر انہیں سے پوچھنا چاہئے جن کی خوش نصیب آنکھوں نے یہ حیرت خیز سماں دیکھا اور دردانگیز وعظ سنا تھا۔ یہ بات مشہور ہے کہ حضرت اِمام ربانیؒ نے جس وقت حق جل شانہ کا نام مبارک لیا ہے، چھوٹا بڑا ہر شخص اُس سے متأثر تھا، اکثر پر رقت طاری تھی اور گریہ وبکا کا ہجوم تھا کہ بے اختیار تڑپنا چاہتے؛ بلکہ بعض تڑپتے اور لوٹتے تھے، قلب پر کیفیت سب کے طاری تھی اور سبب کسی کو معلوم نہ تھا کہ کس مضمون پر یہ بے اختیاری ہویدا ہوئی ہے؟

سنا ہے کہ وعظ سے قبل مجمع میں واعظین کی تقاریر اور تأثرات کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ بعض وعظ کہنے والے بیان وتقریر کا اِس درجہ ملکہ رکھتے ہیں کہ حاضرین کا ہنسا دینا اور رلا دینا گویا اُن کے اختیار میں ہے کہ جب چاہا ہنسا دیا اور جس وقت رنگ بدلنا چاہا رُلا دیا۔ حضرت اِمام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ گفتگو سنی اور بات ٹالنے کے لئے یوں اِرشاد فرما کر خاموش ہو گئے کہ ''اللہ کے بندوں کے نزدیک یہ کوئی چیز نہیں گنی جاتی۔ رُلانا اور ہنسانا بات ہی کیا ہے اخلاص کے ساتھ اللہ کا نام بھی نکلے تو اُس پر مخلوق رونے لگے''؛ چناں چہ چند ہی ساعات کے بعد وعظ میں وہ مضمون جو علم

الیقین تھا عین الیقین بن گیا، اور کئی ہزار مخلوق نے اخلاص وصدق کی ماہیت اور کیفیت سے آگاہی حاصل کرلی۔ (تذکرۃ الرشید ص:۲۵۰-۲۵۱)

اَز دل خیزد، بر دل ریزد

وعظ ونصیحت کی یہ غیر معمولی تاثیر حقیقی تواضع اور اخلاص کے بغیر پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ ''دل سے نکلنے والی بات ہی دل کو نفع پہنچاتی ہے''۔ (العلم والعلماء ص:۲۸۳)

آج ہماری تقریروں اور مواعظ کے بے اثر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم میں سچی مقبولیت کی یہ دونوں صفات: اِخلاص اور تواضع عنقا ہوتی چلی جارہی ہیں اور شہرت پسندی، دوسرے پر برتری اور دنیوی مفادات کی حرص جیسی خرابیوں نے ہمارے طبقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ کاش ہمیں ان خرابیوں کا احساس ہوسکے۔

سچی مقبولیت کی پہچان

ہمارے مواعظ اور بیانات اگر عوام کو پسند آنے لگیں اور ہمیں بار بار جلسوں میں بلایا جانے لگے اور لوگ آکر خوشامد کرنے لگیں، تو خیال ہوتا ہے کہ ہم مقبول ہوگئے ہیں؛ حالاں کہ یہ ''سطحی عوامی مقبولیت'' اللہ رب العزت کے نزدیک مقبولیت کی علامت نہیں ہے۔ دنیا میں اس سے کہیں زیادہ عوامی مقبولیت ڈائیلاگ دکھانے والے فلمی اَداکاروں اور کھلاڑیوں کی ہوتی ہے، مقبولیت وہی معتبر اور مبارک ہے جو پہلے اللہ کے نیک بندوں کی زبانوں اور دلوں میں پیدا ہو اور اُن کے بعد عوام تک پہنچے۔

حجۃ الاسلام حضرت اَقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ اِرشاد فرماتے تھے کہ: ''قبولِ عام کی دو صورتیں ہیں: ایک وہ قبول جو خواص سے لے کر عوام تک پہنچے اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع ہو اور اُس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے۔ پہلا قبول علامتِ مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا؛ کیوں کہ حدیث میں جو مضمون علامت مقبولیت کا آیا ہے، وہ یہ ہے کہ اول بندہ سے

اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں، پھر وہ ملاء اعلیٰ کو محبت کا حکم دیتے ہیں اور ملاء اعلیٰ اپنے سے نیچے والوں کو؛ یہاں تک کہ وہ حکم اہل دنیا تک آتا ہے اور جو ترتیب ملاء اعلیٰ میں تھی، اِسی ترتیب سے اُس کی محبت دنیا میں پھیلتی ہے کہ پہلے اس سے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے، اُس کے بعد دوسروں کو، پس جو مقبولیت اِس کے برعکس ہوگی اور وہ دلیل مقبولیت نہ ہوگی''۔ (اَرواحِ ثلاثہ ص:۱۵۱)

اِس لئے ہمیں محض عوامی واہ واہ سے دھوکہ میں نہ پڑنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد گرامی ہے کہ: ''خبردار! تم میں سے کسی کو اپنے اِردگرد جمع ہونے والی بھیڑ فریب میں مبتلا نہ کرے''۔ (کتاب الزہد ص:۲۹۲)

یعنی یہ چیز مقبولیت کی دلیل نہیں ہے، ایسے موقع پر اگر نفس میں بڑائی کا خیال بھی آئے تو یہ غور کرنا چاہئے کہ یہ بے چارے عوام اگر ہمارے علم کے معترف ہیں، تو اُس کا حال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ذرا سا دماغ چلا دے تو ساری علمی موشگافیاں دھری کی دھری رہ جائیں اور اگر یہ لوگ ہماری چرب زبانی اور لسّانی کے قائل ہیں، تو بحکم خداوندی اگر یہ زبان لقوہ کی زد میں آجائے تو سارا بھرم ہی جاتا رہے، یہی معاملہ اور دوسرے کمالات کا ہے جن پر انسان عجب اور غرور میں مبتلا رہتا ہے، ان کے وجود اور بقاء کا مدار صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی منشاء اور مرضی پر ہے، تو اُن پر حقیقی تعریف کے کیا معنی؟ یہ تو سب محض فضلِ خداوندی ہے، جس پر اِترانے اور غرور کرنے کی اِجازت نہیں ہے؛ بلکہ اِظہار شکر لازم ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بعض ارشادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ بارہا قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ: ''میں اپنے آپ کو کسی مسلمان سے حتیٰ کہ اُن مسلمانوں سے بھی جن کو لوگ فساق وفجار کہتے ہیں فی الحال اور کفار سے بھی احتمالاً فی المآل افضل نہیں سمجھتا اور آخرت میں درجات حاصل کرنے کا کبھی مجھے وسوسہ نہیں ہوتا؛ کیوں کہ درجات تو بڑے لوگوں کو حاصل ہوں گے''۔ (حکیم الامت کے حیرت اَنگیز واقعات ص:۷۶، اِصلاحی خطبات ۲/۲۰۶)

اور ایک موقع پر حضرتؒ نے اِرشاد فرمایا کہ: ''مجھ میں تو سراسر عیوب ہی عیوب بھرے پڑے ہیں، میری اگر کوئی برائی کرتا ہے تو یقین جانئے مجھے کبھی بھی وسوسہ نہیں ہوتا کہ میں برائی کا مستحق نہیں؛ بلکہ اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں بھلا کون سی تعریف کے لائق بات ہے جو اس کا یہ خیال ہے، اِس کو دھوکہ ہوا ہے، حق تعالیٰ نے ستّاری فرمائی ہے کہ میرے عیوب کو پوشیدہ رکھا ہے، اِس لئے مجھے کسی کا برا کہنا مطلق برا نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی میری برائی کرتا ہے تو اسی وقت دس عیب سامنے آجاتے ہیں، برا بھلا کہنے والے کو عدمِ واقفیت کی وجہ سے معذور سمجھتا ہوں اور دعاء کرتا ہوں کہ اے اللہ! میری وجہ سے اپنی کسی مخلوق پر مؤاخذہ نہ کیجئے، جو کچھ کسی نے میرے ساتھ برائی کی ہو یا آئندہ کرے، وہ سب میں نے دل سے معاف کی، اگر میری وجہ سے کسی کو عذاب ہوگا تو اس سے مجھے کیا فائدہ؟''۔ (حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے حیرت اَنگیز واقعات ص:۸۲)

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ کی مجلس میں علماء کے کبر وتواضع پر بحث ہورہی تھی کہ ایک عالم آخر کیسے اپنے آپ کو جاہل سے کمتر سمجھ سکتا ہے؟ کیوں کہ جب اُس نے علم پڑھا ہے تو یہ کیسے سمجھے کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں؟ تو حضرت حکیم الامتؒ نے نہایت جامع جواب ارشاد فرمایا کہ: ''کسی کمال کے سبب اکمل سمجھنا تو جائز ہے؛ لیکن افضل بمعنی مقبول سمجھنا جائز نہیں۔ پس یہ سمجھنا کہ میں عالم ہوں کوئی حرج نہیں؛ مگر اُس پر اپنے آپ کو مقبول عنداللہ سمجھنا یہ بڑا خطرناک ہے، بس یہ سمجھے کہ ممکن ہے کہ باوجود اس کے جاہل ہونے کے اس میں کوئی ایسی خوبی ہو جس سے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے اور ہم گو بڑے عالم ہوں؛ مگر ہم میں کوئی ایسی برائی ہو جس سے ہم اُن کو پسند نہ آئیں پھر ہم کس کام کے؟''۔ (حوالۂ بالا ص:۹۰)

ایک موقع پر حضرت حکیم الامتؒ نے یہ قیمتی مضمون ارشاد فرمایا کہ: ''بڑا بننے کا طریقہ یہ ہے کہ چھوٹا بنے، پھر خود بخود اُس میں اثر ہے کہ بڑا بن جائے گا، اِسی واسطے سلاطین ومشائخ کی ہزاروں حکایتیں ہیں کہ اُنہوں نے تواضع اختیار کی اُس سے اُن کو بڑائی حاصل ہوئی''۔ (حوالۂ بالا ص:۱۰۹)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا منہ پر تعریف کرنے پر نکیر کرنا

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ ایک مرتبہ قصبہ ''سیوہارہ'' میں تشریف لے گئے، وہاں شاہی مسجد میں جمعہ کے بعد حضرت کی تقریر کا پروگرام تھا، تقریر سے قبل ایک صاحب نے آپ کی شان میں ایک نظم پڑھنی شروع کی، ابھی چند ہی اشعار ہوئے تھے کہ حضرت مدنیؒ یکلخت کھڑے ہوگئے اور اُن صاحب کو نظم پڑھنے سے روک دیا اور تقریر شروع فرمادی اور آیات واَحادیثِ طیبہ کی روشنی میں خودستائی، شخصیت پرستی اور منہ پر تعریف کرنے کی کھل کر مذمت فرمائی اور دورانِ تقریر یہ اِرشاد فرمایا کہ: ''میں کسی سے اپنی تعریف سنتا ہوں تو سخت رنج ہوتا ہے کہ لوگ اُسوۂ نبی اور سیرتِ صحابہ ﷺ کو بھول گئے، وہاں نیت میں خلوص تھا یہاں تعریف ہے، وہاں عمل تھا یہاں صرف قول اور مدح وستائش ہے''۔ (حیرت اَنگیز واقعات ص:۷۸)

حضرت شیخ الاسلامؒ کی زندگی کا یہ کوئی ایک واقعہ نہیں؛ بلکہ اِس دور میں جب کہ قائدینِ ملت باقاعدہ اپنے استقبال کے خود کوشاں رہتے تھے اور قومی اجتماعات میں اپنے لیڈروں کے لئے منقبتی نظمیں پڑھنے کا رواج عام تھا، حضرت مدنیؒ اپنی تعریف پر غصہ میں آجاتے اور اس عمل پر سخت ناگواری کا اظہار فرماتے تھے، آپ پوری زندگی اپنے آپ کو نہ صرف ''ننگِ اسلاف'' لکھتے رہے؛ بل کہ دل کی گہرائیوں سے آپ اُس پر یقین بھی کرتے رہے، درحقیقت اسی تواضع اور انکساری نے آپ کو محبوبِ خلائق بنادیا تھا اور آپ سے سیاسی اختلاف رکھنے والے لوگ بھی آپ کے بلند اَخلاق کے گرویدہ اور معترف تھے۔

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی بے نفسی

فقیہ الامت حضرت الاستاذ الاعظم مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ واقعی اِس آخری دور میں اَکابر کی نسبتوں کے جامع اور مرجع خواص وعوام تھے اور آج جن کا فیض محسوس طور پر پورے برصغیر میں پھیلا ہوا ہے، اِس بے مثال مقبولیت میں آپ کی عظیم تواضع وفنائیت کا بھی

بڑا دخل تھا، علمی اور فقہی جلالتِ شان کے باوجود آپ کی کسی نقل وحرکت سے کبر کا شائبہ بھی محسوس نہ ہوتا تھا، آپ کی مجلس میں بلا امتیاز ہر شخص کو شرکت کی اجازت تھی اور آپ ہر شخص سے ایک ہی انداز میں گفتگو فرماتے تھے، کسی مسئلہ کے بارے میں اگر علم نہ ہوتا تو بلا تکلف فرمادیتے کہ ''مجھے علم نہیں''، ''مجھے تحقیق نہیں''۔ تعریف اور مدح سرائی سے آپ کو سخت اَذیت ہوتی اور گم نامی اور گوشہ نشینی کو پسند فرماتے تھے، دنیا نے دیکھا کہ جتنا آپ نے اپنے آپ کو فنا کیا اتنا ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو سربلندی اور عزت واحترام سے سرفراز کیا اور بڑے بڑے علماء، دانشور اور اَربابِ ثروت کی گردنیں آپ کے اعزاز میں خم ہوگئیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

تصنیفات کے بارے میں اکابرؒ کا طرزِ عمل

اللہ والوں کی تواضع کا اثر اُن کی تصنیفات وتالیفات میں بھی نمایاں نظر آتا ہے، یہ حضرات اپنی تحریرات کو ریاء ونمود اور عزت وافتخار کا ذریعہ نہیں بناتے؛ بل کہ صرف دینی نفع اور علمی افادہ کے پیش نظر تصنیفی خدمات دیتے ہیں۔ وہ اپنی تحریرات اور مضامین پر تعریف کے متمنی نہیں رہتے؛ بل کہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو دین کے لئے کتنا مفید بنانے کی توفیق دی ہے۔

اِسی بنا پر اگر کوئی شخص اُن کی تصانیف پر معقول انداز میں کوئی اشکال کرتا ہے، تو وہ اُس کے خلاف مخالفت کا طوفان کھڑا نہیں کرتے؛ بل کہ یا تو معترض کو مطمئن کرتے ہیں یا اپنی غلطی تسلیم کرکے مضمون کی تصحیح کرتے ہیں اور کسی مصنف کا برسرِ عام اپنی غلطی سے رجوع کرلینا واقعی اُس کی غایتِ تواضع اور کمالِ علم کی دلیل تسلیم کی جاتی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''ترجیح الراجح'' کے عنوان سے اپنے بے شمار مضامین اور فتاویٰ سے علی الاعلان رجوع فرمایا اور اُس میں کبھی اپنی عار محسوس نہ فرمائی۔ ہمیں بھی اِس معاملہ میں اُنہی مقبول بندگانِ خدا کا اُسوہ اپنانا چاہئے۔

موجودہ دور کے مشہور عالم اور محقق حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم

ومدت فیوضہم اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''آپ کو اپنے کسی علمی کارنامے پر کوئی ناز پیدا ہونے کا تو سوال ہی نہیں تھا، اپنی بڑی سے بڑی خدمت کو ہیچ سمجھتے رہے، انسان کو عام طور سے اپنی تحریروں اور اپنے لکھے ہوئے مضامین سے ایک انس پیدا ہوجاتا ہے؛ چناں چہ مصنفین میں عام طور سے یہ شوق پایا جاتا ہے کہ اُن کی تالیفات کا تذکرہ کیا جائے، اُنہیں سراہا جائے۔ بہت سے مصنفین کی محفلیں اپنی تصانیف ہی کے ذکر اور اُن کی تعریفوں سے لبریز ہوتی ہیں، بعض لوگ جابجا اپنی تالیفات کے حوالے دے کر اُن کے اقتباسات لوگوں کو سناتے رہتے ہیں، کبھی کسی میں یہ خیال پیدا ہوجاتا ہے کہ کرنے کا اصل کام وہی تھا، جو اُس نے انجام دے دیا، حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کے یہاں اُس قسم کی باتوں کا نہ صرف یہ کہ کوئی سوال نہیں تھا؛ بل کہ آپ کو اِس قسم کے ہر طرزِ عمل سے سخت کراہت تھی، آپ بڑے سے بڑا تالیفی کام کرگزرنے کے باوجود اِسی فکر میں رہتے کہ نہ جانے اس کا حق اَدا ہوا یا نہیں؟ محض لوگوں کی تعریف سے آپ کو خوشی حاصل نہ ہوتی، ہاں اگر کسی جگہ سے یہ اطلاع ملتی کہ فلاں کتاب سے فلاں شخص کو کوئی عملی فائدہ پہنچا ہے، اُس کی زندگی میں تبدیلی آئی ہے یا اُس کے نظریات بدلے ہیں تو آپ بہت خوش ہوتے، اُس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرتے اور اِس خدمت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کی دعاء فرماتے، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم خیال لوگوں سے کچھ داد وصول ہوگئی تو کیا فائدہ؟ اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے کتاب لکھی گئی تھی اس سے فائدہ پہنچا یا نہیں؟''۔

(میرے والد میرے شیخ ص: ۱۳۵)

یہ ہے نظریہ! اُس شخصیت کا جس کی تفسیر ''معارف القرآن'' اُردو زبان کی سب سے

مقبول ترین تفسیر ہے، اور جس کے علمی اور فقہی نوادرات سے آج دینی کتب خانے روشن اور منور ہیں۔ اِس کے مقابلے میں ہم خود اپنا جائزہ لیں کہ جہاں اللہ نے دو ایک کتاب تالیف کرنے کی توفیق دی بس اپنے کو اکابر مصنفین کے زمرہ میں شمار کرنے لگتے ہیں اور متمنی رہتے ہیں کہ ہماری کتاب کی خوب خوب تعریف ہو، اور اُس سے ہماری علمیت کا سکہ قائم ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ اور اصل بات ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے کہ کتاب سے دینی فائدہ کتنا پہنچا؟ اور کتنے لوگ اُس سے فیض یاب ہوئے، اللہ تعالیٰ ہمیں واقعۃً اکابر کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

نقد خوش خبری

اگر ہم اللہ تعالیٰ کی رضا پیشِ نظر رکھیں گے اور جذبہ تواضع کی پاس داری کریں گے، تو اللہ تعالیٰ خود ہی ہمیں محبوبیت کا مقام عطا کر دے گا جو واقعی پائے دار اور پُر اثر ہوگا۔

ایک مرتبہ سیدنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! ایک شخص محض اللہ کی رضا کے لئے کوئی کام کرتا ہے، پھر اُس سے لوگ محبت بھی کرنے لگتے ہیں، اُس کے متعلق کیا حکم ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''تِلْکَ عَاجِلُ بُشْرَی الْمُؤْمِنِ'' یہ (لوگوں میں محبوبیت) مؤمن کے لئے نقد خوش خبری ہے۔ (کتاب الزہد ص:۲۵۰)

یعنی اسے مخلصانہ عمل کا اَجر جزیل تو آخرت میں ملے گا ہی؛ تاہم لوگوں کی زبانوں پر اُس کی خواہش کے بغیر اُس کی تعریف آجانا یہ وہ نقد نعمت ہے جو اُسے دنیا میں عطا کر دی گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ''کیا میں تمہیں اہل جنت اور اہل دوزخ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ جنتی وہ ہے جس کی اچھائیوں کی لوگ تعریف کرتے ہوں اور وہ اُنہیں سنتا ہو۔ اور جہنمی وہ ہے جس کی برائیاں اور بداخلاقیاں زبان زد ہوں اور وہ اُنہیں سنتا رہتا ہو''۔ (کتاب الزہد ص:۱۵۴)

تہمت کی جگہ سے بچیں!

اِس لئے ہمیں چاہئے کہ لوگوں کی تعریفوں کو ہرگز مقصود نہ بنائیں؛ لیکن ایسا کام بھی نہ کریں جس سے خواہ مخواہ لوگوں کی زبانیں ہمارے بارے میں کھلنے لگیں اور انگلیاں اُٹھائی جانے لگیں؛ اِس لئے کہ لوگوں کے درمیان اعتماد اور بھروسہ باقی رہنا ایک عظیم نعمت ہے، جو ایک مرتبہ مجروح ہونے کے بعد دوبارہ اُس درجہ کی ملنی بہت مشکل ہوتی ہے۔ اِسی بناء پر تہمت کی جگہ سے بہت دور رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

اور خاص کر جو شخص دین کی دعوت کا بیڑا اُٹھائے ہوئے ہو اور اصلاحِ معاشرہ کی تحریک کا علم بردار ہو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عظیم خدمت کی انجام دہی پر مامور ہو، اُسے اپنا دامن ناجائز تو کجا، خلافِ اَولیٰ اعمال واَقوال اور حرکات وسکنات سے بھی پوری طرح سے بچا کر رکھنا چاہئے؛ تاکہ وہ دوہرے معیار پر عمل کرنے کا ملزم قرار نہ دیا جاسکے؛ اِس لئے کہ یہی دوہرا معیار اور قول وفعل کا تضاد آج ہمارے لئے ایک بدترین رستا ہوا ناسور بن گیا ہے۔

عوامی خوشنودی کے حصول کے لئے خلافِ شریعت اِقدامات کسی طرح درست قرار نہیں دئے جاسکتے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے مؤمن کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد یاد رکھے جانے کے قابل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:

مَنْ أَسْخَطَ اللّٰهَ فِيْ رِضَا النَّاسِ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَأَسْخَطَ عَلَيْهِ مَنْ أَرْضَاهُ فِيْ سُخْطِهٖ وَمَنْ أَرْضَى اللّٰهَ فِيْ سُخْطِ النَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَأَرْضٰى عَلَيْهِ مَنْ أَسْخَطَهٗ فِيْ رِضَاهُ، حَتّٰى	جو شخص لوگوں کی خوشنودی کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ناراض کردے، تو اللہ تعالیٰ خود بھی ناراض ہوں گے اور اُسے جس نے خوش کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کیا اُسے بھی ناراض کردیں گے۔ اور اس کے برخلاف جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کرے تو نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ خوش

يُزَيِّنَهُ وَيُزَيِّنَ قَوْلَهُ وَعَمَلَهُ فِيْ عَيْنَيْهِ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٤٩٢ رقم: ٣٤٤٨)

ہوں گے؛ بلکہ جو شخص اُس سے ناراض ہے اسے بھی اُس سے خوش کردیں گے اور اُس کی نظر میں اُس کے اَقوال واَعمال مزین فرماں دیں گے۔

اور سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ طَلَبَ مَحَامِدَ النَّاسِ بِمَعَاصِي اللّٰهِ عَادَ حَامِدَهُ لَهُ ذَامًّا. (الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٤٥٠ بيت الأفكار الدولية)

جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، انجام کار اُس کی تعریف کرنے والا بھی اُس کی برائی پر اُتر آئے گا۔

اِس لئے ہمیں ہر عمل میں لوگوں کی خوشنودی کے بجائے اپنے خالق و مالک ربُ العالمین کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ دنیوی رسومات اور مروجہ طور طریقوں کے بجائے پوری قوت کے ساتھ شریعت کی پابندی میں ہی کامیابی مضمر ہے، ہمیں اِسی پر کاربند رہنا چاہئے۔

اپنا امتیاز نہ چاہیں!

تواضع کی ایک اہم نشانی یہ ہے کہ آدمی اَز خود اپنے ساتھ لوگوں کی طرف سے امتیازی معاملہ کرنے کی تمنا نہ رکھے اور حبِ جاہ سے دور رہے؛ کیوں کہ یہ چیز انسان کے لئے نہایت خطرناک ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلاَ فِيْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهِ. (سنن الترمذي رقم: ٣٧٦، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٣٩١ رقم: ٢٦٦٦)

دو بھوکے حملہ آور بھیڑئے بکریوں کے ریوڑ میں گھس کر اتنا نقصان نہیں پہنچا پاتے جتنا مال اور جاہ کی محبت انسان کے دین کو نقصان پہنچا دیتی ہے۔

ذرا غور فرمائیں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو آپ کے جانثار صحابہ کرام ﷺ راستوں میں آپ کے لئے پلکیں بچھا دیتے اور اپنی ہر اَدا سے اتنے احترام کا مظاہرہ فرماتے کہ دنیا اُس کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہ جاتی اور واقعی اُنہوں نے اپنی حد تک اِس کا مظاہرہ کیا بھی؛ لیکن اِس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہمیشہ یہ رہا کہ آپ صحابہ ﷺ کے ساتھ امتیازی شان سے گریز فرماتے رہے اور اپنے قول وعمل سے اُمت کے بڑوں کو امتیازی شان اپنانے سے دور رہنے کی تلقین فرماتے رہے، مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کی کھدائی میں آپ بنفس نفیس حضرات صحابہ کرام ﷺ کے شانہ بشانہ شریک رہے، سفر میں تشریف لے جاتے تو دیگر لوگوں کے ساتھ خود بھی ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔

سیدنا حضرت عبداللہ ابن جبیر خزاعی ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ ﷺ کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے، حضرات صحابہ ﷺ نے دھوپ سے بچاؤ کی غرض سے آپ کے اُوپر چادر سے سایہ کردیا، آپ نے سایہ محسوس فرما کر سر مبارک اُوپر اُٹھایا تو دیکھا کہ چادر سے سایہ کیا گیا ہے، تو آپ نے فرمایا: ''اسے ہٹاؤ!'' اور خود اپنے دست مبارک سے چادر کھینچ کر نیچے فرمادی اور اِرشاد فرمایا کہ: ''میں بھی تم جیسا ایک انسان ہوں''۔ (مجمع الزوائد ۹/۲۱)

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نفسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نفسی کا معمولی سا اندازہ اِس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کھانا نوش فرمارہے تھے، اِسی دوران ایک مجذوم یعنی کوڑھی شخص سامنے آیا، تو آپ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ پیالے میں داخل فرما کر اِرشاد فرمایا کہ ''اللہ کا نام لے کر اُس پر بھروسہ اور توکل کرتے ہوئے کھاؤ''۔ (ترمذی شریف/ باب ماجاء فی الاکل مع المجذوم حدیث: ۱۸۱۷، احیاء العلوم ۴/۳۰۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِنہی عظیم اخلاق نے آپ کو عالمی محبوب بنادیا تھا۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا عمل

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی جلالتِ شان کے باوجود مجلس میں امتیازی جگہ بیٹھنا پسند نہ فرماتے؛ بل کہ کسی بھی کنارے پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور ہمیشہ پیر سکیڑ کر تواضع سے بیٹھتے۔ (مجلس میں پیر نہ پھیلاتے تھے کہ یہ تکبر کی نشانی ہے) (العلم والعلماء حاشیہ ۳۵۸)

اِسی تواضع کا اثر ہے کہ آج جب حضرت اِمام سفیان ثوریؒ کا نام لیا جاتا ہے، تو ایک عظیم محدث اور صاحبِ ورع وتقویٰ بزرگ کا تصور ذہن میں اُبھر آتا ہے اور دل اُن کی عظمت سے سرشار ہو جاتا ہے۔

ہمارا طرزِ عمل

اِس کے برخلاف آج ہم جب اپنی زندگی پر غور کرتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ مقبولیت دلانے والے اُن اخلاق کا پاسنگ بھی ہم میں نہیں پایا جاتا۔ ہماری عین خواہش ہوتی ہے کہ لوگ ہر جگہ ہمارے ساتھ امتیازی معاملہ کریں؛ حتیٰ کہ بہت سے لوگ تو اشتہار اور دعوت ناموں میں اپنے نام کی ترتیب بدلنے پر بھی چیں بجبیں ہو جاتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ ہمارا نام بعد میں کیوں لکھا گیا۔

اِسی طرح اجتماعی زندگی میں اگر کوئی رکن ہماری رائے کے خلاف مشورہ دے دے، تو ہماری بھویں تن جاتی ہیں اور دوسری صحیح رائے آنے کے باوجود ہم اپنی بات پر صرف اِس لئے اَڑے رہتے ہیں کہ کہیں ہماری بات نیچی نہ ہو جائے اور بعض اَوقات اِس غلط روی کے نتیجہ میں جماعتوں اور اِداروں کو سخت نقصان بھگتنا پڑ جاتا ہے۔

ہٹ دھرمی تکبر کی علامت ہے

یہ ہٹ دھرمی تکبر کی بڑی نشانی ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشادِ گرامی ہے:

اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ. حق کو انکار کر دینے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہی تکبر ہے

(رواہ مسلم ۹۱، مشکاۃ المصابیح ۴۳۳/۲)

اِس لئے ہمیں اپنی کوتاہیوں پر نظر رکھنی چاہئے اور جب بھی کوئی حق بات سامنے آجائے تو اُسے قبول کرنے سے دریغ نہیں کرنا چاہئے؛ خواہ وہ اپنی ذات سے متعلق ہو یا دوسروں سے اُس کا تعلق ہو، سلفِ صالحین ہر وقت اِس تلاش میں رہتے تھے کہ اپنی کوئی غلطی ظاہر ہو اور فوراً اُس کی اصلاح کی سعی کریں۔ سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ''میرے نزدیک سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے جو مجھ کو میرے عیوب سے آگاہ کردے''۔ (العلم والعلماء ص:۱۶۷)

عمر بن مہاجرؒ جو خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خاص لوگوں میں تھے، فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے مجھ سے تاکیداً کہہ رکھا تھا کہ ''جب تم مجھے راہِ حق سے ذرا بھی ہٹتا ہوا دیکھو تو میرا گریبان پکڑنا اور اُسے زور سے ہلا کر پوچھنا کہ عمر تو کیا کر رہا ہے؟''۔ (العلم والعلماء ص:۲۸۰)

یہ تھے وہ اَخلاقِ فاضلہ جنہوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اتنی مقبولیت عطا کی تھی کہ انسان تو انسان جنگل کے درندے بھی اُن کے دورِ حکومت میں عدل وانصاف پر قائم اور ظلم وجور سے گریزاں تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

مرض کا احساس کریں!

اَفسوس! آج ہماری زندگیاں اُن بزرگوں کے بلند کردار سے عاری ہوچکی ہیں، ظاہری زبانوں پر اُن اَسلاف کا نام ضرور ہے؛ مگر باطن اُن کی پاک سیرت سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اَب خودرائی، خودنمائی ہمارا وطیرہ اور دوسروں کی تحقیر ہمارا معمول بن چکی ہے اور ہم اُن خطرناک اَمراض سے غافل اور بے خبر ہیں۔ اور چوں کہ مرض کا احساس ہی نہیں اِس لئے اُن کے اِزالہ کی کوشش بھی نہیں کی جاتی اور کبھی دل میں اصلاح کی بات آتی بھی ہے، تو اپنے فعل کو صحیح قرار دینے کی اتنی تاویلیں نکل آتی ہیں کہ نعوذ باللہ گناہ کو ہی عین عبادت سمجھ لیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اصلاح کی اُمید کیسے رکھی جاسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ واقعی ہماری اصلاح فرمائیں، آمین۔

❍❖❍

۲

دوسرے کی عزتِ نفس کا خیال

مقبولیت کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ انسان دوسرے کی عزتِ نفس کا خاص خیال رکھے اور اپنے کسی قول وفعل سے دوسرے کی تحقیر اور اَذیت پہنچانے کا مرتکب نہ ہو۔

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ تقریر کے دوران اِرشاد فرمایا کہ: ''کسی آدمی کے ظاہری کرّ وفرّ کو دیکھ کر اُس کے معتقد نہ ہو جاؤ؛ بلکہ آدمی (لائق تعریف) وہ ہے جو اَمانت (اللہ اور بندوں کے حقوق) کو اَدا کرتا ہو اور لوگوں کی عزتوں پر ہاتھ ڈالنے سے احتراز کرتا ہو''۔ (کتاب الزہد ص:۲۴۳)

سب سے زیادہ پسندیدہ لوگ

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ أَحَبَّكُمْ إِلَيَّ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا اَلْمُوطِؤُنَ أَكْنَافًا، اَلَّذِيْنَ يَأْلَفُوْنَ وَيُؤْلَفُوْنَ وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ اَلْمَشَّاؤُنَ بِالنَّمِيْمَةِ اَلْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ، اَلْمُلْتَمِسُوْنَ لِلْبُرَءَ اءِ الْعَيْبَ. (رواه الطبراني في الصغير عن

مجھے تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ لوگ ہیں جو اچھے اخلاق رکھنے والے ہوں، جو (تواضع کی وجہ سے) گویا لوگوں کے سامنے بچھے جاتے ہیں، جو خود بھی دوسروں سے محبت رکھتے ہیں اور دوسرے بھی اُن سے مانوس رہتے ہیں'' اور فرمایا کہ: ''میرے نزدیک تم میں سب سے

أبي هريرة، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٥٦٨ رقم: ٤٠٥٥ بيت الأفكار الدولية)

ناپسندیدہ وہ لوگ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں، دوستوں دوستوں میں نفرت کا بیج بوتے ہیں اور شریفوں میں عیب تلاش کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے ہر مرحلہ پر اِس بات کا خاص لحاظ رکھا ہے کہ کسی عمل سے دوسرے کی دل شکنی نہ ہوجائے اور کسی مسلمان کو ہمارے کسی برتاؤ سے خفت نہ اُٹھانی پڑے۔ اِسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ''لوگوں سے اُن کے مرتبہ کے موافق معاملہ کرو''۔ (مسلم شریف ۴/۱)

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ''جب کسی قوم کا باعزت آدمی تمہارے پاس آئے، تو اس کا اعزاز کرو''۔ (سنن ابن ماجہ ۲۷۲/۲)

نیز آپ علیہ السلام نے ہدایت دی کہ ''جب کوئی شخص دوسری مسجد میں جائے تو وہاں کے مقررہ اِمام کی اِجازت کے بغیر وہاں اِمامت نہ کرے اور جب کسی کے گھر جائے، تو مالک مکان کی مخصوص بیٹھنے کی جگہ (کرسی یا مسند خاص) پر اُس کی اِجازت کے بغیر نہ بیٹھے''۔ (مشکوٰۃ شریف ۱۰۰/۱)

اِسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو اَذان دے اُسی کو اِقامت کہنے کا حق ہے''۔ (ترمذی شریف ۵۰/۱)

کیوں کہ اِن باتوں کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے فطری طور پر دوسرے کو ناگواری ہوتی ہے، اور خواہ مخواہ دلوں میں نفرت کی آب یاری ہونے لگتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا اِمام مالکؒ کے ساتھ معاملہ

یحییٰ ابن یحییٰ اندلسیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم اپنے اُستاذ اِمام دارالہجرۃ حضرت اِمام مالکؒ کی مجلس میں حاضر تھے کہ حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ نے حاضری کی اِجازت چاہی، اِمام مالکؒ نے اِجازت دے دی اور جب حضرت ابن المبارکؒ تشریف لائے، تو آپ باوجودیکہ

بڑے سے بڑے آدمی کے لئے اپنی جگہ سے نہیں اُٹھتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ کے اعزاز میں کھڑے ہوگئے اور اُنہیں اپنی مسند پر اپنے پہلو میں لاکر بٹھایا، پھر ایک طالب علم نے حدیث کی عبارت پڑھنی شروع کی، تو کبھی دوارانِ درس اِمام مالکؒ کسی حدیث کے بارے میں عبداللہ ابن المبارکؒ سے پوچھتے کہ آپ کے پاس اِس کے متعلق کیا علم ہے؟ تو حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ اِمام مالکؒ کے اَدب اور آپ کی عزت کا خیال کرتے ہوئے اُن کے استفسار کا جواب طلبہ کے سامنے بلند آواز سے نہ دیتے؛ بل کہ آہستہ سے اِمام مالکؒ کو بتادیتے تھے (تاکہ حاضرین پر اِمام مالکؒ کے سامنے ابن المبارکؒ کی بڑائی نہ ظاہر ہو) جب ابن المبارکؒ اِجازت لے کر واپس تشریف لے گئے اور اِمام مالکؒ کو آپ کا کمالِ اَدب بہت اچھا معلوم ہوا، تو آپ نے ہم شاگردوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اِنہیں جانتے ہو؟ یہی خراسان کے فقیہ عبد اللہ ابن المبارکؒ ہیں''۔ (مقدمہ کتاب الزہد ص:۴۳)

دیکھئے حضرت عبداللہ ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی عزت کا کتنا خیال رکھا کہ کہیں اُن کی اَحادیث اور علم کو دیکھ کر اِمام مالکؒ کے شاگردوں کی نظر میں اُستاذ کا رتبہ کچھ کم نہ ہوجائے۔

اپنے گریبان میں جھانکیں!

آج ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں، کیا ہم بھی اپنے بھائیوں اور ہم عصروں کی عزت کا اِسی طرح خیال کرتے ہیں؟ ہمارا تو بس چلے تو ہم اپنے مقابلے میں کسی کو عزت دار نہ رہنے دیں! ہم اپنے معمولی سے معمولی کام کی دوسروں سے تعریف چاہتے ہیں اور دوسرے کے بڑے سے بڑے کارنامہ کو خود اِس انداز میں پیش کرتے ہیں؛ گویا وہ کوئی کام ہی نہ ہو؛ حتیٰ کہ اپنے سامنے کسی دوسرے کی تعریف بھی اچھی نہیں لگتی۔ اگر دوسرے کی تعریف ہمارے سامنے آتی ہے تو ہم فوراً ممدوح کی زندگی کا وہ پہلو سامنے کردیتے ہیں، جس سے اُس کا وقار اور مرتبہ سننے والوں کی نظر میں گھٹ جائے، الامان والحفیظ۔

ماتحتوں کے ساتھ برتاؤ کیسا ہو؟

اِسی طرح اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہمارا برتاؤ ایسا ہوتا ہے؛ گویا وہ ہمارے بیگاری غلام ہوں، برسرِ مجلس اُن کے ساتھ تمسخر اور تذلیل کا معاملہ کیا جاتا ہے، جس سے دلوں میں کینہ اور بغض کی پرورش ہوتی ہے اور بدگمانیوں کا طوفان کھڑا ہوجاتا ہے۔ جو کبھی آتش جوالہ بن کر حکومتوں تک کو زیروزبر کرکے چھوڑتا ہے، وہ حکمراں جو اپنی رعایا اور ماتحتوں کی عزتِ نفس کا خیال نہ کرے اُسے کبھی بھی اپنی رعایا سے عزت کی توقع نہ رکھنی چاہئے اور ایسا حاکم کبھی بھی دلوں پر حکومت نہیں کرسکتا اور نہ مقبولیت کے درجہ پر فائز ہوسکتا ہے، ہم جیسا معاملہ دوسروں کے ساتھ کریں گے دوسرے بھی ویسا ہی معاملہ ہمارے ساتھ کریں گے۔ اَدنیٰ سے اَدنیٰ آدمی بھی اپنی جگہ عزت رکھتا ہے اور لوگوں کے سامنے رسوائی سے اپنے آپ کو بچاتا ہے اور بسا اَوقات یہ رسوائی غیرت مند آدمی کے لئے مال ودولت اور ملازمت چھن جانے سے زیادہ اَذیت ناک ہوتی ہے۔

اِس لئے شریعت میں دوسروں حتیٰ کہ غلاموں کی تذلیل سے بھی منع کیا گیا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ جس طرح ہم خود اپنی عزت دوسروں سے چاہتے ہیں اسی طرح دوسروں کو بھی اپنی طرف سے عزت دینے کی کوشش کریں، محبوبیت اور مقبولیت کا راستہ یہی ہے، جس کے بغیر مقبولیت کی تمنا سراسر فریب ہے۔

❍❖❍

۳

عفوودرگذر

عفوودرگذر اور حلم وبردباری بھی مقبولیت کی صفات میں نمایاں مقام کی حامل ہیں۔ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

مَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا. اللہ تعالیٰ عفوودرگذر سے انسان کی عزت اور سربلندی میں اِضافہ ہی فرماتے ہیں۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۸)

اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے؛ بل کہ عفوودرگذر سے کام لیتے تھے''۔(شمائل ترمذی شریف ص:۲۳)

خادم رسول سیدنا حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل کیا؛لیکن اِس پورے عرصہ میں کبھی آپؐ نے مجھے ''اُف'' تک نہیں کہا اور نہ میرے کسی کئے ہوئے کام پر یہ کہا کہ ''یہ تم نے کیوں کیا؟'' اور نہ کبھی میرے نہ کئے ہوئے کام پر یہ پوچھا کہ ''یہ تم نے کیوں نہیں کیا؟'' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق والے تھے''۔(شمائل ترمذی ص:۲۳)

سیدنا حضرت زین العابدینؒ کا حیرت انگیز واقعہ

خانوادۂ نبوت کے چشم وچراغ سیدنا حضرت علی ابن حسین ابن علی زین العابدین رحمۃ

اللہ علیہ جن کی مقبولیت ومحبوبیت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ولی عہد ہشام ابن عبدالملک حج کے موقع پر مکہ مکرمہ گئے اور بھیڑ کی وجہ سے کوشش کے باوجود اُنہیں حجر اَسود کے بوسہ کا موقع نہ مل سکا، ابھی وہ مطاف ہی میں تھے کہ ''حضرت زین العابدینؒ'' تشریف لائے تو فوراً لوگوں نے اُن کے لئے راستہ خالی کردیا اور اُنہوں نے اطمینان کے ساتھ حجر اَسود کی تقبیل کا شرف حاصل کیا، یہ منظر دیکھ کر کچھ لوگوں نے ہشام سے پوچھا کہ ''یہ کون ہے؟'' ہشام نے لاعلمی ظاہر کی، تو فرزدق شاعر نے جواب دیا کہ: ''میں اِنہیں جانتا ہوں یہ حضرت علی ابن حسین زین العابدینؒ ہیں جن سے سرزمین عرب کا چپہ چپہ واقف ہے'' اور آپ کی مدح میں ایک نہایت عمدہ قصیدہ پڑھا۔

اِنہی حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس کچھ مہمان آئے ہوئے تھے، اُن کی ضیافت کے لئے آپ نے غلام کو حکم دیا کہ گھر کے تنور میں جو گوشت بھن رہا ہے وہ جلدی پیش کرے، غلام گیا اور بھنے ہوئے گرم کباب سیخ سمیت لانے لگا، اتفاق سے جلد بازی میں وہ گرم سیخ غلام کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے کی منزل میں حضرت زین العابدینؒ کے کسی چھوٹے بچے کو جا کر لگی، جس کے زخم کی تاب نہ لاکر وہ بچہ اُسی وقت واصل بحق ہوگیا، حضرت زین العابدینؒ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے غلام کو ڈانٹا نہ پھٹکارا؛ بلکہ اُس پر مزید احسان فرماتے ہوئے کہا: ''جا تو آزاد ہے، تو نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا''، اُس کے بعد بچے کی تجہیز وتکفین میں مشغول ہوگئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (العلم والعلماء ص:۲۷۵)

اِس کے برخلاف آج ہمارا رویہ اپنے خادموں اور ماتحتوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ خود ہی غور کرلیں! ذرا سا نقصان بے خیالی میں خادم کے ہاتھ سے ہوجائے بس اُس کی خیر نہیں، نہ جانے کتنے دنوں تک ایک ایک نقصان اور غلطی پر اُسے طعنے سننے پڑتے ہیں۔ اور عجیب بات ہے کہ جس نقصان پر خادم کو بے تکان صلواتیں سنائی جاتی ہیں اگر وہ نقصان خود اپنے ہاتھوں ہوجاتا ہے (اور ایسا ہوتا ہی رہتا ہے) تو دل کو مطمئن کرنے کے لئے نہ جانے کتنی تاویلیں تراش لی جاتی ہیں اور اُس پر کسی کا ٹوکنا بھی سخت برا لگتا ہے۔ اِس دوہرے معیار سے رقابتیں بڑھتی

ہیں اور جذبۂ احترام نفرت میں تبدیل ہوجاتا ہے اور انسان دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے، اِس لئے ہمیں اپنے منصب ووقار کا خیال رکھتے ہوئے وسعت ظرفی کا ثبوت دینا چاہئے۔

نرمی ہی میں خیر ہے

اور ہمارے معاملات غرور وررعونت اور غیر ضروری شدت سے خالی رہنے چاہئیں، جب ہی ہم لوگوں کے دل جیت سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهٖ. (صحيح مسلم ۳۲۲/۲)

اللہ تعالیٰ خود نرمی فرمانے والے ہیں اور ہر چیز میں نرمی پسند فرماتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهٗ وَلَا يَنْزِعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهٗ. (صحيح مسلم ۳۲۲/۲)

نرمی جس چیز میں بھی پائی جائے گی وہ اُس کو مزین بنادے گی، جب کہ نرمی سے محرومی اُس میں عیب کا سبب بنے گی۔

اِسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک اِرشاد ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِيْ عَلَى الْخَرَقِ، وَإِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا أَعْطَاهُ الرِّفْقَ، مَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يُحْرَمُوْنَ الرِّفْقَ إِلَّا حُرِمُوْا. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٤٠٧١)

اللہ تعالیٰ نرمی پر جو اَجر عطا فرماتے ہیں وہ سختی پر عطا نہیں فرماتے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو اُسے ''نرمی'' کی صفت سے نوازتے ہیں اور جس گھر والے نرمی سے محروم ہوں وہ واقعی (ایک بڑی نعمت سے) محروم کردئے گئے ہیں۔

اِن تعلیمات سے معلوم ہوا کہ کسی بھی معاملہ میں ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لینا چاہئے اور کوئی خطا کار اگر غلطی پر ندامت کے ساتھ ہمارے پاس آئے تو ہمیں اُسے معاف کردینا چاہئے اور آئندہ اُس کی طرف سے اپنا دل بالکل صاف کرلینا چاہئے۔ ایک حدیث میں

ہے کہ ''جو لوگوں پر رحم نہ کرے اللہ تعالیٰ اُس پر رحم نہیں کرتا''۔ (بخاری شریف رقم:۶۰۱۳ الترغیب والترہیب مکمل ص:۴۹۲ رقم:۳۴۵۲ بیت الافکار الدولیۃ)

نیز ایک ضعیف حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ''جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے سامنے کوئی عذر پیش کرے، پھر وہ اُس کا عذر قبول نہ کرے، تو اُس پر وہی سزا جاری ہوگی جو ناحق ٹیکس لینے والے پر ہوگی''۔ (رواہ ابوداؤد رقم:۵۲۱، الترغیب والترہیب مکمل ص:۵۹۳ رقم:۴۲۷۰ بیت الافکار الدولیۃ)

آج ہمارا عام مزاج بن گیا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ ہماری نظروں سے گر جاتا ہے، بس زندگی بھر کے لئے اُس سے دشمنی دل میں بٹھالی جاتی ہے اور اُس پر سے اعتماد اُٹھالیا جاتا ہے، ہمارا یہ طرزِ عمل بھی مقبولیت کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے جسے دور کرنا ضروری ہے۔

۴

حلم و بردباری

اجتماعی زندگی میں انسان کو لوگوں کی اَذیتوں پر صبر بھی کرنا پڑتا ہے اور اِس موقع پر یہ صبر ہی اِنسان کی عظمت کو ''ثریا'' کی سی بلندی عطا کر دیتا ہے۔

ایک ضعیف روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہے کہ ''آدمی اپنے حلم و بردباری کے ذریعہ دن کے روزہ دار اور رات کے عبادت گذار کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے''۔ (الترغیب والترہیب مکمل ص:۵۷۱ رقم:۴۰۸۶)

۸ھ میں جب عبدالقیس کا وفد یمن سے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُن کے سردار ''منذر ابن عائذ رضی اللہ عنہ'' (جو اشج عبدالقیس کے لقب سے معروف ہیں) کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''آپ میں دو ایسی عادتیں پائی جاتی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کو پسند ہیں، ایک حلم و بردباری، دوسرے دور اندیشی''۔ (فتح الملہم ۱/۱۸۴)

سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا، آپ نے ایک نجرانی چادر زیب تن فرما رکھی تھی، جس کے کنارے سخت تھے، اچانک ایک دیہاتی آپ کے سامنے آیا اور آپ کی چادر مبارک کو زور سے پکڑ کر کھینچا، میں نے اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن کے ظاہری حصے کو دیکھا جس پر سختی سے چادر کھینچنے کا نشان نمایاں تھا، پھر اُس دیہاتی نے حضور اکرم علیہ السلام سے کہا کہ ''اے محمدؐ! مجھے اِس مال میں

سے عطا کرنے کا حکم کیجئے جو آپ کے پاس ہے''، اُس شخص کی اِس سخت گستاخی کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی طرف متوجہ ہوکر مسکرائے اور اُسے عطیہ دینے کا حکم فرمادیا''۔

(رواہ البخاری رقم:۳۱۴۹، صحیح مسلم رقم:۱۰۵۷، الترغیب والترہیب ص:۵۷۱ رقم:۱۰۸۷ بیت الافکار الدولیۃ)

غزوۂ حنین کے موقع پر آپ مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے اور مصالحِ شرعیہ کے پیشِ نظر تالیفِ قلب کے لئے بعض نومسلم سرداروں کو زیادہ حصہ دے رہے تھے، تو ایک شخص نے آپ کے طرزِ عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: ''یہ تقسیم عادلانہ نہیں ہے''۔ جب اُس کا یہ تبصرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو آپ صرف یہ اِرشاد فرما کر خاموش ہوگئے کہ: ''اگر اللہ اور اُس کا رسول ہی انصاف نہ کرے تو دنیا میں اور کون انصاف کرنے والا ہوگا؟ اور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائیں کہ اُن کو اِس سے زیادہ (اُن کی قوم کی طرف سے) اَذیتیں پہنچائی گئیں؛ مگر اُنہوں نے برداشت سے کام لیا''۔ (بخاری شریف ۱/۴۴۶، ۲/۴۸۳، ۲/۶۷۳، العلم والعلماء ص:۱۳۷)

غور فرمایئے! کیا آج ہم اپنے مخالف اور معترض کے ساتھ اِسی طرح کا معاملہ کرتے ہیں؟ ہماری تو یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہمیں کسی طرح بھی اَذیت پہنچانے والا کبھی چین سے نہ رہے اور ہر وقت انتقام لینے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، اَعاذنا اللہ منہ۔

حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کا مقام

اِمام اَعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقہ اِسلامی کے بنیادی ستون ہیں، جن کا فیض آج دنیا کے چپہ چپہ میں جاری ہے، اُن کی مقبولیت اور بے مثل محبوبیت میں اُن کی حلم وبردباری کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ: ''میں نے کبھی کسی کی برائی پر بدلہ نہیں لیا اور نہ میں نے کسی کو گالی دی اور نہ کبھی کسی مسلمان یا ذمی پر ظلم کیا اور نہ کبھی کسی کے ساتھ خیانت کی اور نہ دھوکہ دیا''۔ (عقود الجمان ص:۲۸۸)

ایک مرتبہ مناظرہ کے دوران فریقِ مخالف نے آپ کو زندیق اور بدعتی ہونے کا طعنہ دیا؛ مگر حضرت اِمام صاحبؒ نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ: ''بھائی! اللہ تمہیں معاف کرے،

تم نے میرے بارے میں جو رائے قائم کی ہے، میرے بارے میں میرے اللہ کا علم اِس کے برخلاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اُس کے علاوہ کبھی کسی کو نگاہ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور مجھے اُس کی رحمت کے سوا کسی سے اُمید نہیں اور اُس کی سزا کے علاوہ مجھے کسی کا خوف نہیں''۔ سزا کا ذکر آتے ہی آپ پر سخت گریہ طاری ہوگیا؛ تا آں کہ آپ بے ہوش ہوکر گر پڑے، جب ہوش آیا تو اُسی برا کہنے والے شخص نے معافی کی درخواست کی، آپ نے اِرشاد فرمایا کہ: ''جاہلوں میں سے جو شخص میرے بارے میں غلط بات کہے وہ تو معاف ہے؛ لیکن اہل علم میں سے جو شخص مجھ پر الزام لگائے تو معاف نہیں؛ اس لئے کہ علماء کی بیان کردہ غیبت اُن کے مرنے کے بعد بھی (کتابوں وغیرہ میں) باقی رہتی ہے''۔ (عقود الجمان ص:۲۲۶)

حضرت اِمام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا ملفوظ خاص طور پر علماء کے لئے بہت زیادہ تنبیہ کا سبب ہے؛ اِس لئے کہ عموماً علماء کی باتیں اہتمام کے ساتھ سنی جاتی ہیں اور اُنہیں نوٹ کیا جاتا ہے؛ حتیٰ کہ وہ کتب ورسائل میں شائع کردی جاتی ہیں، پس اگر وہ کسی شخصیت کے بارے میں بے احتیاطی پر مبنی ہوں گی، تو اُن کی وجہ سے معاشرہ میں فتنہ وفساد پھیلنے کا خطرہ زیادہ رہے گا، جو ہر دور میں نظر آتا ہے، اِس لئے بالخصوص اہل علم کو اپنی زبان اور قلم کو محتاط رکھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

حضرت اِمام ابوحنیفہؒ کا بے مثال تحمل

عبدالرزاق ابن ہمامؒ کہتے ہیں کہ میں نے اِمام اَعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ حلیم اور بردبار کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ ہم مسجد خیف میں آپ کے ساتھ بیٹھے تھے، آپ کے اِردگرد لوگوں کا مجمع تھا، اِسی دوران بصرہ کے رہنے والے ایک شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا، آپ نے جواب دے دیا، تو اُس سائل نے جرح کی کہ اِس مسئلہ میں حضرت حسن بصریؒ کی رائے تو یہ ہے (اور آپ کی رائے اُن کے خلاف ہے) تو آپ نے جواب دیا کہ ''حسن بصریؒ سے غلطی ہوگئی'' آپ کا یہ جواب سن کر ایک شخص جس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا وہ اُٹھا اور اِمام صاحب سے خطاب کرکے یہ گستاخانہ کلمات کہے کہ ''اے زانیہ کے بچے تو یہ کیا کہتا ہے کہ حسن

بصریؒ نے غلطی کی''، اُس کی گستاخی دیکھ کر لوگوں میں شور مچ گیا اور حاضرین نے اُسے سزا دینے کا اِرادہ کیا؛ مگر اِمام صاحبؒ نے سب کو خاموش کر دیا۔ پھر کچھ دیر سر جھکائے رہنے کے بعد نہایت سنجیدگی سے اِرشاد فرمایا: ''ہاں بھائی! حسن بصریؒ سے غلطی ہوئی جب کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اِس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمودہ روایت میں حق پر تھے''۔ (عقود الجمان ص:۲۸۷)

اللہ اکبر! کیا اِس حلم وبردباری کی کوئی حد ہے؟ آج ہمیں کوئی برملا یہ کہہ کے دیکھ لے، پھر اُس کے خلاف کیسی کیسی کارروائیاں تیار ہوتی ہیں؟

عاصم بن یوسفؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسجد میں اِمام اَعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ درس وتدریس میں مشغول تھے اور مسجد کے ایک گوشہ میں ایک شخص آپ کو مسلسل گالیاں دے رہا تھا؛ مگر اِمام صاحبؒ اپنے کام میں مشغول تھے، نہ تو اُس کی طرف متوجہ ہوئے نہ جواب دیا اور اپنے شاگردوں کو بھی اُس سے گفتگو کرنے سے منع فرما دیا، جب درس ختم ہوا (اور آپ دولت کدہ کی جانب تشریف لے چلے) تو وہ شخص بھی آپ کے پیچھے ہولیا (اور برا بھلا کہتا رہا) اِمام صاحبؒ جب اپنے گھر پہنچے تو دروازہ پر کھڑے ہو کر اُس گالی دینے والے شخص سے مخاطب ہو کر اِرشاد فرمایا کہ: ''بھائی یہ میرا گھر ہے! اگر تم اپنی بات پوری کرنا چاہو؛ حتیٰ کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے وہ سب کہہ لو تو شوق سے کہو (میں اُسے سن کر ہی اندر جاؤں گا) اِمام صاحبؒ کا یہ حلیمانہ جواب سن کر وہ شخص شرمندہ ہو گیا''۔ (عقود الجمان ص:۲۹۱)

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا حلم

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے واقعات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ وعظ فرما رہے تھے ایک شخص درمیان سے اُٹھا اور کہنے لگا کہ ''مولوی صاحب ہم نے سنا ہے کہ تم حرامی ہو'' تو شاہ صاحبؒ نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ ''میاں تم نے غلط سنا ہے، میرے باپ کے نکاح کے گواہ بڈھانہ، پھلت اور خود دلّی میں موجود ہیں''۔ (اَرواحِ ثلاثہ ص:۵۷-۵۸)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی بردباری

اِسی طرح کا واقعہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا بھی ہے،

ایک مرتبہ آپ درس دے رہے تھے، کسی گستاخ نے یہ رقعہ بھیجا کہ ''آپ اپنے باپ سے نہیں ہیں'' جب آپ نے یہ پرچہ پڑھ کر سنایا تو ساری مجلس میں کھلبلی مچ گئی اور حاضرین طلبہ غیظ وغضب میں بھر گئے، آپ نے نہایت حلم وبردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''خبردار! کسی کو غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میرا حق ہے کہ میں اُسے تسلی کردوں''، پھر فرمایا کہ میں ضلع فیض آباد قصبہ ٹانڈہ محلّہ الہداد پورہ کا رہنے والا ہوں، اِس وقت بھی میرے والدین کے نکاح کے گواہ زندہ موجود ہیں، خط بھیج کر یا جا کر سمجھ لیا جائے''۔ (بیس بڑے مسلمان ص:۵۱۵)

تحریکات کے دور میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو جس قدر جی بھر کر مطعون کیا گیا اور آپ کے سامنے بدترین انداز میں گستاخیاں کی گئیں اُن کا تصور بھی اِس دور میں نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ ہمیشہ بے مثال حلم اور بردباری کا مظاہرہ فرماتے رہے۔ ایک مرتبہ آپ کے کچھ جاں نثاروں نے آپ کے مخالفین کی ہجو میں کچھ اشعار اخبار میں شائع کرانے چاہے، تو آپ نے اُنہیں رکوادیا اور پوچھنے پر فرمایا کہ ''میرے بھائی! میرے ساتھ جس کسی نے جو کچھ کیا ہے یا کوئی آئندہ کرے گا میں سب کو معاف کر چکا ہوں، آپ میری وجہ سے کسی کو برا بھلا نہ کہیں نہ کسی کے لئے بددعا کریں''۔ (بیس بڑے مسلمان ص:۵۱۴)

اِن اکابر کے کردار کی روشنی میں آج ہمیں اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لینا چاہئے کہ اُن حضرات نے ذاتیات کے اختلاف پر کس طرح صبر وتحمل سے کام لیا اور آج ہم کس طرح اپنے مخالفوں سے انتقام لینے کی فکر میں پڑے رہتے ہیں؟

یاد رکھیں! جب تک انسان میں حلم وبردباری اور صبر وتحمل کی صلاحیت نہ ہو وہ کسی بھی اجتماعی ذمہ داری کو نہ نبھا سکتا ہے اور نہ ہی اپنے ماتحتوں کی نظر میں مقبولیت حاصل کرسکتا ہے۔ اِس لئے کوشش کرنی چاہئے کہ ہم حلم کے عادی بنیں اور انتقامی جذبات سے پوری طرح محفوظ رہیں، اللہ رب العزت ہماری مدد فرمائیں، آمین۔

❍❖❍

۵

زہد واستغناء

مقبولیت کی ایک اہم صفت زہد واستغناء ہے۔ سیدنا حضرت سہل ابن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جو مجھے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی نظر میں مقبول ومحبوب بنادے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ، وَإِزْهَدْ فِي مَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ. (رواه ابن ماجة رقم: ٤١٠٢، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٦٦٦ رقم: ٤٨٢٠ بيت الأفكار الدولية)

دنیا سے بے رغبتی اور زہد اختیار کرلو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالیں گے اور لوگوں کے مال ودولت سے نظریں پھیر لو تو لوگوں کی نگاہ میں محبوب بن جاؤ گے۔

واقعہ یہ ہے کہ زہد سے متصف ہوئے بغیر اِنسان کو محبوبیت ومقبولیت حاصل نہیں ہوسکتی، جہاں ذرا سا لالچ کا شبہ ہوا دینی منصب کی عزت داغ دار ہوجاتی ہے اور جب استغناء ہوتا ہے تو یہی دنیا جس کے دیدار کے لئے در در کی ٹھوکریں کھائی جاتی ہیں، زاہد کے قدموں میں آ کر گرتی ہیں اور وہ اُسے بے نیازی کے ساتھ جھاڑ کر آگے چل دیتا ہے۔

سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ، فَرَّقَ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كَتَبَ لَهُ، وَمَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ نِيَّتَهُ جَمَعَ اللّٰهُ لَهُ أَمْرَهُ، وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ، وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ. (رواه ابن ماجه رقم: ٤١٠٥، شعب الايمان ٢٨٨/٧، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٦٥٦ رقم: ٤٧٥٨)

جس کا نصب العین دنیا ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے کام کو پراگندہ فرمادیتے ہیں اور محتاجگی اُس کی آنکھوں کے سامنے کردیتے ہیں اور تقدیر سے زیادہ دنیا اُسے نہیں مل پاتی اور جس کا مقصد آخرت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے معاملات کو درست فرمادیتے ہیں اور اُس کے دل میں غنا کو بھر دیتے ہیں اور دنیا اُس کے پاس ذلیل ہوکر آتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا زہد

سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، سیدالاولین والآخرین سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو اپنے لئے دنیا کی ہر زیب وزینت جمع فرمالیتے؛ لیکن آپؐ نے اپنے لئے زہد کو پسند فرمایا اور دنیا میں ایک مسافر کی طرح زندگی گزارنے کا اُسوۂ مبارکہ پیش کیا۔ سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ جب مدینہ منورہ میں یہ اَفواہ پھیل گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اَزواجِ مطہرات کو طلاق دے دی ہے، تو میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ السلام سے تحقیق حال کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہبند پہنے ہوئے ایک کھرّی چٹائی پر تشریف فرما ہیں اور چٹائی کے نشانات آپ کے بدن پر نمایاں ہیں، میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو آپ کے اسٹور روم میں ایک صاع (تقریباً سوا تین کلو) جو اور کمرہ کے ایک کونے میں ''قرظ'' (چمڑے کی دباغت کا سامان) اور ایک کچی کھال لٹکی ہوئی تھی (اور کچھ نہ تھا) یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ''عمر! کیوں رو رہے ہو''؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں آخر کیوں نہ روؤں؟ جب کہ چٹائی کے نشانات آپ کے مبارک بدن پر ہیں اور آپ کے کمرے میں جو میں دیکھ رہا ہوں اِس کے علاوہ کچھ نہیں ہے، جب کہ دنیا کے بادشاہ قیصر وکسریٰ پھلوں اور نہروں کے بیچ میں (مزے اُڑا رہے) ہیں اور آپ تو اللہ کے رسول اور اُس کے پسندیدہ ہیں، یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! أَمَا تَرْضىٰ أَنْ تَكُوْنَ لَنَا الْاٰخِرَةَ وَلَهُمُ الدُّنْيَا.

اے ابن الخطاب! کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ ہمارے لئے آخرت ہو اور ان کے لئے دنیا؟

میں نے کہا کیوں نہیں؟ (میں اس پر راضی ہوں) (مسلم شریف ۱/۴۸۰)

اِسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ اِرشاد فرمایا تھا:

فَلَا تَبْكِهٖ يَا عَبْدَ اللّٰهِ؛ فَإِنَّ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةَ، وَمَا أَنَا وَالدُّنْيَا، وَمَا مَثَلِيْ وَمَثَلُ الدُّنْيَا إِلَّا كَمِثْلِ رَاكِبٍ نَزَلَ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ سَارَ وَتَرَكَهَا. (الترغيب والترهيب ص: ٦٧٩ رقم: ٤٩٣٢)

عبد اللہ! مت روؤ؛ کیوں کہ اُن کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت کی نعمتیں ہیں اور مجھے دنیا سے کیا لینا دینا، میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی مسافر سوار کسی درخت کے نیچے اُتر کر آرام کرے اور پھر کچھ دیر بعد اُسے چھوڑ کر چلتا بنے۔

اِسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مال کی کثرت کی دعا نہیں کی؛ بلکہ زیادہ سے زیادہ جو دعاء کی وہ یہ تھی کہ ''اے اللہ! محمد کے اہل خاندان کو بقدر ضرورت برابر سرابر روزی عطا فرما''۔ (مسلم شریف ۲/۴۰۹)

اِسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم زہد واستغناء کے کس اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

کامیاب مسلمان

کامیاب مسلمان اور باعافیت شخص کون ہے؟ اِس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ. (صحيح مسلم رقم: ١٠٥٤، شعب الإيمان ٢٢٠/٧)

وہ شخص فلاح پا گیا جو (۱) اسلام سے مشرف ہو۔ (۲) جسے برابر سرابر روزی میسر ہو۔ (۳) اور اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی دی ہوئی روزی پر قناعت سے سرفراز کر دیا ہو۔

اور ایک مرفوع روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ خَيْرًا أَرْضَاهُ بِمَا قَسَمَ لَهُ وَبَارَكَ لَهُ فِيْهِ وَإِذَا لَمْ يُرِدْ بِهِ خَيْرًا لَمْ يَرْضَهُ بِمَا قَسَمَ لَهُ وَلَمْ يُبَارِكْ لَهُ فِيْهِ. (كتاب القناعة لإبن أبي الدنيا ٦٠)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے خیر کا اِرادہ فرماتے ہیں تو اُسے اپنی عطا فرمودہ روزی پر راضی فرما کر برکت سے نوازتے ہیں۔ اور جس کے ساتھ خیر کا اِرادہ نہیں فرماتے تو نہ تو اُسے اُس کے حصہ پر راضی کرتے ہیں اور نہ ہی اُسے برکت سے نوازتے ہیں۔

سیدنا حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِي سَقِيْمَهُ الْمَاءَ. (سنن الترمذي رقم: ٢٠٣٦، ذم الدنيا ص: ٢٩ لابن أبي الدنيا)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اُسے دنیا کی محبت سے اِس طرح بچاتے ہیں جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے (جب کہ پانی مریض کے لئے نقصان دہ ہو)

ایک مرتبہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیغمبر علیہ السلام سے سوال کیا کہ ''ہم میں سب سے اچھا

شخص کون ہے؟'' تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا:

خَيْرُكُمْ أَزْهَدُكُمْ فِي الدُّنْيَا وَأَرْغَبُكُمْ فِي الْآخِرَةِ. (ذم الدنيا ٦٢ لابن أبي الدنيا)

تم میں سب سے بہترین شخص وہ ہے جو تم میں دنیا سے سب سے زیادہ بے رغبت اور آخرت کی طرف سب سے زیادہ راغب ہو۔

نبیٔ اکرم ﷺ کی تین اہم وصیتیں

ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کرنے کی گذارش کی، تو آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

عَلَيْكَ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ وَإِيَّاكَ وَالطَّمَعَ فَإِنَّهُ الْفَقْرُ الْحَاضِرُ، وَصَلِّ صَلٰوتَكَ وَأَنْتَ مُوَدِّعٌ وَإِيَّاكَ وَمَا يُعْتَذَرُ مِنْهُ. (المقاصد الحسنة للسخاوي ص: ١٦٦، كتاب القناعة ص: ٧٧)

(۱) لوگوں کے قبضہ والے مال سے ناامید رہو؛ اِس لئے کہ یہی غنی ہے۔ اور لالچ سے بچتے رہو کہ وہ دکھائی دینے والی محتاجگی ہے (۲) اور نماز اِس طرح پڑھو؛ گویا کہ وہ زندگی کی آخری نماز ہو (۳) اور ایسی بات سے بچو جس سے بعد میں معذرت کرنی پڑے۔

الغرض اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول بننا ہے تو دنیا کی محبت، لالچ اور حرص سے دل کو صاف کرنا ہوگا، اِس کے بغیر قبولیت کی تمنا بھی فضول ہے۔

سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زاہدانہ زندگی

خلیفہ اول، جانشین سید الکونینؐ، سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہونے کے باوجود کمالِ زہد کے ساتھ زندگی گذاری، سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنی صاحب زادی سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: ''دیکھو ہماری اُونٹنی جس کا ہم دودھ پیتے تھے اور

ہمارا ٹب جس میں ہم کپڑے دھوتے تھے اور ہماری چادر جسے ہم پہنتے تھے، جب تک ہم مسلمانوں کی ولایت پر فائز تھے، ہمیں اُن سے نفع اُٹھانے کا حق تھا؛ لہٰذا جب میری وفات ہوجائے تو یہ سب چیزیں سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کردینا''؛ چناں چہ وفات کے بعد سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ چیزیں سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوادیں۔ یہ دیکھ کر سیدنا حضرت عمرؓ بول اُٹھے ''ابوبکر! تم پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں، تم نے بعد میں آنے والوں کو تھکا دیا''۔ (یعنی ایسا نمونہ پیش کیا کہ اُس پر عمل آسان نہیں) (الصواعق المحرقہ لابن حجر المکی ص:۱۳۱)

سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا زہد

اَمیر المؤمنین خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا زہد ضرب المثل ہے۔ آصف بن قیس کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھے تھے کہ وہاں سے ایک باندی گذری، تو لوگوں نے کہا کہ یہ اَمیر المؤمنین کی باندی ہے، یہ سن کر سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہ تو یہ اَمیر المؤمنین کی باندی ہے اور نہ اُن کے لئے حلال ہے؛ بلکہ یہ اللہ کا مال ہے (یعنی سرکاری بیت المال کی ملکیت ہے) تو ہم نے کہا کہ اَمیر المؤمنین کے لئے اِس میں کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ''سال میں دو جوڑے کپڑے، ایک سردی کا اور ایک گرمی کا، اور حج وعمرہ کا خرچ اور گھر والوں کے کھانے کا خرچ، میں تو بس ایک قبیلۂ قریش کا فرد ہوں نہ اُن میں مال دار ہوں اور نہ فقیر ہوں؛ بلکہ میں عام مسلمان ہی تو ہوں''۔ (الصواعق المحرقہ ص:۱۵۷)

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ وسعت نہ ہونے کی وجہ سے چمڑے کے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن لیتے اور دنیوی زیب وزینت سے ہر ممکن احتراز کرتے تھے۔

اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حالت

ایک دن سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار بن حمزہؓ سے کہا کہ میرے سامنے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صفات بیان کرو، تو ضرار بن حمزہ نے معذرت کی؛ مگر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسم دلا کر اُن سے اصرار کیا، تو اُنہوں نے اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ

وجہہ کی صفاتِ عالیہ کا نقشہ کچھ اِس طرح کھینچا:

''اللہ کی قسم وہ بڑے بہادر اور طاقت ور تھے، فیصلہ کن بات کہتے اور منصفانہ فیصلے کرتے تھے، علم اُن کے اَطراف وجوانب سے پھوٹا پڑتا تھا اور اُن کی زبان حکمت ریز تھی، وہ دنیا اور اُس کی زیبائش سے متنفر اور رات اور اُس کی وحشت سے مانوس تھے، وہ بہت زیادہ آنسو گرانے والے اور طویل فکر میں مستغرق رہتے تھے، معمولی لباس اور موٹا جھوٹا کھانا اُنہیں مرغوب تھا، وہ ہمارے درمیان ہماری ہی طرح گھل مل کر رہتے تھے، ہم کوئی بات پوچھتے تو اُس کا جواب دیتے تھے اور اگر ہم اُنہیں دعوت دیتے تو اُسے قبول کرتے۔ اور قسم بخدا اِس بے تکلفی کے باوجود اُن کے رعب کی وجہ سے ہمیں اُن سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، وہ دین داروں کے قدر داں تھے اور مسکینوں کو اپنے قریب کرنے والے تھے، کوئی طاقتور شخص اُن سے غلط بات منوانے کی ہمت نہ رکھتا تھا اور کوئی کمزور شخص اُن کے عدل وانصاف سے مایوس نہ تھا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اُنہیں ایک رات میں اپنی داڑھی پکڑے ہوئے تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: ''اے دنیا! میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دینا، کیا تو میری طرف آنا چاہتی ہے؟ تو مجھ سے دور ہو جا، دفع ہو جا، میں نے تجھے تین مرتبہ طلاق دے کر بائنہ کر دیا ہے، اَب رجعت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، تیری عمر بہت کم ہے اور تیری عظمت معمولی ہے، افسوس توشہ کم ہے اور سفر لمبا ہے، اور راستہ پُر خطر ہے''۔

یہ سن کر سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بے اختیار رو پڑے اور فرمایا: اللہ ابوالحسن ﷺ (حضرت علیؓ کی کنیت) پر رحم فرمائیں وہ واقعی ایسے ہی تھے! (الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اہل البدع والزندقۃ ۲۰۲-۲۰۳)

سیدنا حضرت سلمان فارسی ﷺ کا حال

سیدنا حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت سلمان ﷺ بیمار ہوئے، تو سیدنا حضرت سعد ﷺ اُن سے ملنے تشریف لے گئے، تو دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں، تو سیدنا حضرت

سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آخر رونے کی کیا وجہ ہے؟ کیا آپ کو پیغمبر علیہ السلام کی صحبت کا شرف نہیں ملا ہے؟ اور فلاں فلاں سعادت حاصل نہیں ہوئی؟ تو سیدنا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''نہ تو میں دنیا کی محبت میں رو رہا ہوں اور نہ آخرت ناپسند ہونے کی وجہ سے رو رہا ہوں؛ لیکن بات یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم سے ایک عہد لیا تھا، میں سمجھتا ہوں کہ اُس کے پورا کرنے میں ہم سے کوتاہی ہوئی، سیدنا حضرت سعدؓ نے پوچھا کہ آپ سے کیا عہد لیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہمارے پاس بس اتنا توشہ ہو جو مسافر کے پاس ہوتا ہے (یعنی بس بقدر ضرورت مال ہو) لیکن میں اُس وعدہ پر برقرار نہیں رہا اور تم اے سعد! فیصلہ کرتے وقت، مال تقسیم کرتے وقت اور کسی بھی اِقدام کا منصوبہ بناتے وقت اللہ سے ڈرتے رہنا''۔ حضرت ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا ترکہ بیس درہم سے کچھ اُوپر تھا اور کچھ تھوڑا بہت کھانے پینے کا سامان تھا۔ (الترغیب والترہیب عن ابن ماجہ ۴/۷۹)

مذکورہ اَساطین اُمت کی قابل تقلید زندگیاں اِس قابل ہیں کہ ہم اُنہیں پیش نظر رکھیں اور دنیا کی زیب وزینت کو مقصود نہ بنائیں جو بلا تگ ودو کے مل جائے اُس پر شکر کریں اور اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھیں؛ لیکن جو نہ ملے اُس کے حصول کے لئے اپنے دینی منصب کو داغ دار نہ کریں۔

علم کا ضیاع کیسے؟

بالخصوص جب کوئی عالم دین دنیا کے پیچھے پڑ جاتا ہے تو اُس کا علم ضائع ہو جاتا ہے اور اُسے علم کی برکتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں سیدنا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی ملاقات سیدنا حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو سیدنا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا کہ: ''علم والے لوگ کون ہیں؟'' سیدنا حضرت کعب نے جواب دیا کہ ''علم والے لوگ وہ ہیں جو اپنے علم کے مطابق عمل کرنے والے ہوں''، پھر سیدنا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ''جاننے اور پہچاننے کے باوجود کیا بات علماء کو

اُن کے علم سے محروم کردیتی ہے؟'' سیدنا حضرت کعب نے جواب دیا کہ: ''لالچ، حرص اور لوگوں سے اپنی ضرورتیں وابستہ کرنے سے علم رخصت ہوجاتا ہے''۔ یہ سن کر سیدنا حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اُن کی تصدیق فرمائی۔ (کتاب القناعۃ والتعفف لابن ابن الدنیا ص: ۷۵)

تجربہ اور مشاہدہ سے بھی مذکورہ بات کی تائید ہوتی ہے، جو عالم بھی لالچ میں پڑے گا وہ کبھی بھی باعزت نہیں رہ سکتا اور نہ ہی آزادی کے ساتھ دینی خدمات بجالاسکتا ہے۔ لالچ سے دل میں ایسی وحشت پیدا ہوتی ہے کہ عبادت کی چاشنی جاتی رہتی ہے، حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ ''تمہارے دل میں جتنی دنیا کی محبت ہوگی اُسی کے بقدر آخرت کے اَعمال کی حلاوت دل سے نکل جائے گی''۔ (ذم الدنیا ص: ۴۷)

استغناء میں عافیت ہے

اِس کے برخلاف جب دل میں استغناء ہو تو ہر طرح کی راحت ہی راحت ہے۔ سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''دنیا سے بے رغبتی میں دل اور بدن دونوں کی راحت ہے''۔ (ذم الدنیا ص: ۸)

اور حضرت ابوعمران الجونیؒ فرماتے ہیں کہ: ''مؤمن کی زینت اس کا فضول باتوں سے خاموش رہنا ہے اور اس کی عزت لوگوں سے مستغنی رہنے میں ہے''۔ (کتاب القناعۃ ص: ۴۸)

آپ تاریخ اُٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ جن حضرات علماء اور اکابر ومشائخ کا نام آج عظمت ومحبت سے لیا جاتا ہے اُن کی زندگی میں استغناء کا عنصر نمایاں تھا۔ اِسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اُنہیں پوری جرأت وعزیمت کے ساتھ دعوتی اور اِصلاحی خدمات کی توفیق عطا فرمائی اور کوئی بڑے سے بڑا شخص بھی اُنہیں اپنی جاہ ودولت کے ذریعہ مرعوب نہ کرسکا؛ بلکہ اُن کے سامنے بڑے بڑے سلاطین واُمراء کی گردنیں جھک گئیں اور علم کی عظمت دنیا کے سامنے عیاں ہوگئی۔

حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کا بے مثال استغناء

ہمارے اکابر دیوبند کے سرخیل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ

العزیز کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ چھتہ مسجد دیوبند میں اپنے کمرہ کے سامنے چھپر میں حجامت بنوا رہے تھے کہ شیخ عبدالکریم صاحب رئیس لال کرتی میرٹھ آپ سے ملنے کے لئے خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے اُن کو دور سے آتا دیکھا، جب وہ قریب آئے تو ایک تغافل کے ساتھ رخ دوسری طرف پھیر لیا گویا کہ دیکھا ہی نہیں ہے، وہ آکر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے، اُن کے ہاتھ میں رومال میں بندھے ہوئے بہت سے روپئے تھے، جب اُنہیں کھڑے ہوئے بہت عرصہ ہوگیا، تو حضرت مولانا نے اُن رئیس صاحب کی طرف رخ کر کے فرمایا: آہا شیخ صاحب ہیں، مزاج اچھا ہے، اُنہوں نے سلام عرض کیا اور قدم چوم لئے اور وہ روپیہ بندھا ہوا قدموں پر ڈال دیا، حضرت نے اُنہیں قدموں سے الگ کر دیا، تو اُنہوں نے ہاتھ باندھ کر بہ منت قبول فرمانے کی درخواست کی، بالآخر بہت انکار کے بعد اُنہوں نے تمام روپیہ حضرت کی جوتیوں میں ڈال دیا، جب حضرت اُٹھے تو نہایت استغناء کے ساتھ جوتے جھاڑے اور روپیہ سب زمین پر گر گیا۔ حضرت نے جوتے پہن لئے اور حافظ انوار الحق سے ہنس کر فرمایا کہ حافظ صاحب! ''ہم بھی دنیا کماتے ہیں، فرق یہ ہے کہ ہم دنیا کو ٹھکراتے ہیں اور وہ قدموں میں پڑتی ہے اور دنیادار اُس کے قدموں میں گرتے ہیں اور وہ اُنہیں ٹھکراتی ہے'' اور یہ فرما کر وہ روپیہ وہیں تقسیم فرما دیا۔ (اَرواحِ ثلاثہ ص:۲۸۲)

حضرت نانوتوی قدس سرہٗ العزیز دنیاداروں سے ہمیشہ خودداری اور استغناء کے ساتھ پیش آتے رہے۔ ایک مرتبہ ریاستِ رام پور تشریف لے گئے، نواب رام پور نے اپنے وزراء کے ذریعہ آپ کو اپنے دربار میں بلانے کی درخواست کی، حضرت نے اَولاً تو اَعذار کئے، جب زیادہ اِصرار ہوا تو صاف کہہ دیا کہ: ''نواب صاحب ہی تو میری ملاقات کے مشتاق ہیں، میں تو اُن کی زیارت کا مشتاق نہیں ہوں، اگر اُن کو اشتیاق ہے تو خود مجھ سے مل لیں، اُن کے پیروں میں مہندی تو نہیں لگی ہے''، پھر بغیر ملے وہاں سے چل دیئے۔ (اَرواحِ ثلاثہ ص:۲۸۲)

حضرت گنگوہیؒ کا زہد واستغناء

اِمام ربانی قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے زہد واستغناء کا اَندازہ اِس سے

لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ افغانستان کے بادشاہ اَمیر حبیب اللہ نے اپنے سفیر کے ذریعہ آپ کی خدمت میں پانچ ہزار روپئے بھیجے اور یہ لکھا کہ ہر سال اتنی ہی رقم پیش کی جاتی رہے گی؛ لیکن حضرت نے کمالِ استغناء کا نمونہ پیش فرماتے ہوئے یہ نذرانہ قبول نہیں کیا اور جواب لکھ دیا کہ: ''میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور حق تعالیٰ نے مجھے بہت دے رکھا ہے، جمع کر کے کیا کروں گا، اِس لئے واپس کرتا ہوں، کسی دوسرے مصرف خیر میں خرچ کر دیا جائے''۔ (بیس بڑے مسلمان ص:۲۱۳)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا عبرت انگیز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ جنہوں نے واقعۃً اپنے دور میں تجدیدی کارنامے انجام دئے ہیں اور جن کا علمی اور روحانی فیض آج پورے عالم میں جاری ہے، ایک مرتبہ آپ کو ڈھاکہ کے مشہور ومعروف نواب سلیم اللہ خاں صاحب نے باصرار ڈھاکہ آنے کی دعوت دی، حضرت نے اُن کے اِصرار پر دعوت کی قبولیت کے لئے چند شرطیں لکھ کر بھیج دیں جن میں سب سے پہلی شرط یہ تھی کہ کسی قسم کا نقد یا غیر نقد ہدیہ نہ دیا جائے۔ اِس سفر میں نواب صاحب نے تمام شرائط کا خیال رکھا۔

اتفاق سے کچھ دنوں کے بعد دوبارہ پھر اُنہی نواب صاحب نے آپ کو دیگر علماء دیوبند کے ساتھ ڈھاکہ آنے کی دعوت دی، اُن حضرات کو کلکتہ ہوکر ڈھاکہ جانا تھا، کلکتہ میں اُن کے قیام وطعام کے انتظام کے لئے نواب صاحب نے اپنے ایک دوست کو متعین کر دیا۔ جب حضرت تھانوی قدس سرہٗ کلکتہ پہنچے تو نواب صاحب کے دوست نے شایانِ شان انتظام کیا اور بہت مسرت کا اظہار کیا اور دورانِ گفتگو اُن رئیس صاحب نے یہ اِصرار کیا کہ حضرت ہدیہ نہ قبول کرنے کی شرط واپس لے لیں، حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ: ''یہ کیا ضروری ہے کہ محبوب کو گھر بلا کر ہی ہدیہ دیا جائے، اگر ایسا ہی شوق ہے تو اُس کے گھر جا کر یا گھر بھیج کر بھی ہدیہ دیا جاسکتا ہے''۔ وہ رئیس صاحب اپنی مال داری کے زعم میں کہنے لگے کہ ''جناب معاف فرمائیے! پیاسا کنویں کے پاس آتا ہے، کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا''۔ حضرت تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ اُس رئیس کی اِس بات پر نہایت کبیدہ خاطر ہوئے اور عالمانہ استغناء کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ: ''آپ کا خیال یہ ہے کہ آپ حضرات کنواں ہیں اور ہم پیاسے! اور ہمارے دماغ میں یہ سمایا ہوا ہے کہ ہم کنواں ہیں اور آپ پیاسے! اور اُس کی ہمارے پاس دلیل بھی ہے کہ ضرورت کی دو چیزیں ہیں: دین اور دنیا۔ اُن میں سے ہماری حاجت کی ایک چیز تو آپ کے پاس ہے بھی یعنی دنیا، تو وہ اللہ تعالیٰ نے بقدر ضرورت ہمیں بھی دے رکھی ہے؛ لیکن آپ کی حاجت کی جو چیز ہمارے پاس ہے یعنی دین، وہ آپ کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں۔ اِس لئے آپ ہمارے محتاج ہوئے یا ہم آپ کے؟ آپ پیاسے ہوئے اور ہم کنواں ہوئے، یا ہم پیاسے اور آپ کنواں ہوئے؟'' اور یہ فرما کر کلکتہ ہی سے خود اپنے کرایہ سے واپس تھانہ بھون تشریف لے آئے اور ڈھاکہ نہیں گئے، اور نواب صاحب اِصرار کرتے رہ گئے۔ (بیس بڑے مسلمان ص:۳۴۴-۳۴۵)

آپ ہی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ نوابِ رام پور کی دعوت پر قادیانیوں سے مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے، واپسی کے وقت نواب صاحب نے حضرت کو کرایہ سے کچھ زیادہ رقم دینی چاہی تو آپ نے یہ کہہ کر رقم واپس کردی کہ ''ریاست کو بیت المال سے زائد اَز ضرورت صرف کرنے کا شرعاً اختیار حاصل نہیں ہے''۔ (بیس بڑے مسلمان ص:۳۴۶)

الغرض آپ نے ہمیشہ اُمراء اور نوابوں کے مقابلے میں شانِ استغناء کا مظاہرہ کیا، اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے کبر ونخوت کے گس بَل نکال ڈالے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے سامنے بڑے سے بڑے لکھ پتی لوگ بھی اپنی ذلت محسوس کیا کرتے تھے اور علماء کی وقعت اور اہمیت کھل کر اُن کے سامنے آجاتی تھی اور اِس حدیث کا صحیح منظر نظر آتا تھا کہ: ''جو شخص اپنی فکر آخرت کی کامیابی کو بنالے تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل کو مستغنی فرمادیتے ہیں اور اُس کے بکھرے ہوئے کاموں کو سمیٹ دیتے ہیں اور دنیا اُس کے قدموں میں ذلیل ہوکر آتی ہے''۔ (ترمذی شریف/ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع حدیث:۲۴۶۵)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا قابلِ تقلید معمول

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ جب بھی کہیں وعظ وتقریر یا قومی وملی اِجتماعات میں شرکت کے لئے اَسفار میں تشریف لے جاتے تو کرایہ سے زائد رقم ہرگز وصول نہ فرماتے اور اگر کبھی دی بھی جاتی تو دیوبند واپس تشریف لاکر حساب کرکے مابقیہ رقم منی آرڈر کے ذریعہ واپس فرمادیتے۔ حضرت کے خلیفۂ اَجل حاجی محمد ایوب صاحب بھاگل پوری رحمۃ اللہ علیہ نے خود راقم الحروف کو لکھا کہ: میں نے بارہا حضرت مدنی قدس سرہٗ کو دیکھا کہ وہ جہاں بھی جلسوں میں تشریف لے جاتے تو کرایہ سے زائد رقم واپس کردیتے۔

نیز حضرت قدس سرہٗ کا معمول یہ بھی رہا کہ کبھی کسی بڑے سے بڑے مال دار سے مرعوب نہیں ہوئے، جب بھی کوئی غلط بات دیکھتے تو کسی کی رو رعایت کئے بغیر کھل کر نکیر فرماتے، خاص طور پر داڑھی منڈانے پر نہایت شدت سے نکیر فرماتے اور اِس میں کسی کے مال ودولت یا منصب کا قطعاً خیال نہ فرماتے۔

آپ کے اِس طرزِ عمل کا اَثر یہ تھا کہ بڑے بڑے سرمایہ دار آپ کی مجلس میں دست بستہ کھڑے نظر آتے تھے اور یہ تمنا کرتے کہ کاش حضرت اُن پر کرم فرماتے ہوئے اُن کے کسی ہدیہ کو شرفِ قبولیت بخش دیں اور حضرت کی مجلس میں آکر اُن مال داروں کو اپنی دولت وثروت حقیر معلوم ہونے لگتی۔

شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ کا معمول

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے دور کے زبردست مفسر، مجاہد اور مصلح تھے اور جن کا فیض آج بھی پاکستان میں جگہ جگہ محسوس ہوتا ہے، آپ کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ جب بھی کہیں تبلیغی دورہ پر تشریف لے جاتے تو اپنا کرایہ خرچ کرکے جاتے، دوسروں سے کرایہ نہیں لیتے تھے اور پہلے ہی دعوت دینے والے سے یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ نے توفیق دی کرایہ ہوا تو آؤں گا ورنہ نہیں آؤں گا۔

ایک مرتبہ نواب محمد حیات خاں صاحب قریشی جو اپنے علاقہ کے بڑے رئیس تھے، اُنہوں نے اپنے علاقہ میں آنے کی دعوت دی اور دینی ضرورت کا اظہار کیا، حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں جانے کو تیار ہوں؛ لیکن شرط یہ ہے کہ مجھ کو آمد ورفت کے کرایہ اور کھانے پر مجبور نہ کیا جائے۔ چناں چہ آپ نواب صاحب کے علاقہ میں اِس شان سے تشریف لے گئے کہ چمڑے کے مصلے میں بھنے ہوئے چنے باندھ لئے اور ایک لوٹا ساتھ رکھ لیا اور جتنے دن بھی وہاں قیام فرمایا، دن بھر وعظ وتقریر کرتے اور رات میں چنے چبا کر پانی پی لیتے۔ ایک دن بھی نواب صاحب کے یہاں کھانا نہیں کھایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ دنیا دار کے غرور کو کاٹنے کے لئے میں نے استغناء سے تیز دھار دار آلہ نہیں دیکھا۔ نیز آپ فرماتے تھے کہ ''اگر میں دنیا داروں سے تحفہ وتحائف لیتا اور مرغ پلاؤ کھاتا، تو شیطان اُن کو سکھاتا کہ حضرت صاحب خاطر مدارات کروا گئے اور کرایہ کے نام سے پیسے بھی لے گئے اور ہمیں وعظ بھی سنا گئے'' عوض معاوضہ گلہ نہ دارد''۔ اِس طرح سے میرے سارے اَوقات رائیگاں جاتے اور نہ اُن کی آخرت سنورتی اور نہ میں ہی عنداللہ ماجور ہوتا''۔ (بیس بڑے مسلمان ص:۶۸۲)

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے کہ اللہ والوں کی صحبت میں استغناء عن الخلق اور احتیاج اللہ کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔

حضرت شاہ عطاء اللہ بخاریؒ کا طرزِ عمل

خطیب الہند مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ جن کی خطابت آج بھی برصغیر میں ضرب المثل اور زبان زد خاص وعام ہے، آپ کی شانِ استغناء یہ تھی کہ جلسوں کے موقع پر منتظمین جو بھی مصارفِ سفر پیش کرتے آپ کبھی اُن کو گنتے نہ تھے اور کمی بیشی کا آپ کو کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دولت اِنسان کی خدمت کے لئے ہے، مخدوم بننے کے لئے نہیں، مال جمع کرنے اور گننے میں لذت محسوس کرنا اہل جہنم کا نشان ہے۔ (بیس بڑے مسلمان ص:۸۶۶)

حضرت شیخ الحدیثؒ کا استغناء

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے بھی پوری

زندگی زہد واستغناء کے ساتھ گذاری ہے، سہارن پور کے زمانۂ قیام میں کئی مرتبہ آپ کو حیدر آباد اور ڈھاکہ وغیرہ سے بڑی بڑی تنخواہوں پر بلایا گیا؛ لیکن آپ نے صاف لکھ دیا، ''مجھ کو جینا ہی نہیں بندۂ احساں بن کر''۔

روپئے پیسے کی حیثیت آپ کی نظر میں ٹھیکروں کے برابر بھی نہیں تھی، دکھاوے اور بناوٹ کا زندگی میں نام ونشان تک نہ تھا۔ اِس سادگی اور استغناء کے باوجود مقبولیت اور محبوبیت کا عالم یہ تھا کہ بڑے بڑے اہلِ ثروت آپ کی قدم بوسی کے لئے خادموں کی طرح آگے پیچھے رہتے تھے۔

حضرت فقیہ الامتؒ کا مثالی زہد

یہی حال آپ کے خلیفۂ اجل اور جانشین فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا رہا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کو کان پور کے زمانۂ قیام کے دوران صرف ستر روپئے تنخواہ ملتی تھی، جن میں سے ساٹھ روپئے گھر بھیجتے تھے اور صرف دس روپئے میں اپنا مہینہ بھر کا خرچ چلاتے تھے، یہ حال اُس وقت تھا جب کہ آپ کا کان پور کے ہر طبقہ میں اعزاز واحترام کیا جاتا تھا اور بڑے بڑے سرمایہ دار آپ سے متأثر تھے؛ لیکن آپ نے اِن سب تعلقات کے باوجود اپنی صفتِ استغناء پر کبھی حرف نہ آنے دیا، آخری وقت تک آپ کے زہد واستغناء کا یہی حال رہا، آپ کے ترکہ میں شاید چند کتابوں کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر سامان یا جائیداد وغیرہ کچھ بھی نہیں تھا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب کا واقعہ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اَفریقہ تشریف لے گئے، وہاں لوگوں نے مختلف ہدیے تحفے لانے شروع کئے اور دار العلوم کے چندے کی بھی پیش کش کی؛ لیکن آپ نے یہ عام اعلان فرمادیا کہ میں یہاں دین کی کچھ باتیں سنانے

کے لئے آیا ہوں، سب حضرات اُس کے سننے کی طرف متوجہ ہوں، کوئی صاحب نہ مجھے ذاتی طور پر کوئی ہدیہ پیش کریں اور نہ دارالعلوم کے لئے یہاں چندہ دیں، جو صاحب دارالعلوم کی اعانت کرنا چاہتے ہیں وہ براہ راست اپنی رقم دارالعلوم کراچی کے پتے پر اِرسال فرمادیں؛ چناں چہ تقریباً دو ماہ کے اِس سفر میں آپ نے اِن باتوں پر سختی کے ساتھ عمل فرمایا اور چند انتہائی بے تکلف حضرات کے سوا جن سے آپ کے دیرینہ مراسم تھے، نہ کسی سے کوئی ہدیہ قبول کیا اور نہ دارالعلوم کے لئے چندہ وصول فرمایا۔

اِس اخلاص اور للّٰہیت کا ثمرہ یہ تھا کہ دو ماہ کے اِس دورے نے نہ جانے کتنے اِنسانوں کی زندگی میں انقلاب برپا کردیا، بے نمازی لوگ نمازی بن گئے، بعض عادی قسم کے لوگوں نے اُم الخبائث (شراب) سے توبہ کرلی، نوجوانوں نے دین سیکھنا شروع کردیا اور وہاں کے حضرات اَب تک اِس دورے کی حسین یادیں بھول نہیں پائے۔ (میرے والد میرے شیخ ص:۱۶۶)

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کا مثالی زہد

قریبی زمانہ کے بزرگوں میں حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نوراللہ مرقدہٗ کا زہد واستغناء زبان زد خاص وعام ہے، آپ نے اِس دور میں ایسی زاہدانہ زندگی گذاری کہ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم نظروں میں پھر گیا، دنیا کے دل دادہ لوگوں کی نگاہیں آپ کے زہد کو دیکھ کر خیرہ ہوگئیں، بلا شبہ آپ اِس مادیت پرست دور میں سلفِ صالحین کی روایات کے امین تھے، جس کا ظاہری ثمرہ دنیا نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحبؒ کے لئے سارے عالم میں قبولیت اُتار دی اور ایک خلقِ خدا آپ کے دامنِ فیض سے وابستہ ہوکر راہِ ہدایت پر گامزن ہوگئی (آپ کی زندگی کی کچھ جھلکیاں اِسی رسالہ کے اخیر میں ضمیمہ میں ملاحظہ فرمائیں)

حضرت مولانا علی میاںؒ کا زہد

اِسی دور میں ایک ایسی شخصیت کا کردار بھی سامنے آیا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیوی

ترقی کے تمام ذرائع پوری طرح کھول دئے تھے؛ مگر اُس شخصیت نے اپنے علمی وقار کے آگے دنیا کی چمک دمک کو نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا، یہ ذات تھی مفکر اسلام حضرت اَقدس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہٗ کی؛ جو اپنے وقت میں عالم اسلام کے مقبول ترین علماء میں تھے، بالخصوص عالم عرب کے بڑے بڑے اُمراء اور حکمراں آپ کے معتقد تھے، اگر آپ چاہتے تو اپنے اور اپنے اہل خاندان کے لئے مال ودولت کے ڈھیر لگا لیتے؛ مگر آپ نے اَسلاف کی یاد تازہ کرتے ہوئے پوری بے نیازی اور استغناء کے ساتھ حیات طیبہ گذاری، آپ کو کئی بار لاکھوں روپئے پر مشتمل ایوارڈ سے نوازا گیا؛ مگر آپ نے یہ خطیر رقومات اپنی ذات کے بجائے علمی اور دینی اِداروں اور مستحقین پر خرچ فرمادی، اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو منور فرمائیں، آمین۔

الغرض دنیا اور اہل دنیا کے ساتھ اِس طرز عمل نے ہمارے بڑوں کو وہ اوج ثریا عطا کیا ہے، جس کی سربلندی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور اُن کی خدمات میں وہ برکتیں ظاہر ہوئی ہیں جن کا پھل ہم برابر سمیٹ رہے ہیں۔ مگر اَفسوس ہے کہ آج ہمارا طرز عمل اپنے اَسلاف کے طرز عمل سے ہٹتا جارہا ہے، آج محض ذاتی فائدہ کے لئے دنیاداروں کی خوشامد کا رجحان روز اَفزوں ہے، اَب صرف مال ودولت ہی کو ہم عزت وسربلندی کا ذریعہ سمجھنے لگے ہیں اور اِس مقصد کے لئے ہم نے اپنے علمی اور دینی منصب تک کو داؤ پر لگا دیا ہے، اہلِ دنیا سے خوش خلقی اور اُن کے ساتھ حسن اَخلاق کا برتاؤ ممنوع نہیں؛ لیکن خطرہ کی چیز اُن کے ساتھ اِس طرح اپنے ذاتی اَغراض وابستہ کرنا ہے جس سے وہ ہمیں اپنا محتاج سمجھنے لگیں، جو شخص مال داروں سے اِس انداز کا تعلق رکھے گا وہ کبھی بھی آزادانہ طور پر اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ عنداللہ مقبولیت حاصل کرسکتا ہے؛ اِس لئے کہ قدم قدم پر اس کی ذاتی مصالح آڑے آتی رہیں گی اور وہ مجبور ہوکر اپنی ذمہ داری سے پہلوتہی کرتا رہے گا۔ اِسی بناپر قرآنِ کریم میں جہاں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت وتبلیغ کا ذکر ہے وہاں اکثر اُن کا یہ اعلان بھی نقل کیا جاتا ہے کہ: ”قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ“ یعنی میں تم سے

اپنی محنت پر کسی صلہ کا مطالبہ نہیں کرتا، میری خدمات پر تو رب العالمین اَجر عطا کرے گا، آج بھی ہم تجربہ کر کے دیکھ لیں لوگوں پر اُسی شخص کی بات زیادہ اثر انداز ہوتی ہے جو بے غرض اور بے نیاز ہو کر وعظ وتذکیر کا فرض انجام دے۔

حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ کا ایک قیمتی ملفوظ

اَمیر تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ انسان کو اپنے اندر سورج کی تین صفات پیدا کرنی چاہئے:

(۱) ایک یہ کہ وہ مسلسل حرکت میں رہتا ہے، اُس میں کبھی اضمحلال نہیں آتا ہے، اِسی طرح ہمیں بھی اپنی دینی محنت برابر جاری رکھنی چاہئے۔

(۲) دوسرے یہ کہ سورج پورے عالم کو بلا کسی امتیاز کے روشنی پہنچاتا ہے، اِسی طرح ہمارے اِیمان کی روشنی بھی عالم گیر ہونی چاہئے۔

(۳) تیسرے یہ کہ وہ اپنی روشنی اور حرارت پر کبھی کسی اُجرت اور معاوضہ کا طلب گار نہیں رہتا ہے، اِسی طرح ہمیں بھی دین کے پہنچانے پر دنیا والوں سے کسی نفع کی اُمید نہ رکھنی چاہئے۔

حاصل یہ کہ علماء کی سربلندی کا راز اسی زہد واستغناء میں مضمر ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ ”عِزُّ الْمُؤمِنِ اسْتِغْنَاءُہٗ عَنِ النَّاسِ“. (شعب الإیمان) یعنی لوگوں سے بے پرواہ ہونے میں اِیمان دار کی عزت ہے۔(مذاق العارفین ۲۳۶/۳)

یہ صفت ہماری پیشانی کا ٹیکہ اور دینی ودنیوی وجاہت وشرافت کی پختہ ضمانت ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ”علماء اگر زہد اختیار کریں تو بڑے بڑے جابر لوگوں کی گردنیں اُن کے آگے جھک جائیں؛ لیکن یہ لوگ اپنے علم کو دنیاداروں پر اِس نیت سے خرچ کرتے ہیں؛ تاکہ اُن کو کچھ مل جائے، اِسی وجہ سے لوگوں کی نظروں سے گر گئے“۔

(تاریخ مشائخ چشت ص:۱۴۲)

مال ودولت کی عزت عارضی ہے

اِس کے برخلاف دنیا کا یہ مال ودولت ہمارے لئے عزت کی چیز نہیں؛ بل کہ یہ سخت آزمائش ہے، جس میں خال خال ہی اَفراد کھرے اُترتے ہیں۔ روایت ہے کہ جب کسریٰ کے خزانے سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ لائے گئے تو سیدنا حضرت عبداللہ ابن ارقم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ مال بیت المال میں تقسیم کے لئے رکھ دیں، تو سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''اللہ کی قسم! میں اسے کسی چھت کے نیچے نہیں رکھوں گا؛ تا آں کہ اُسے تقسیم نہ کردوں''؛ چناں چہ وہ خزانے مسجد نبوی کے صحن میں رکھ دئے گئے اور رات بھر لوگ اُس کی حفاظت کرتے رہے، صبح کو جب اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ خزانے کھولے تو اُن میں سونے اور چاندی کے سکوں پر نظر پڑی، تو آپ رونے لگے، یہ دیکھ کر سیدنا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اَمیر المؤمنین! آپ کیوں روتے ہیں؟ آج تو شکر خداوندی اور فرحت وشادمانی کا دن ہے، تو سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''بات یہ ہے کہ یہ مال ودولت جب بھی کسی قوم کو دئے گئے ہیں تو اُن میں آپس میں بغض وعداوت ڈال دی گئی ہے''۔ (اِس خطرہ سے مجھے رونا آرہا ہے) (کتاب الزہد ص:۶۶۵)

غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ خزانے جنہیں دیکھ کر سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنی آنکھوں پر قابو نہ رکھ سکے تھے، آج وہی ہمارے لئے سب سے پسندیدہ بن گئے ہیں، جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ ہمارے قلوب بدل گئے اور دینی محنتوں کی برکتیں جاتی رہیں۔

❍❖❍

۶

سخاوت اور مہمان نوازی

دنیا سے بے رغبتی اور استغناء کا اَثر سخاوت کی شکل میں بھی ظاہر ہوتا ہے، جو شخص جتنا زیادہ دنیا سے بے رغبت ہوگا، اُتنا ہی خوش دلی سے جود وسخا کرنے والا ہوگا، یہ صفت شرافت کی سب سے مقبول ترین صفت ہے۔ اَحادیثِ طیبہ میں بھی اِس کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

○ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''سخی شخص اللہ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے اور جہنم سے دور ہے۔ اور اِس کے برخلاف بخیل شخص اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے''۔ ''اور بے علم سخی اللہ کے نزدیک بخیل عبادت گذار سے زیادہ پسندیدہ ہے''۔ (رواہ الترمذی رقم:۱۹۶۱، الترغیب والترہیب مکمل ص:۵۵۸ رقم:۳۹۶۷)

○ نیز اِرشادِ نبوی ہے: ''سخاوت اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین صفت ہے''۔ (الترغیب والترہیب مکمل ص:۵۵۹ رقم:۳۹۷۲)

○ نیز فرمایا: ''سخی گھرانے کی طرف رزق خداوندی اتنی تیزی سے متوجہ ہوتا ہے، جتنے میں چھری اُونٹ کے کوہان کاٹنے میں کارگر نہیں ہوتی''۔ (الترغیب والترہیب مکمل ص:۵۵۹ رقم:۳۹۷۸)

اِس کے مقابلہ میں بخل اور کنجوسی اِنسان کو ذلت کے گڑھے میں ڈال دیتی ہے اور اس کی

وجہ سے اُس کی بڑی بڑی خوشنما صفات پر پردہ پڑ جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہے کہ ''دو خصلتیں ایسی ہیں جو کبھی سچے ایمان دار میں جمع نہیں ہوتیں: (۱) بخل (۲) بدخلقی''۔ (رواہ الترمذی رقم:۶۲، الترغیب والترہیب ص: ۵۵۸ رقم:۳۹۶۶)

○ ایک حدیث میں ہے کہ: ''کنجوسی سے زیادہ اِسلام کو مٹانے والی صفت اور کوئی نہیں ہے''۔ (الترغیب والترہیب ۳/۲۵۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کی صفت سخاوت سے متصف تھے۔ سیدنا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی کسی نے سوال کیا تو آپؐ نے سائل کو منع نہیں فرمایا''۔ (شمائل ترمذی شریف ص:۲۴)

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سخاوت کا سب سے زیادہ مظاہرہ رمضان المبارک میں ہوتا تھا، جب آپ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ قرآنِ کریم کا دور فرماتے تھے، تو آپ کی سخاوت کا ایسا زور ہوتا تھا؛ گویا کہ بارانِ رحمت کی ہوائیں چل رہی ہیں''۔ (شمائل ترمذی شریف ص:۲۴)

ایک صحابیہ حضرت رُبیّع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''میں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تازہ کھجوروں کا ایک گُچھا اور چند چھوٹے چھوٹے کھیرے لے کر گئی، تو آپ نے اُس کے بدلہ میں مجھے مٹھی بھر کر زیور اور سونا عطا فرمایا''۔ (شمائل ترمذی شریف ص:۲۴)

سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اُس نے کچھ سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِس

وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے، تم میری طرف سے کسی سے قرض لے لو جب میرے پاس ہوگا تو اَدا کردوں گا، اِس پر سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی وسعت سے زیادہ کا مکلّف تو نہیں بنایا ہے''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا ناگوار گذرا، یہ دیکھ کر ایک انصاری صحابیؓ نے فرمایا کہ ''اے اللہ کے رسول! آپؐ بے فکر ہو کر خرچ کیا کریں اور عرش کی مالک ذات یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کمی کا خوف نہ کریں''۔

انصاری صحابیؓ کی یہ بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اَنور پر تبسم پھیل گیا اور روئے اَنور سے بشاشت نمایاں ہوگئی اور فرمانے لگے کہ ''مجھے اِسی بات کا حکم ہوا ہے''۔

(شمائل ترمذی شریف ص:۲۴)

دراصل یہ سخاوت توکل کی علامت ہے، جس شخص کے دل میں جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ پر توکل ہوگا، اتنا ہی وہ سخاوت کی صفت سے متصف ہوگا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سخاوت

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں سخاوت کا عنصر بہت نمایاں تھا، اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، حاجت مندوں کی حاجت روائی کرنا، اِسی طرح مہمانوں کی ضیافت کا جذبہ اُن کی طبیعت میں رچا اور بسا ہوا تھا، اِن صفات میں ہر فرد ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا، جس کے پاس جو کچھ ہوتا وہ سائل کو محروم نہ کرتا، غربت کا زمانہ ہو یا مال داری کا، تنگی ہو یا وسعت، ہر حال میں اُن کے جود وسخا کے تسلسل میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آتی تھی، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات اِس قسم کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں، جن کو بیان کرنے کے لئے مستقل کتاب چاہئے۔ (اس سلسلہ کے متعدد واقعات احقر کی تالیف: ''اللہ سے شرم کیجئے'' صفحہ ۱۷۰ تا ۱۸۶ میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں)

سیدنا حضرت زین العابدینؒ کی جود وسخا

خانوادۂ نبوت کے چشم وچراغ سیدنا حضرت زین العابدینؒ کا جب وصال ہوا، تو آپ کو غسل دینے والوں نے آپ کی پیٹھ پر کالے کالے نشانات دیکھے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اُن آٹے کی بوریوں کے نشانات ہیں، جنہیں آپ رات میں اپنی پیٹھ پر اُٹھا کر لے جاتے اور مدینہ منورہ کے فقراء اور محتاجوں کو تقسیم کر کے آتے تھے۔ (العلم والعلماء ص:۲۷۲)

آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ خود اپنے آپ کو بخیل سمجھتے تھے؛ لیکن جب آپ کا وصال ہوا تو معلوم ہوا کہ مدینہ کے سو غریب گھرانوں کا خرچہ آپ ہی چلاتے تھے۔ محمد ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مدینہ کے کچھ لوگ ایسے تھے کہ اُنہیں پتہ نہ چلتا تھا کہ اُن کی روزی کہاں سے آتی ہے۔ (رات میں چپکے سے کوئی دے جاتا تھا) جب حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ (العلم والعلماء ص:۲۷۵)

حضرت زین العابدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ: ''جس آدمی میں یہ وصف ہو کہ مانگنے والوں کو اپنا مال دیا کرتا ہو وہ سخی نہیں ہے؛ بلکہ سخی وہ ہے کہ جو حقوق اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل طاعت کے لئے لکھ دئے ہیں اُن کو بدونِ طلب پہلے ہی پہنچا دیا کرے اور نفس میں اُس پر شکریہ لینے کی خواہش نہ ہو؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامل ثواب ملنے کا یقین ہو''۔ (مذاق العارفین ۳/۲۷۷)

اِمام اعظم اَبوحنیفہؒ کے چند واقعات

اِمام اعظم حضرت اِمام ابوحنیفہؒ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، دیکھا کہ شرکاءِ مجلس میں ایک شخص کے کپڑے پھٹے پرانے ہیں، تو آپ نے اُسے بیٹھے رہنے کا حکم دیا؛ تا آں کہ دیگر اہل مجلس چلے گئے تو آپ نے اُس شخص سے فرمایا کہ اپنے مصلیٰ کے نیچے جو کچھ ہو اسے لے لو اور اپنی ضروریات میں صرف کر لو، اُس نے جب مصلیٰ اُٹھایا تو اُس میں ایک ہزار درہم نکلے جسے وہ لے کر چلا گیا۔ (العلم والعلماء ص:۳۰۶)

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ قرض کی وجہ سے قید ہو گئے، حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے اُن کا سارا قرضہ جو چار ہزار درہم سے زیادہ تھا اپنی طرف سے اَدا کر کے اُنہیں قید سے رہائی دلائی۔ (العلم والعلماء ص:۳۰۶)

اسماعیل بن حمادؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کے صاحب زادے حضرت حمادؒ اُستاذ کے پاس سورۂ فاتحہ پڑھنے کے لائق ہو گئے، تو اِمام صاحب نے اُن کے اُستاذ کو پانچ سو درہم (اور ایک روایت میں ہے کہ ایک ہزار درہم) بطور ہدیہ اِرسال فرمائے، تو وہ اُستاذ صاحب حیرت میں پڑ گئے اور کہنے لگے کہ میں نے کون سا ایسا کام کیا ہے کہ مجھے اتنا زیادہ انعام دیا گیا؟ اِمام صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ خود اُن اُستاذ صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے اور معذرت کے انداز میں اِرشاد فرمایا کہ ''جناب! آپ نے میرے بچے کو جو سکھایا ہے اسے حقیر نہ سمجھئے، اللہ کی قسم اِس وقت ہمارے پاس اور زیادہ ہوتا تو ہم قرآنِ کریم کی تعظیم میں اُسے بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے''۔ (عقود الجمان ص:۲۳۳)

واقعی یہ ہے سخاوت اور قرآنِ کریم کی عظمت جس نے اِمام صاحبؒ کو مقبولیت کی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا۔

حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کی ایک بڑی خصوصیت جس کی مثال شاذ و نادر ہی ملتی ہے، یہ تھی کہ آپ اپنے ہم عصر علماء و مشائخ پر بے دریغ خرچ فرمایا کرتے تھے اور خود اُن کی ضروریات کا خیال فرماتے تھے، آپ کا یہ معمول تھا کہ مشائخ کے نام پر سامان تجارت بغداد بھیجتے اور وہاں سے ضرورت کا سامان منگواتے اور اُس تجارت میں جو نفع ہوتا وہ اَکابر علماء و مشائخ اور محدثین کے لئے سال بھر جمع کرتے رہتے، پھر اُس رقم سے اُن مشائخ کی ضروریات زندگی؛ کپڑے، غلہ جات وغیرہ خرید کر اُن حضرات کے گھر پہنچاتے اور پھر بھی اگر رقم بچ جاتی تو وہ نقد کی صورت میں اُن کو پیش فرما دیتے اور یہ کہتے کہ اِن سے آپ اپنی روزمرہ کی ضرورتیں پوری فرمائیں اور اللہ کے علاوہ کسی کا شکر اَدا نہ کریں؛ اِس لئے کہ میں اپنے مال میں سے آپ کو کچھ نہیں دیتا، یہ تو

اللہ کا فضل ہے یہ آپ ہی کے سامان کا نفع ہے، اللہ کی قسم یہ تو اللہ تعالیٰ نے بس میرے ذریعہ آپ تک پہنچایا ہے اور کچھ نہیں۔ (عقود الجمان ص:۲۳۳)

مسعر بن کدامؒ سے روایت ہے کہ حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دستور تھا کہ جب بھی اپنے اہل وعیال کے لئے کچھ خریدتے تو اُتنا ہی دیگر علماء عظام کے لئے بھی خرید فرماتے، جب کپڑا بناتے تو پہلے علماء ومشائخ کے لئے انتظام فرماتے؛ حتیٰ کہ اگر پھل فروٹ خریدنے ہوتے تو پہلے مشائخ کے یہاں خرید کر بھجواتے، پھر اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے خریدتے تھے۔ (عقود الجمان ص:۲۳۴)

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ بہت زیادہ خیر خیرات کرنے والے تھے، ایک مرتبہ اُنہوں نے میرے پاس اِس قدر کثیر مقدار میں ہدیہ بھیجا کہ مجھے اُس کی زیادتی سے ناگواری ہوئی، جس کا ذکر میں نے حضرت اِمام صاحبؒ کے بعض شاگردوں سے کیا، تو اُن شاگردوں نے کہا یہ تو کچھ نہیں ہے، اگر آپ وہ ہدیہ دیکھ لیتے جو حضرت اِمام صاحب نے سعید بن عروبہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا ہے (تو اُس کی کثرت کے مقابلہ میں) اپنے ہدیہ پر کچھ تعجب نہ کرتے۔ (عقود الجمان ص:۲۳۴)

اِمام اَبو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ اپنے سب پہچان کے لوگوں پر نہایت خرچ کرنے والے تھے، کبھی آپ کسی کو پچاس دینار دیتے، پھر اگر وہ لوگوں کے سامنے شکریہ اَدا کرتا، تو آپ کو سخت اَفسوس ہوتا اور آپ فرماتے کہ بھائی اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرو، یہ رزق آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ (عقود الجمان ص:۲۳۵)

اِمام اَبو یوسفؒ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''میرے اُستاذ حضرت اِمام ابوحنیفہؒ نے میرے اور میرے گھر والوں کا مکمل خرچ دس سال تک اپنے پاس سے اَدا فرمایا ہے اور میں نے آپ سے زیادہ نیک صفات کا جامع کسی شخص کو نہیں دیکھا''۔ (عقود الجمان ص:۲۳۵)

حسن بن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ ''میں نے اِمام اَعظم اَبوحنیفہؒ سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا،

اُنہوں نے اپنے شاگردوں کی ہر ایک جماعت کا ماہانہ وظیفہ اپنی طرف سے مقرر کر رکھا تھا اور سالانہ تحفہ وتحائف کا معمول اِس کے علاوہ تھا''۔ (عقود الجمان ص: ۲۳۵)

عبداللہ بن بکر سہمیؒ فرماتے ہیں کہ'' ایک مرتبہ مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ میں میرا اُونٹ والے سے کرایہ پر جھگڑا ہوگیا، امام صاحب بھی سفر میں ہمراہ تھے، وہ اُونٹ والا فیصلہ کے لئے مجھے اِمام صاحبؒ کے پاس لے گیا، امام صاحبؒ نے ہم دونوں کے بیانات سنے، پھر پوچھا کہ اصل اختلاف کتنی مقدار میں ہے؟ اُونٹ والے نے کہا کہ چالیس درہم میں، تو اِمام صاحب نے تعجب سے فرمایا کہ لوگوں کی مروّت بالکل ہی جاتی رہی (کہ چالیس درہم پر جھگڑا ہونے لگا) عبداللہ کہتے ہیں کہ اِمام صاحبؒ کی اِس وسعتِ ظرفی پر میں تو شرمندہ ہوگیا اور امام صاحبؒ نے اپنی طرف سے اُونٹ والے کو چالیس درہم اَدا فرمادئے''۔ (عقود الجمان ص: ۲۳۷)

حضرت اِمام صاحبؒ کے اِس طرزِ عمل کو سامنے رکھ کر آج ہمیں اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم ایک ایک روپیہ پر رکشہ والوں سے لڑتے نظر آتے ہیں، ویسے چاہے کتنے روپئے خرچ کرلیں گے؛ لیکن رکشہ والے کو ایک روپیہ زائد دیتے ہوئے نہ جانے کیوں جان نکلتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے چند واقعات

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جن کے مقام مقبولیت کا ذکر بار بار گذشتہ اوراق میں آچکا ہے، اُن کے حالات میں لکھا ہے کہ اپنی آمدنی کا بڑا حصہ وقت کے علماء اور مشائخ پر خرچ فرمایا کرتے تھے، آپ کی سالانہ خیرات کا تخمینہ ایک لاکھ درہم لگایا گیا ہے۔ (کتاب الزہد مقدمہ ص: ۵۰)

ایک مرتبہ ایک شخص جو سات سو درہم کا مقروض تھا، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے پاس آیا اور اپنے قرض کی اَدائیگی میں مدد کی درخواست کی، حضرت نے اُسے ایک تحریر لکھ دی اور کہا کہ فلاں جگہ میرے منشی سے جاکر یہ لکھی ہوئی رقم وصول کرلو، وہ شخص پرچہ لے کر آپ کے منشی کے پاس پہنچا، پرچہ میں سات ہزار درہم لکھے ہوئے تھے، منشی نے اُس شخص سے پوچھا کہ تم نے کتنے درہم کی بات کی تھی؟ اُس نے کہا کہ میں نے سات سو درہم مانگے تھے، تو منشی یہ سمجھا کہ

حضرت سے سہواً سات سو کے بجائے سات ہزار لکھے گئے ہیں، اِس لئے اُس شخص کو انتظار کرنے کو کہا کہ میں تمہیں تحقیق کر کے بتاتا ہوں اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے پاس رقعہ لکھ کر بھیجا کہ شاید آں جناب سے سہواً سات ہزار لکھے گئے ہیں، اَب آپ جیسا فرمائیں ویسا معاملہ کیا جائے، اِس پر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنے منشی کو لکھا کہ ''جب یہ تحریر تمہارے پاس پہنچے اور تم اُسے سمجھ کر پڑھ لو تو اُس شخص کو ۱۴ر ہزار درہم اَدا کردو''۔ تو اُس منشی نے جواب لکھا کہ ''اگر یہی طرزِ عمل رہا تو بہت جلد سارا سرمایہ جاتا رہے گا''، منشی کے اِس جواب پر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ناراض ہوگئے اور لکھا کہ ''اگر تم میرے منشی ہو تو میرا حکم نافذ کردو اور اگر تم مجھے اپنا منشی سمجھتے ہو تو آؤ تم میری جگہ بیٹھو میں تمہاری مسند پر رونق اَفروز ہوں گا اور تمہارے حکم کی تابع داری کروں گا''۔ (کتاب الزہد مقدمہ ص:۴۸)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جب سفر میں تشریف لے جاتے تو اپنے ساتھیوں کو کچھ خرچ نہ کرنے دیتے؛ بلکہ اُن کی سب ضروریات خود پوری فرماتے اور قسم قسم کے کھانوں کا اُن کے لئے انتظام فرماتے۔ بہت سی مرتبہ حج کے اَسفار میں بھی آپ نے ساتھیوں کا مکمل خرچہ برداشت کیا؛ حتیٰ کہ اُن کے تحفے تحائف بھی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں خود خرید کر عطا فرمائے۔ (کتاب الزہد مقدمہ ص:۴۶)

حضرت نانوتویؒ کی سخاوت

ہمارے اکابرؒ میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جہاں دیگر اَوصافِ حمیدہ میں اپنی مثال آپ تھے، وہیں سخاوت میں بھی آپ امتیازی مقام پر فائز تھے، مہمانوں کی کثرت اور مہمان نوازی کے اہتمام میں اپنی معمولی سی تنخواہ میں جب گذارا نہ ہوا تو اپنی اہلیہ کا زیور بیچ ڈالا، اہلیہ بھی تابع دار تھیں، بخوشی اجازت دے دی اور پوری زندگی مہمان نوازی میں اپنے شوہر نامدار کا تعاون کرتی رہیں۔ حضرت نانوتویؒ خود فرمایا کرتے تھے کہ ''ہماری سخاوت تو احمدی کی والدہ (آپ کی اہلیہ محترمہ) کی بدولت ہے''۔ (بیس بڑے مسلمان ص:۱۱۸)

حضرت شیخ الہندؒ کی مہمان نوازی

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہٗ کی مہمان نوازی بھی ضرب المثل ہے، ''اَرواح ثلاثہ'' میں لکھا ہے کہ: مولانا شیخ الہند میں تواضع اور مہمان نوازی کی خاص شان تھی اور اِس میں مسلم اور غیر مسلم اور اَمیر یا غریب کا کوئی امتیاز نہ تھا؛ بلکہ جو بھی مہمان آپ کے یہاں آتا تھا آپ اُس کی نہایت خوش دلی سے خبر گیری فرماتے اور اُسے آرام پہنچانے میں دلی مسرت محسوس فرماتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی سخاوت

پھر یہ صفت آپ کے محبّ ومحبوب شاگرد رشید اور سچے جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی طرف اِس طرح منتقل ہوئی کہ جود وسخا اور آپ کا اسم گرامی گویا کہ دونوں لازم ملزوم بن گئے، جہاں بھی حضرت مدنیؒ کا نام لیا جاتا ہے وہاں آپ کی سخاوت وفیاضی اور مہمان نوازی کا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ عام طور پر آپ کے دسترخوان پر ۴۰-۵۰/مہمان شریک طعام ہوتے تھے اور آپ دل وجان سے نہایت بشاشت کے ساتھ اُن مہمانوں کی خبر گیری فرماتے۔ بعض لوگ اپنے کام سے دیوبند آتے اور حضرتؒ کے یہاں کھانے کے وقت پہنچ جاتے؛ لیکن حضرت پر قطعاً ناگواری نہ ہوتی، اگر کوئی آپ سے ملنے والا شخص دیوبند آتا اور کسی دوسرے کے پاس ٹھہر جاتا یا کھانا کھالیتا تو معلوم ہونے پر آپ باز پرس فرماتے۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ کسی مہمان کے زیادہ ٹھہر جانے پر مہمان خانہ کے بعض خدام نے اُسے عار دلادی تو حضرت مدنیؒ کو انتہائی غصہ آیا اور خدام کے طرز عمل پر سخت تنبیہ فرمائی۔

آپ خود ہمیشہ مہمانوں کے ساتھ کھانا اور ناشتہ تناول فرماتے، اخیر عمر میں جب ڈاکٹروں نے آپ کو پرہیز کے لئے بڑا گوشت کھانے سے منع کر دیا اور چھوٹے جانور کا گوشت کھانے کی تاکید کی تو آپ نے اُس وقت تک ڈاکٹر کے مشورے کو قبول نہ کیا؛ جب تک کہ سب

مہمانوں کے لئے چھوٹے گوشت کا انتظام نہ ہوگیا۔ الغرض مہمان نوازی کا ایسا جذبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا کہ اپنا سب کچھ مہمان پر لٹا دینے کے لئے تیار رہتے تھے، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ سردی کے زمانہ میں اپنا لحاف مہمان کو دے دیا اور خود عبا اوڑھ کر رات گذاری، اکثر فرمایا کرتے کہ میری خواہش ہے کہ میرے گھر میں مہمانوں کی ضروریات کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہو۔ علاوہ ازیں سفر میں تشریف لے جاتے تو کوشش فرماتے کہ ساتھیوں کا ٹکٹ سے لے کر قیام وطعام تک کا صرفہ خود برداشت کریں۔ مدینہ منورہ سے کھجوریں آتیں تو پورے ہندوستان میں اپنے خاص متعلقین کو اہتمام کے ساتھ ہر سال متعینہ حصہ اِرسال فرمایا کرتے اور پھر باوجودیکہ مدرسہ کی تنخواہ کے علاوہ آپ کی کوئی مستقل آمدنی نہ تھی، آپ کتنے غریب مسکینوں اور بیوگان کو اپنی جانب سے ذاتی طور پر ماہانہ وظیفہ اِرسال فرماتے اور جو شخص بھی آپ سے سوال کرتا اُسے کبھی رد نہ فرماتے اور وسعت کے مطابق اُس کی اِمداد فرماتے، بسا اَوقات دوسروں کی طرف سے قرض اَدا کرنے کے مواقع بھی آئے اور آپ نے اپنے متعلقین کے قرض اَدا فرما کر اَکابر واَسلاف کی سنت زندہ کرنے کی سعادت حاصل کی، آپ کی بے مثال فیاضی کی بنیاد یہ تھی کہ آپ کی نظر میں یہ دنیا کی زیب وزینت ٹھیکروں سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی، آپ پوری زندگی اُس سے اَعراض ہی فرماتے رہے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

الحمدللہ آج بھی آپ کے جانشین سیدی ومرشدی حضرت اقدس مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم کے وسیع دسترخوان پر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی فیاضی کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

حضرت رائے پوریؒ کے دسترخوان کی وسعت

عارف باللہ حضرت اَقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا دسترخوان بھی بہت وسیع تھا، عام طور پر ۵۰-۶۰؛ بلکہ بسا اَوقات سو سو مہمان موجود رہتے اور حضرت خوش دلی سے اُن کے قیام وطعام کا انتظام فرماتے اور خصوصی مہمان ہوتے تو اُن کے لئے حسبِ موقع

تکلفات بھی ہوتے، روپیہ پیسہ کے ساتھ آپ کا معاملہ یہ تھا کہ اکثر جو بھی نذرانہ آتا، چاہے کم ہو یا زیادہ خادموں میں سے جو بھی حاضر ہوتا تو اُسے عنایت فرمادیتے۔ آپ کے خادم حاجی فضل الرحمٰن خاں کا بیان ہے کہ: ''کئی لاکھ روپئے حضرت نے صرف میرے ہاتھوں سے دوسروں کو دلوائے ہیں'' جو اہل علم حضرات آپ کی خدمت میں آتے، چلتے وقت کرائے کے نام پر گراں قدر رقم اُنہیں عطا فرماتے۔ (بیس بڑے مسلمان ص:۶۲۸)

حضرت شیخ الحدیثؒ کی فیاضی

شیخ الحدیث قطب عالم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی فیاضی اور مہمان نوازی بھی مشہور و معروف ہے، اخیر زمانہ میں رمضان المبارک کے علاوہ عام دنوں میں بھی سیکڑوں مہمان آپ کے دسترخوان پر موجود ہوتے اور ضیافت کے ساتھ ساتھ ضرورت مندوں اور متعلقین کو نقد ہدایا سے وقتاً فوقتاً سرفراز فرماتے رہتے، جس کی تفصیلات خود آپ کے خلفاء نے بیان فرمائی ہیں۔ (دیکھئے: حضرت شیخ الحدیثؒ اور اُن کے خلفاء کرام ۳/جلدیں)

حضرت فقیہ الامتؒ کی سخاوت

یہی منظر راقم الحروف نے حضرت الاستاذ المعظم فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ کے یہاں دیکھا، کتنے غریب طلباء آپ کے وظائف پر تعلیم حاصل کرتے اور کوئی بھی ضرورت مند آجاتا تو اُسے محروم نہ فرماتے اور آپ کے خدام تو برابر آپ کے عطایا سے سرفراز ہوتے رہتے تھے۔

اِن حضرات اکابر رحمہم اللہ کی زندگیاں ہمارے لئے قابلِ تقلید اور لائق اتباع ہیں، ہمیں چاہئے کہ اُن اَخلاق کو اپنا کر دنیا اور آخرت میں کامیابی اور فلاح کے مستحق بنیں اور جس صفت میں اپنے اندر کوتاہی پائیں اُسے دور کرنے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

ایک آسان طریقہ

اللہ کی راہ میں خرچ کی عادت ڈالنے کے لئے ایک نسبۃً آسان اور سہل طریقہ نظر سے گذرا، جو مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا معمول تھا، آپ کے صاحب زادے حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہم فرماتے ہیں کہ:

''آپ کا یہ معمول تھا کہ زکوٰۃ اَدا کرنے کے علاوہ آپ کے پاس جب بھی کوئی رقم آتی تو اُس کا ایک معین حصہ فوراً مصارفِ خیر میں خرچ کرنے کے لئے علیحدہ فرمالیتے تھے اور طے یہ کیا ہوا تھا کہ آمدنی اگر محنت سے حاصل ہوئی ہے تو اُس کا بیسواں حصہ (پانچ فیصد) اور اگر کسی محنت کے بغیر حاصل ہوئی ہے (مثلاً انعام، ہدیہ تحفہ وغیرہ) تو اُس کا دسواں حصہ فوراً علیحدہ نکال لیا جائے، آپ کے پاس ہر قسم کی رقم کے اِخراجات کی الگ الگ مدیں مقرر تھیں، ایک صندوقچی میں مختلف تھیلے یا لفافے رکھے رہتے تھے، جس پر اُس مد کا نام درج ہوتا تھا، مثلاً: ''خانگی اِخراجات، آمد ورفت کے اِخراجات'' وغیرہ۔ اُسی صندوقچی میں ایک تھیلا آپ کے پاس ہمیشہ رہتا تھا جس پر ''صدقات ومبرات'' لکھا رہتا تھا، تنگ دستی کا زمانہ ہو یا فراخی کا، آمدنی کا مذکورہ حصہ آپ فوراً اُس تھیلے میں رکھ دیتے تھے اور جب تک یہ حصہ ''صدقات ومبرات'' کے تھیلی میں نہ چلا جاتا اُس وقت تک اُس آمدنی کا استعمال نہیں فرماتے تھے، اگر دس روپئے بھی کہیں سے آئے ہیں تو فوراً اُس کے چھوٹے نوٹ بدلوا کر ایک روپیہ اُس تھیلے میں رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اِس طریقۂ کار کی برکت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی خیرات کا مصرف سامنے آتا ہے تو اُس وقت سوچنا نہیں پڑتا کہ اُس میں رقم کہاں سے دی جائے؛ بلکہ یہ صدقات ومبرات کا تھیلہ ہر وقت یاددہانی کراتا رہتا ہے کہ اِس کا کوئی مصرف تلاش کیا جائے''۔ (میرے والد میرے شیخ ص:۱۵۵)

آج ہمارا حال یہ ہے کہ اَولاً انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ اور داعیہ ہی پیدا نہیں ہوتا اور کبھی ہوتا بھی ہے تو ہاتھ خالی ہونے کی وجہ سے تمنا دل ہی دل میں رہ جاتی ہے، ایسی صورت میں اگر

ہم بھی اپنی آمدنی کا کچھ فیصدی حصہ لازمی طور پر علیحدہ نکال کر اللہ کی راہ میں خرچ کا اپنے آپ کو عادی بنالیں تو بڑی برکت کی چیز ہوگی، اگر ارادہ کرلیا جائے تو یہ بڑا مشکل کام نہیں اور اِس کے فوائد اتنے ہیں جو اَلفاظ میں بیان نہیں کئے جاسکتے۔

اسی طرح صدقۂ جاریہ میں بھی ہمیں حتی الوسع بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا معمول تھا کہ جب بھی کہیں مسجد کی تعمیر کی خبر سنتے، تو اُس میں کچھ نہ کچھ حصہ لینے کی کوشش کرتے، اپنے مدرسہ میں دو کمرے اپنے خرچ سے تعمیر کرائے اور اُنہیں مسجد پر وقف کردیا، بہت سی کتابیں مدرسہ کے کتب خانے پر وقف فرمائیں اور اپنا ذاتی کتب خانہ بھی وقف فرمادیا جو اِس وقت کم از کم ایک لاکھ روپئے کی مالیت کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ (میرے والد میرے شیخ ص:۱۵۷)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

ورع وتقویٰ

مقبولیت عنداللہ کے لئے حرام اور مشتبہ معاملات سے حتی الامکان احتراز کرنا بھی لازم ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ ایمان والوں کو تقویٰ کا حکم فرمایا ہے، اور اُس کو عزت وشرافت کا معیار بتایا ہے۔ اِرشاد خداوندی ہے: ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ﴾ [الحجرات: ۱۳] (بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ تم میں اللہ سے ڈرنے والا ہو)

اَحادیثِ طیبہ میں بھی جابجا تقویٰ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ ایک حدیث میں آپ نے ایک صحابی کو وصیت فرمائی کہ: "أُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَإِنَّہُ أَزَیَنُ لِأَمْرِکَ کُلِّہٖ". (ھدایۃ الرولۃ رقم: ٤٧٩٤) (میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی تاکید کرتا ہوں؛ اِس لئے کہ یہ صفت تمہارے تمام دینی اور دنیوی معاملات اور اَفعال کو مزین اور خوب صورت بنانے والی ہے)

تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ کے خوف سے تمام معاصی اور حرام کاموں سے اپنے کو بچالے۔ اور یہ بات جبھی حاصل ہوسکتی ہے جب کہ حرام کے ساتھ ساتھ بہت سی ایسی باتوں سے بھی بچے جو دیکھنے میں درجۂ جواز میں آسکتی ہیں۔ اِسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہے کہ:

إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ. (مسلم شریف ۲۸/۲)

بے شک حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان میں مشتبہ چیزیں ہیں جن کا حکم اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ہے؛ لہٰذا جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچ رہا وہ اپنے دین وعزت کو بچالے گا اور جو شبہ کی چیزوں میں مبتلا ہوگیا وہ (انجام کار) حرام میں مبتلا ہوجائے گا۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شبہ کی چیزوں سے بچنے کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے؟ اِس کا اندازہ آپ کے اِس اِرشاد سے ہوسکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''میں کبھی گھر والوں کے پاس جاتا ہوں تو اپنے بستر پر کوئی کھجور پڑی پاتا ہوں تو اُسے کھانے کے لئے اُٹھا بھی لیتا ہوں؛ لیکن پھر مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ صدقہ کی نہ ہو، اِس لئے اُسے وہیں ڈال دیتا ہوں''۔ (بخاری شریف/کتاب اللقطۃ حدیث:۲۴۳۲)

اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''اِنسان اُس وقت تک متقین کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ حرج والی چیزوں سے بچنے کے لئے بہت سی ایسی چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن کے انجام دینے میں (بظاہر) کوئی حرج نہیں ہے''۔ (ترمذی شریف/ابواب صفۃ القیامۃ حدیث:۲۴۵۱، جامع العلوم والحکم ص:۷۳)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ارشاد

سیدنا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''تقویٰ کا کمال یہ ہے کہ رائی کے دانے کے برابر بھی گناہ سے بچے اور اپنے اور حرام کے درمیان پردہ قائم رکھنے کے لئے بہت سی حلال چیزیں بھی چھوڑے رکھے''۔ (جامع العلوم والحکم ص:۷۳)

حضرت حسن بصریؒ کا قول

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''متقی لوگوں میں تقویٰ اُسی وقت باقی رہے گا جب تک کہ وہ حرام سے بچنے کے لئے مباحات کو ترک کرتے رہیں گے''۔

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ ''متقین کا نام متقین اِس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ ایسے اُمور سے بچتے ہیں جن سے عام طور پر بچا نہیں جاتا''۔ (جامع العلوم والحکم ص:۷۳)

الغرض اللہ کے دربار میں قبولیت حاصل کرنے کے لئے ورع وتقویٰ ایک ناگزیر اَمر ہے اور دنیا میں جو مبارک ہستیاں بھی مقبولیت کے منصب پر فائز ہوئی ہیں، اُن کی زندگیوں میں ورع وتقویٰ کا عنصر بہت نمایاں نظر آتا ہے۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے غلام نے آپ کے سامنے کھانا پیش کیا، آپ بھوکے تھے اِس لئے آپ نے تحقیق کئے بغیر کھانا نوش فرمالیا، بعد میں غلام سے پوچھا کہ یہ کھانا تم کہاں سے لائے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ زمانۂ جاہلیت میں میں نے ایک قبیلہ میں جھاڑ پھونک کی تھی، اُنہوں نے مجھے اُس کی اُجرت دینے کا وعدہ کررکھا تھا، آج میرا اُن کے پاس سے گذر ہوا، تو وہاں کوئی خوشی کی تقریب ہورہی تھی، تو اُنہوں نے مجھے یہ کھانا دے دیا۔

یہ سن کر سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''تجھ پر اَفسوس ہے تو تو مجھے ہلاک کردیتا'' اور ہاتھ منہ میں ڈال ڈال کر سارا کھانا قے فرمادیا۔ اور جو کچھ اندر رہ گیا تو پانی پی کر پھر نکالتے جاتے؛ تا آں کہ پورا معدہ اِس شبہ کے کھانے سے صاف کرلیا۔ (العلم والعلماء ص:۱۴۷) (غالباً شرکیہ کلمات سے اس نے جھاڑ پھونک کی ہوگی، جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا معمول تھا۔ مرتب)

سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ورع وتقویٰ

خلیفہ راشد سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ورع وتقویٰ کا ایک اَدنیٰ نمونہ یہ ہے کہ جب آپ خلیفہ بنے، تو آپ کی اہلیہ محترمہ فاطمہ جو خلیفہ عبدالملک کی بیٹی تھیں، اُن کے بیش قیمت زیورات کے متعلق آپ نے صاف فرمادیا کہ ''اے فاطمہ! دو میں سے ایک بات اختیار کرلو، یا اپنے زیور مجھے دے دو، میں اُنہیں بیت المال میں جمع کردوں گا، یا پھر میں تمہیں طلاق دیتا ہوں؛ اِس لئے کہ یہ بات مجھے ناپسند ہے کہ میں اور یہ زیورات ایک گھر میں رہیں''۔ آپ کی اہلیہ نے بھی کمالِ جاں نثاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ یہی نہیں اِس سے کئی گنا زیادہ بھی زیورات ہوں، تو بھی میں اُنہیں آپ پر ترجیح نہیں دے سکتی؛ چناں چہ وہ زیورات حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے لے کر بیت المال میں جمع کرادئے۔ (جامع العلوم والحکم ص:۲۸۵)

اِمام اَعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کا ورع وتقویٰ

اِمام اَعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ورع وتقویٰ ضرب المثل ہے، آپ کے تمام معاصر کھلے الفاظ میں گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے اپنے دور میں حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ سے زیادہ متقی نہیں دیکھا۔ علی بن حفص کہتے ہیں کہ حفص ابن عبدالرحمٰن اِمام اَبوحنیفہؒ کے کاروبار میں شریک تھے، ایک مرتبہ اِمام صاحبؒ نے اُن کے پاس کچھ سامان فروخت کے لئے بھیجا اور کہا کہ اِس میں ایک کپڑا ہے، جس میں فلاں عیب ہے، اِس لئے جب اُسے فروخت کریں تو گاہک سے عیب بیان کردیں۔ اتفاق یہ ہوا کہ حفص بن عبدالرحمٰن نے وہ سب سامان بیچ ڈالا اور عیب بتانا بھول گئے اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ کس نے وہ کپڑا خریدا ہے، جب حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کو یہ معلوم ہوا کہ اُنہوں نے عیب بتائے بغیر سامان بیچ دیا ہے، تو آپ نے اُس کی ساری آمدنی صدقہ فرمادی، جس کی مقدار بیس ہزار درہم تھی، اور ساتھ ہی حفص ابن عمر سے کاروباری شرکت ختم کردی۔ (عقود الجمان ص:۲۴۱)

ایک مرتبہ کوفہ میں کچھ لوگ بکریاں کہیں سے لوٹ مار کر کے لائے اور اُنہیں کوفہ کے بازار میں فروخت کر دیا، وہ بکریاں شہر کی بکریوں میں رَل مَل گئیں اور لوٹ کی بکریوں کی شناخت باقی نہ رہی، جب حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا، تو آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ ''بکری زیادہ سے زیادہ کتنے سال زندہ رہ سکتی ہے؟'' تو لوگوں نے جواب دیا کہ ''سات سال''، تو آپ نے کوفہ میں رہتے ہوئے سات سال تک بکری کا گوشت تناول نہیں فرمایا کہ کہیں یہ وہی چرائی ہوئی بکری کا گوشت نہ ہو۔ (عقود الجمان ص:۲۴۴)

اِسی طرح ایک مرتبہ آپ ایک گھر کی دیوار کے قریب دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے، یحییٰ ابن ابی زائدہ وہاں سے گذرے، اِمام صاحبؒ کو وہاں بیٹھا دیکھ کر اُنہوں نے کہا کہ حضرت! دھوپ میں بیٹھنے کے بجائے قریب میں دیوار کے سائے میں تشریف فرما ہوتے تو بہتر ہوتا۔ اِمام صاحبؒ نے جواب دیا کہ ''میرا اِس گھر کے مالک پر قرض ہے، اگر میں اُس کی دیوار کے سایہ سے فائدہ اُٹھاؤں گا تو مجھے اندیشہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ قرض پر نفع اُٹھانے کی وعید میں داخل ہوجائے گا اور میں اُسے گو کہ عام لوگوں پر واجب نہیں سمجھتا؛ لیکن بات یہ ہے کہ عالم کو اپنے علم پر دوسروں سے زیادہ عمل پیرا ہونا چاہئے''۔ (عقود الجمان ص:۲۴۴)

اِمام احمد بن حنبلؒ کا عبرت انگیز واقعہ

اِمام اہل سنت حضرت اِمام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ تین دن سے بھوکے تھے، کسی سے آپ نے آٹا بطور قرض لیا، گھر والے آپ کی حالت سے واقف تھے، اُنہوں نے جلدی کی وجہ سے آپ کے صاحب زادے صالح (جو سرکاری ملازم تھے) کے تنور میں آپ کی روٹی پکادی، آپ نے پوچھا کہ ''یہ روٹی کہاں پکائی گئی ہے؟'' تو گھر والوں نے بتادیا کہ ''آپ کے صاحب زادے کا تنور پہلے سے جل رہا تھا اُس میں ہم نے پکالی''، تو آپ نے سرکاری آمدنی (جو عموماً ظالم حکمرانوں کے جبریہ ٹیکس وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے) سے بچتے ہوئے اُس تنور میں پکی ہوئی روٹی کھانے سے انکار فرمادیا۔ (العلم والعلماء ص:۳۳۶)

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کا ورع وتقویٰ

اِمام وقت حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شام کے سفر میں میں نے کسی سے ایک قلم عاریۃً لیا، پھر اُسے واپس کرنا بھول گیا، جب واپس اپنے وطن ''مرو'' پہنچا، تو دیکھا کہ وہ قلم میرے ساتھ آ گیا، تو میں دوبارہ سفر کر کے شام گیا اور قلم کے مالک کو اُس کا قلم واپس کیا (حالاں کہ اُس زمانہ میں یہی لکڑی کے قلم ہوتے تھے، قیمتی قلموں کا تصور بھی نہ تھا) آپ کا مشہور مقولہ ہے کہ ''شبہ کے مال کا ایک درہم رد کرنا میرے نزدیک چھ لاکھ درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے''۔ (مقدمہ کتاب الزہد ص:۴۵)

یہ سلفِ صالحین کے ورع وتقویٰ کی چند جھلکیاں ہیں جن سے بآسانی اِس نتیجہ تک پہنچا جاسکتا ہے کہ اُن حضرات کو اپنے بلند منصب کا کس قدر خیال تھا اور اُنہوں نے اپنی دینی عزت بچانے کے لئے کس قدر خواہشات، لذتوں اور راحتوں کو ترک کرنے کی عادت ڈالی تھی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اُن کی خدمات میں ایسی برکتیں ظاہر ہوئیں کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی، بعد کے لوگوں میں سے بھی جن خوش نصیب حضرات نے اُن پاک باز نفوس کی زندگیوں کو رہنما بنایا اور اُن کی صفات اپنانے کی کوششیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے بھی قبولیت کے دروازے کھول دئے۔

میانجی نور محمدؒ کا تقویٰ

حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک شخص نہایت خوش گلو (خوش آواز) تھے اور نعت وغیرہ پڑھا کرتے تھے، کسی نے حضرت میاں جیؒ سے عرض کیا کہ حضرت یہ صاحب بڑے خوش آواز ہیں، اِن سے نعت سن لیجئے! آپ نے کمالِ احتیاط کا مظاہرہ فرماتے ہوئے جواب دیا کہ ''لوگ مجھے کبھی کبھی اِمام بنادیتے ہیں اور غناء بلا مزامیر (بغیر ڈھول تاشے کے گانا) کے اندر بھی علماء کا اختلاف ہے، اِس لئے اُس کا سننا خلاف احتیاط ہے؛ لہٰذا میں اُس کے سننے سے معذور رہوں''۔ (اَرواحِ ثلاثہ ص:۱۹۱)

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کا ورع وتقویٰ

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر ورع وتقویٰ میں ضرب المثل تھے، اُن کی انتہائی احتیاط کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ جب کسی کرایہ کی سواری پر سوار ہونے کا اِرادہ فرماتے، تو سوار ہونے سے پہلے مالک کو اپنا سارا سامان دکھا دیتے تھے، اُس کے بعد اگر کوئی شخص اپنا خط بھی لاتا (کہ اُسے فلاں جگہ دے دینا) تو فرمادیتے کہ بھائی! میں نے سارا اَسباب مالک کو دکھا دیا ہے اور یہ اُس میں نہیں ہے؛ لہٰذا تم مالک سے اِجازت لے لو۔ (اَرواحِ ثلاثہ ص:۲۱۳)

یہ احتیاط آپ کی طبیعت میں اِس قدر رچ اور بس گئی تھی کہ حرام کے شبہ والے لقمہ کو بھی آپ کا معدہ قبول نہ کرتا تھا، اگر کبھی بھول یا غلطی سے مشتبہ مال کھا بھی لیتے، تو فوراً قے ہوجاتی تھی۔ زمانۂ طالب علمی میں آپ نے کئی سال سالن سے روٹی نہ کھائی، دریافت کرنے پر فرمایا کہ ''دہلی کے اکثر سالنوں میں کھٹائی پڑتی ہے اور آموں کی بیع ناجائز طریقہ پر ہوتی ہے، اِس لئے میں سالن نہیں کھاتا''۔ (اَرواحِ ثلاثہ ص:۲۱۸)

حضرت نانوتویؒ کی کمالِ احتیاط

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو حرام اور مشتبہ کھانے سے نفرت تھی اور اِس کا احساس بھی جلدی فرمالیتے تھے، دل داری کی وجہ سے گو کہ ہر ایک کی دعوت قبول فرمالیتے؛ لیکن اگر حرام کا شبہ ہوتا تو واپس آکر قے فرمادیتے۔ (ایضاً ۲۵۰)

حضرت گنگوہیؒ کا تقویٰ

قطبِ عالم اِمام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جب آپ کی عمر پچیس سال کی ہوئی اور آپ اپنی موروثی جائیدادوں کے متصرف اور وارث ہوئے، تو آپ نے سارے کاغذات کو ملاحظہ فرمایا اور آپ کے دادا نے (جو زیادہ متشرع نہ

تھے) رہن کی جو زمینیں قبضہ میں کر رکھی تھیں اور اُن سے آمدنی حاصل کی جارہی تھی، اُن سب کی آمدنیوں کا حساب لگایا اور اصل مالکوں کو نہ صرف یہ کہہ کر اُن کی زمینیں واپس کر دیں؛ بل کہ اگر اُن زمینوں سے قرض کی رقم سے زائد آمدنی ہوئی تھی، تو اُسے بھی اصل مالکوں کو لوٹا دیا اور اِس سلسلہ میں اپنا مال خرچ کیا؛ حتیٰ کہ اہلیہ کا زیور بھی بیچ ڈالا؛ تاکہ ناحق اور حرام آمدنی سے حفاظت ہو اور دوسروں کا حق اپنی گردن پر نہ رہے۔ (بیس بڑے مسلمان ص:۱۶۲، تذکرۃ الرشید ص:۵۷)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ورع وتقویٰ کی ایسی مثالیں اور نمونے پیش فرمائے ہیں، جو بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے واقعی مینارۂ نور اور ذریعۂ ہدایت ہیں۔

آپ سفر میں مقررہ وزن سے زائد سامان محصول اَدا کئے ہرگز نہ لے جاتے۔ ایک مرتبہ سہارن پور سے کان پور جاتے ہوئے کچھ گنّے ساتھ تھے، آپ اُنہیں اسٹیشن پر تلوانے لگے تو ریلوے کا کوئی ملازم تولنے پر تیار نہ ہوا؛ حتیٰ کہ غیر مسلم بھی کہنے لگے کہ حضرت! اُنہیں تلوانے کی ضرورت نہیں، ویسے ہی لے جایئے، ہم گارڈ سے کہہ دیں گے، آپ نے فرمایا کہ یہ گارڈ کہاں تک جائے گا؟ جواب ملا کہ یہ غازی آباد تک جائے گا اور وہاں دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا جو آپ کے ساتھ کان پور تک جائے گا، جہاں آپ کا سفر ختم ہوجائے گا۔ آپ فرمانے لگے کہ ''وہاں میرا سفر ختم نہ ہوگا؛ بل کہ آگے ایک سفر آخرت بھی ہے وہاں کا انتظام کیا ہوگا؟'' (بیس بڑے مسلمان ص:۳۵۳)

اَفسوس! آج ایسے اہل تقویٰ کے دیدار کو آنکھیں ترستی ہیں، بے ٹکٹ سفر کرنا اور محصول اَدا کئے بغیر سامان لانا لے جانا معیوب نہیں؛ بل کہ کمال سمجھا جاتا ہے اور اِس کا قطعاً احساس نہیں ہوتا کہ یہ بھی حق تلفی ہے۔ یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ٹی ٹی اور ریلوے ملازم کو کچھ پیسے دے کر بلا ٹکٹ سفر کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ ایک مرتبہ ایک غریب طالب علم حضرت تھانویؒ کے ساتھ ٹکٹ لئے بغیر ٹرین پر سوار ہوگیا، اگلے اسٹیشن پر جب گارڈ سے ٹکٹ لینے گیا، تو گارڈ نے کہہ دیا کہ تم

غریب آدمی ہو ویسے ہی سفر کرلو، ٹکٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ اُس نے یہ بات حضرت تھانویؒ سے آکر نقل کردی، حضرتؒ نے فرمایا کہ ''یہ گارڈ ریلوے کمپنی کا مالک نہیں ہے؛ بل کہ ملازم ہے، لہٰذا اُسے یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی مسافر کو بلاٹکٹ ریل پر سوار کرے، اِس لئے جاؤ اور ٹکٹ لے کر سفر کرو۔ (بیس بڑے مسلمان ص:۳۵۳)

اِسی طرح نچلے درجہ کا ٹکٹ لے کر اُوپر کے درجہ میں سفر کرنا، نیز اگر کسی کو پاس ملا ہو تو اُس کے ذریعہ قانونی اِجازت سے زیادہ اَفراد کو مفت سفر کرانا یا مدت ختم ہوجانے کے بعد اُس سے سفر کرنا، یہ سب چیزیں شرعاً جائز نہیں ہیں اور جذبۂ ورع وتقویٰ کے خلاف اور مقام مقبولیت کے منافی ہیں۔ اگر کبھی سفر میں ایسی صورت پیش بھی آجائے تو حساب لگا کر بعد میں زائد رقم کے ٹکٹ خرید کر ضائع کردینے چاہئیں؛ تاکہ حکومت کے خزانے تک استحقاقی رقم پہنچ جائے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

شیخ العرب والعجم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے کمالِ ورع وتقویٰ کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ دفتر جمعیۃ علماء ہند (گلی قاسم جان دہلی) میں تشریف فرما تھے، نماز عصر کا وقت آیا تو خدام نے جماعت کی غرض سے چٹائیاں بچھادیں، حضرتؒ جب نماز کے لئے باہر تشریف لائے اور نئی چٹائیوں پر نظر پڑی تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کی طرف مخاطب ہوکر پُر مسرت لہجہ میں اِرشاد فرمایا کہ ناظم اعلیٰ صاحب نے بہت اچھا انتظام فرمایا ہے، حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ یہ ناظم صاحب کا انتظام نہیں؛ بل کہ آپ کے خادم چودھری عبدالرحمٰن کی عقیدت ہے جو کہ چٹائیاں فروخت کرتے ہیں، اُنہوں نے ہی اِس وقت (فروخت والی) چٹائیاں بچھادی ہیں، یہ بات سن کر حضرتؒ کا چہرۂ انور متغیر ہوگیا اور اپنی جگہ سے ہٹ کر فرمایا کہ ''اِن چٹائیوں کو اُٹھادو''۔ خدام نے عرض کیا کہ ''عبدالرحمٰن نے اپنی خوشی سے بچھائی ہیں''، حضرت نے فرمایا ''نہیں وہ اُن کو غیر مستعمل بتا کر فروخت کرے گا''؛ چناں چہ چٹائیاں اُٹھادی گئیں اور دفتر کی پرانی چٹائیوں پر نماز اَدا کی گئی۔ (حیرت انگیز واقعات ص:۷۹)

آپ باوجودیکہ جمعیۃ علماء ہند کے بااختیار صدر تھے؛ لیکن کبھی اپنے ذاتی استعمال کے لئے جمعیۃ علماء کا لیٹر پیڈ استعمال نہ فرماتے؛ بل کہ آپ اپنے لئے نہایت عمدہ کاغذ کا لیٹر پیڈ خود اپنے مصارف سے تیار کرواتے تھے، اسی پر خطوط لکھتے؛ بل کہ جمعیۃ علماء کے متعلق اُمور بھی اپنے ہی کاغذ پر رقم فرماتے، اپنا ذاتی خرچ آپ نے کبھی جماعت پر نہیں ڈالا اور اپنے خدام کو تاکید فرماتے رہے کہ ''جماعتی اور غیر جماعتی خرچ میں ہمیشہ امتیاز رکھا جائے''۔ (حیرت انگیز واقعات ص:۷۹)

دارالعلوم دیوبند میں درس کے دوران حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایامِ درس کے علاوہ کبھی ایک دن کی تنخواہ بھی مدرسہ سے قبول نہیں فرمائی؛ حتیٰ کہ استحقاقی اتفاقیہ اور علالت کی رخصتوں سے بھی فائدہ نہیں اُٹھایا؛ بل کہ بسا اَوقات مدرسہ کے کام کے سلسلہ میں سفر فرماتے تو بھی سفر کے اَیام کی تنخواہ نہ لیتے تھے۔ (حوالہ بالا ص:۸۰)

مدرسہ کے مال میں احتیاط

ہمارے اکابر رحمہم اللہ اگرچہ دینی خدمات انجام دینے کے لئے مدارس سے متعلق رہے، اور ضرورت کی بنا پر اُن کی انتظامی ذمہ داریاں بھی انجام دیں؛ لیکن مدارس کے اموال اور اَملاک کے بارے میں جس قدر احتیاط برتی، آج اُس کی مثالیں ملنی مشکل ہیں۔ درحقیقت اِسی احتیاط اور ورع وتقویٰ نے اُن کی خدمات کو قبولیت کے اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا تھا، اُن کی زندگیاں ہمارے لئے مشعل راہ ہونی چاہئیں۔

ذیل میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قیمتی ملفوظ نقل کیا جاتا ہے، جس سے حضرات اکابر کی زندگیوں کی ایک جھلک معلوم ہوسکتی ہے، حضرتؒ فرماتے ہیں:

> ''مدرسہ کا مال جو ہے بہت خطرناک ہے، بڑے حضرت (مولانا عبدالرحیم صاحب) رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اور کسی کام سے نہیں لگتا، اِس وجہ سے کہ ہم مدرسہ کے مال کے مالک

نہیں ہیں؛ اَمین ہیں۔ ہمارے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا، اپنے تعلق کی وجہ سے اگر کسی کی خیانت کو معاف کروگے تو تم بھی پکڑے جاؤ گے۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں شروع زمانہ میں بھٹیارے کے یہاں سے کھانا آیا کرتا تھا، جامع مسجد کے پاس ایک اسماعیل نامی بھٹیارا تھا، جو بہت نیک تھا، مسجد سے مدرسہ تک لاتے ہوئے (کھانا) ٹھنڈا ہوجاتا تھا، والد صاحب کھانے کو مدرسہ کے حمام کے قریب رکھوادیتے تھے جس سے وہ گرم ہوجاتا تھا تو والد صاحبؒ مہینہ کے اختتام پر ایک روپیہ مدرسہ میں اِمداد کے نام پر جمع کرادیا کرتے تھے کہ یہ وقف کے مال سے انتفاع ہوا۔ ایک معمول حضرت سہارن پوریؒ کا سنا ہے؛ اگرچہ دیکھا نہیں، وہ یہ ہے کہ مدرسہ میں صدر مدرس کے لئے قالین بچھایا جاتا تھا، حضرت جب سبق سے فارغ ہوجاتے تو قالین پر سے اُٹھ کر دوسری جگہ بیٹھ جاتے، حضرت اقدس شیخ المشائخ الحاج احمد علی صاحب محدث سہارن پوریؒ بخاری، ترمذی، کتبِ حدیث کے محشی اور مشہور عالم محدث ہیں، جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے چندے کے سلسلہ میں کلکتہ تشریف لے گئے کہ وہاں مولانا کا اکثر قیام رہا ہے اور وہاں کے لوگوں سے وسیع تعلقات تھے، تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کے آمد ورفت کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا تو وہ رجسٹر میں نے خود پڑھا، اُس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا؛ اگرچہ وہاں چندہ خوب ہوا؛ لیکن میرے سفر کی نیت دوست سے ملنے کی تھی، اِس لئے وہاں کی آمدورفت کا اتنا کرایہ آمدورفت سے وضع کرلیا جائے۔

میرے پیارو! اِن ہی چیزوں کی وجہ سے مدرسہ اس درجہ پہنچا ہے، تم تقویٰ اختیار کروگے تو مدرسہ کے مال میں احتیاط رہے گی، یہ نہ سمجھو کہ کوئی ٹوکنے والا نہیں، اِس سے خلاصی نہیں ہوگی، حقوق العباد کی معافی اللہ کے یہاں نہیں ہوتی کہ یہ بڑی سخت چیز ہے، جیسے تو اللہ کا بندہ ہے جس کا حق مارا ہے وہ بھی اللہ کا بندہ ہے، دو پیسے کے مقابلے میں سات سو مقبول نمازیں لے لی جائیں گی، اگر اتنی نمازیں مقبول نہیں ہیں تو اُس کے بقدر گناہ سر پر ڈال دئے جائیں گے۔

میرے پیارو! حقوق العباد سے بہت ڈرتے رہو، اللہ جل شانہ کے فضل وکرم سے اور میرے حضرت رائے پوریؒ کی برکت سے مجھے پہلے ہی دن سے تنخواہ سے وحشت ہوگئی تھی، حضرت نے فرمایا تھا کہ اللہ توفیق دے تو مدرسہ کی تنخواہ چھوڑ دیجیو! اللہ کا شکر ہے جو لی تھی وہ بھی اَدا کردی، میرے اکابر کا معمول مدرسہ کے معاملہ میں بہت احتیاط کا رہا ہے۔ تمہارے اُوپر مدرسہ کا کوئی جانی ومالی حق باقی نہ رہے، تم تو یہی سوچو، ہمیں مدرسہ کے معاملہ میں کیا کرنا چاہئے، باقی تمہارا کوئی حق مدرسہ پر رہ گیا ہو تو اس کا خیال نہ کرو، اللہ کے یہاں بہت کچھ ملے گا۔ (ملفوظات شیخ ص:۱۶۱-۲۶۲)

ایک دوسرے ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''ہمارے یہاں مظاہر علوم میں سالانہ جلسہ میں مدرسین کھانا مدرسہ کے کھانے میں سے نہیں کھاتے تھے؛ بل کہ اپنے اپنے گھروں سے منگا کر کھاتے تھے۔ اِسی طرح حضرت ناظم صاحبؒ مطبخ کے سالن کی جانچ جو طلبہ کے لئے بنتا تھا خود نہ چکھتے تھے؛ بل کہ کسی طالب علم ہی سے چکھواتے تھے۔ اسی طرح مدرسہ کے مہمانوں کے لئے جو پان بنتے تھے اُن میں سے نہیں کھاتے تھے؛ بلکہ اپنے گھر سے منگواتے تھے، بعض دفعہ مہتمم صاحب تین تین دن مدرسہ میں رہتے اُن کا کھانا گھر سے آتا تھا، معمولی سالن دال ہوتی، ایک طرف بیٹھ کر ٹھنڈا کھا لیتے تھے، جلسہ میں شرکت کے لئے حضرت مدنیؒ، حضرت رائے پوریؒ تشریف لاتے تو یہ میرے خصوصی مہمان بنتے مدرسہ کا کھانا نوش نہ فرماتے''۔ (ملفوظاتِ شیخ ص:۱۶۴)

آیئے محاسبہ کریں!

حضرات اکابر اَولیاء اللہؒ کے طرزِ عمل کو سامنے رکھ کر ہمیں خود اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ خود ہمارا ورع وتقویٰ کس معیار کا ہے؟ اور خاص کر مدارس اور قومی وملی اِداروں اور تنظیموں کی آمدنیوں میں کس قدر لاُبالی پن کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور اپنے ذاتی مفادات کس طرح قومی ملکیت سے

استحقاق سے زیادہ حاصل کئے جاتے ہیں؟ اِس جانب سنجیدگی سے غور کرنا ضروری ہے، ہمارا یہ مزاج بنتا جارہا ہے کہ ہم اِدارے کا کچھ حق اَدا کریں یا نہ کریں ہمیں ہمارا حق بلا کم وکاست؛ بلکہ ضابطہ سے بھی زیادہ ملنا چاہئے۔ آج مدارس میں تعلیمی انحطاط کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ ہمیں اپنے حقوق کی فکر تو ہے، مگر فرائض اور ذمہ داریوں سے پہلوتہی عام ہوگئی ہے، اَوقاتِ درس کا اتنا اہتمام نہیں ہے جتنا ہونا چاہئے! اُستاد جیسا کرتے ہیں طلبہ کا بھی وہی مزاج بن جاتا ہے، اِس لئے خود ہمیں ایسا نمونہ پیش کرنا چاہئے جو ہمارے شاگردوں کے لئے بھی رہنما اور لائق تقلید ہو۔

حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ کا معمول

مشہور بزرگ حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کا معمول تھا کہ اگر کوئی شخص دورانِ درس ویسے ہی بات چیت کرنے آتا، تو فوراً گھڑی دیکھتے کہ اتنے بج کر اتنے منٹ پر آیا ہے اور جب وہ بات کرکے واپس جاتا تو پھر گھڑی دیکھتے اور یہ پورا وقت ایک کاغذ پر جو حضرت کی کتاب میں رکھا رہتا تھا؛ لکھ لیتے اور مہینہ کے ختم پر روزانہ کا حساب جمع کرتے اور جتنے گھنٹے اور دن بنتے اُس کی اطلاع دفتر میں بھیج دیتے کہ اتنے گھنٹے یا اتنے دن کی میری تنخواہ وضع کرلی جائے۔ (ملفوظاتِ فقیہ الامت ۱/۹۴)

ذرا غور فرمائیں! کیا اَوقات کا یہ اہتمام ہماری زندگیوں میں پایا جاتا ہے؟ اگر اِس میں کوتاہی ہے تو ہمیں جلد اَز جلد اِس نقص کو دور کرنا چاہئے۔ ورع وتقویٰ کا تقاضا یہی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

❍❖❍

۸

خوف وخشیت

قاسم بن محمدؒ کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں جارہے تھے، تو میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ آخر کیا بات ہے جس کی بنا پر یہ عبد اللہ بن مبارکؒ ہم سب پر فائق ہیں اور لوگوں میں شہرت کے اِس بلند مقام پر پہنچ گئے ہیں، یوں تو وہ بھی ویسی ہی نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں، یہی حال روزہ، جہاد اور حج کا بھی ہے، پھر آخر اُن میں کون سی خوبی ہے؟ میں اِسی سوچ میں تھا کہ ایک مرتبہ ہم ملک شام کے راستہ میں ایک گھر میں کھانا کھانے بیٹھے کہ اَچانک چراغ گُل ہوگیا، ہم میں سے ایک ساتھی باہر چراغ لینے گیا، جب وہ چراغ لے کر واپس آیا اور چراغ کی روشنی میں میری نظر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے چہرے پر پڑی، تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی پوری داڑھی آنسوؤں سے تر ہے، یہ دیکھ کر میں نے سمجھ لیا کہ اِسی خوف وخشیت کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو یہ مقام قبولیت حاصل ہوا ہے۔ شاید اُنہوں نے اندھیرے سے قیامت کی اندھیریوں کا تصور کرلیا ہوگا جس کی بنا پر رقت طاری ہوگئی۔ (مقدمہ کتاب الزہد ص:۴۵)

مقبولیت عنداللہ کے لئے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہونا لازم ہے، بغیر خوف وخشیت کے انسان گناہوں سے بچ نہیں سکتا اور جو گناہوں سے نہ بچ سکے وہ خواہ کتنا ہی مقبولیت کا ڈھونگ رچائے، حقیقی مقبولیت کی ہوا بھی نہیں پاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ خوف وخشیت

نہایت قابل قدر ہے، قرآنِ کریم میں اہلِ جنت کی جو اہم صفات بیان کی گئی ہیں اُن میں خوف وخشیت کی صفت بھی امتیازی شان رکھتی ہے۔ سورۃ النازعات میں فرمایا گیا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى. فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى. (النازعات: ٤٠-٤١)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اُس کا ٹھکانہ ہوگا۔

اور سورۂ مؤمنون میں اِرشاد فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُوْنَ. (المؤمنون: ٥٧)

البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں (وہی جنت الفردوس کے مستحق ہیں)

اِسی طرح اَصحابِ معرفت علماء کا وصفِ خاص یہ بیان کیا گیا:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا. (الفاطر، جزء آیت: ٢٨)

اللہ سے ڈرتے ہیں اُس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ''عالم وہ شخص ہے جو خلوت اور جلوت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور جس چیز کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ترغیب دی ہے، وہ اُس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہو اُس کو اُس سے نفرت ہو''۔ (معارف القرآن ۷/۳۳۷)

حضرت ربیع بن انسؒ نے فرمایا کہ ''جس کے دل میں اللہ کی خشیت نہ ہو وہ عالم کہلانے کے لائق نہیں ہے''۔ (تفسیر قرطبی ۷/۳۰۷)

اور سیدنا حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''بہت سی باتیں بیان کر دینے کا نام علم نہیں؛ بل کہ علم وہ ہے جس کے ساتھ خشیت کی زیادتی ہو''۔ (معارف القرآن ۷/۳۳۷)

حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ ہے کہ ''اللہ کا خوف ہی انسان کو عبادت کا حوصلہ اور قوت بخش سکتا ہے''۔ (العلم والعلماء ص: ۳۵۸)

اللہ کے خوف سے رونا

اللہ تعالیٰ کی خشیت سے دل نرم ہوجاتے ہیں جس کا اظہار گرم گرم آنسوؤں سے ہوتا ہے، پھر یہ آنسو کے قطرات زندگی بھر کے گناہوں کی آگ کو لمحوں میں بجھا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو خشیت کے اثر سے نکلے ہوئے آنسو کے قطرے بڑے محبوب اور پسندیدہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اللہ کی خشیت سے اُس کی آنکھیں بھر آئیں؛ یہاں تک کہ زمین پر اُس کے آنسو گر پڑے، تو اُس کو قیامت میں عذاب نہیں دیا جائے گا''۔ (رواہ الحاکم، الترغیب والترہیب مکمل ص: ۶۸۷ رقم: ۴۹۸۲)

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص اللہ کے خوف سے رویا ہوگا وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا؛ یہاں تک کہ جانور کے تھن سے نکلا ہوا دودھ دوبارہ تھن میں نہ چلا جائے''۔ (رواہ الترمذی رقم: ۱۶۳۳، الرقۃ والبکاء ۴۱، الترغیب والترہیب مکمل: ۶۸۸ رقم: ۴۹۸۶)

(یعنی جس طرح تھن میں دوبارہ دودھ جانا محال ہے، اسی طرح اُس شخص کا جہنم میں جانا بھی محال ہے)''۔

اور سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ﴾ [النجم: ۹۰] (کیا اِس بات سے تم تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو) تو اِسے سن کر ''اَصحابِ صفہ'' اتنا روئے کہ اُن کے آنسو اُن کے چہروں اور رخساروں پر بہنے لگے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آواز سنی تو آپ کو رونا آ گیا اور آپ کو روتا دیکھ کر سب اہل مجلس بھی گریہ وبکاء میں مبتلا ہوگئے، اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ کے ڈر سے رونے والا جہنم میں نہ جائے گا اور گناہ پر اِصرار کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا اور اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم پیدا فرمائیں گے جو گناہ کرے گی، پھر اللہ تعالیٰ اُسے مغفرت سے سرفراز فرمائیں گے (تاکہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ غفاری کا ظہور ہو)۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، الترغیب والترہیب مکمل ص: ۶۸۸ رقم: ۴۹۸۷ بیت الافکار الدولیۃ)

پیغمبر علیہ السلام کی خشیت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ صفتِ خشیت سے متصف تھے۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ: ''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس حال میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ مبارکہ سے ایسی آواز آرہی تھی گویا کہ چکی چل رہی ہو''۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: ''ایسی آواز تھی گویا کہ دیگچی میں کوئی چیز پک رہی ہو''۔ (الترغیب والترہیب مکمل ص:۶۸۹ رقم:۴۹۹۷ بیت الافکار الدولیۃ)

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہوئے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ: ''دو عظیم چیزوں کو کبھی مت بھولنا'' ہم نے عرض کیا کہ وہ دو عظیم چیزیں کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''(۱) جنت (۲) اور جہنم''۔ اُس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے بعض حالات ذکر فرمائے، پھر اِس قدر روئے کہ آپ کے مبارک آنسو آپ کی داڑھی کے دونوں طرف بہنے لگے اور اَخیر میں یہ اِرشاد فرمایا کہ: ''اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اگر تمہیں آخرت کے اُن حالات کا علم ہوجائے جن کو میں جانتا ہوں تو تم (ناز ونعم چھوڑ کر) جنگلوں میں چلے جاؤ اور اپنے سروں کو خاک آلود بنالو''۔ (الرقۃ والبکاء ص:۹۷)

حضرت سالم بن عبداللہ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی کبھی یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ أَرْزُقْنِي عَيْنَيْنِ هَطَّالَتَيْنِ تَبْكِيَانِ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ وَتَشْفِيَانَنِي مِنْ خَشْيَتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَكُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَالأَضْرَاسُ جَمْرًا.

(الرقة والبكاء ص: ۵۸)

اے اللہ! آپ مجھے ایسی آنکھیں عطا فرمائیں جو آپ کے ڈر کی وجہ سے بہت زیادہ آنسو بہا کر میرے دل کو سکون بخشیں، قبل اِس کے کہ آنسو خون میں اور ڈاڑھیں خشک ٹھیکروں میں تبدیل ہوجائیں (یعنی موت آجائے)

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رقت قلبی

اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ انتہائی رقیق القلب تھے، بالخصوص قرآنِ کریم کی تلاوت کے وقت آپ بے قابو ہو جاتے۔ (حلیۃ الاولیاء ۱/۳۰، الرقۃ والبکاء ص:۱۵)

اور ساتھ میں خوف وخشیت کا حال یہ تھا کہ کبھی فرماتے ''کاش میں ایک پودا ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا''۔ کبھی اپنی زبان پکڑ کر فرماتے: ''اِسی نے خطرہ کے مواقع پر لا کھڑا کیا ہے''۔ (العلم والعلماء ص:۱۴۶)

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جذبۂ خوف وخشیت

اَمیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِس قدر روتے تھے کہ آپؓ کے چہرۂ اَنور پر آنسوؤں سے دو کالی دھاریاں بن گئی تھیں، کبھی آپ زمین سے تنکا اُٹھاتے اور فرماتے: ''کاش! میں یہ تنکا ہوتا، کاش! میری پیدائش ہی نہ ہوئی ہوتی، کاش! میری ماں نے مجھے جنا نہ ہوتا، کاش! میں کچھ بھی نہ ہوتا، کاش! میرا نام ونشان بھی نہ ہوتا''۔ آپ کا یہ مقولہ مشہور تھا کہ: ''اگر میدانِ حشر میں یہ اعلان ہونے لگے کہ اے لوگو! ایک آدمی کے سوا تم سب لوگ جنت میں چلے جاؤ، تو مجھے خطرہ ہے کہ وہ رہ جانے والا آدمی شاید میں ہی ہوں۔ اگر یہ اعلان ہونے لگے کہ اے جہنمیو! ایک آدمی کے سوا تم سب جہنم سے نکل جاؤ! تو مجھے اُمید ہے کہ وہ ایک آدمی میں ہی ہوں گا''۔ (العلم والعلماء ص:۱۶۵)

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تضرع وزاری

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شدتِ خشیت کا اَندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اِتنا روئے کہ میں نے خود دیکھا کہ آپ اپنے آنسوؤں کو چلو میں بھر بھر کر دوسری طرف ڈال رہے تھے''۔ (العلم والعلماء ص:۲۰۱)

سیدنا حضرت زین العابدینؒ کی خشیت

خانوادۂ نبوت کے چشم وچراغ سیدنا حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ جب وضو فرماتے تو آپ کا رنگ پیلا پڑ جاتا، گھر والے پوچھتے کہ ''یہ کیا ماجرا ہے؟'' تو آپ جواب دیتے کہ ''تمہیں کیا پتہ کہ میں کس کے سامنے کھڑے ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں؟'' اور آپ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو کپکپی طاری ہوجاتی۔ پوچھا گیا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: ''تمہیں پتہ نہیں میں کس کے سامنے کھڑا ہوکر مناجات کروں گا؟'' (العلم والعلماء ص:۲۷۴)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خشیت کا عالم

خلیفۂ راشد سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ روئے، اُنہیں دیکھ کر اُن کی اہلیہ فاطمہ بھی رونے لگیں اور دیگر گھر کے لوگ بھی رونے لگے؛ مگر یہ کسی کو پتہ نہ تھا کہ کیا چیز رُلانے کا سبب بنی؟ جب اِفاقہ ہوا تو فاطمہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اَمیر المؤمنین! آپ کس وجہ سے روئے تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''مجھے یہ تصور آ گیا تھا کہ ایک دن ساری کائنات کے لوگ اللہ رب العزت کے سامنے حاضر ہوں گے اور اُن میں ایک فریق جنتی ہوگا اور ایک جہنمی''۔ اور یہ فرما کر ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ (العلم والعلماء ص:۲۸۷)

حضرت اِمام اعظم اَبوحنیفہؒ کے چند واقعات

اِمام اَعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کے رونے کی آوازرات میں گھر کے باہر تک سنائی دیتی؛ حتیٰ کہ آپ کے پڑوسی آپ کی حالت پر ترس کھانے لگتے تھے۔

حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ ''اللہ کی قسم ہم نے اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجالست ومصاحبت اختیار کی، جب میں آپ کے چہرے کو دیکھتا تھا، تو فوراً مجھے احساس ہوجاتا تھا کہ وہ اللہ رب العزت سے ڈرنے والے ہیں''۔

حضرت قاسم بن معنؒ کا بیان ہے کہ ''ایک مرتبہ رات میں اِمام اَبوحنیفہؒ نے یہ آیت پڑھی: ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهَى وَاَمَرُّ﴾ [القمر: ٤٦] (بل کہ قیامت ہے اُن کے وعدہ کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور بہت کڑوی) تو پوری رات نہایت گریہ وزاری کے ساتھ یہی آیت دہراتے رہے''۔ (عقود الجمان ص:۲۲۴)

حضرت عبدالرزاق بن ہمامؒ کہتے ہیں کہ ''میں جب بھی اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتا تو آپ کی آنکھوں اور رخساروں پر رونے کے آثار محسوس کرتا تھا''۔

یزید بن کمیتؒ جو خود بھی اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ: ''اِمام اَبوحنیفہؒ اللہ تعالیٰ سے انتہائی خشیت فرمانے والے تھے''۔

ایک مرتبہ علی بن حسین موذن نے عشاء کی نماز میں سورۂ زلزال پڑھائی، اِمام اَبوحنیفہؒ بھی جماعت میں شریک تھے، جب نماز ختم ہوئی اور لوگ چلے گئے، تو میں نے اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ متفکر بیٹھے ہیں اور اُن کا سانس تیز چل رہا ہے، میں نے سوچا کہ مجھے یہاں سے اُٹھ جانا چاہئے؛ تاکہ اُن کی یکسوئی میں کوئی خلل نہ آئے؛ چناں چہ میں چراغ جلتا چھوڑ کر مسجد سے چلا آیا، پھر صبح صادق کے وقت میں مسجد پہنچا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہیں اور اپنی داڑھی پکڑ کر یہ دعا کر رہے ہیں کہ ''اے وہ ذات جو رائی کے دانے کے برابر بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دیتی ہے اور اے وہ ذات جو رائی کے دانے کے برابر برائی کا بدلہ برائی سے دینے والی ہے، تو اپنے بندے نعمان (ابوحنیفہؒ) کو جہنم اور جہنم سے قریب کرنے والی چیزوں سے نجات عطا فرما اور اُسے اپنی وسعت رحمت میں داخل فرما''۔ (عقود الجمان ص:۲۲۵)

یحییٰ بن نصرؒ کہتے ہیں کہ ''میرے والد صاحب اِمام اَبوحنیفہؒ کے دوست تھے، جس کی بنا پر میں کبھی کبھی اِمام صاحبؒ کے یہاں رات میں سو جاتا تھا، تو میں دیکھتا کہ اِمام اَبوحنیفہؒ پوری رات نماز میں مشغول رہتے اور میں چٹائی پر اُن کے آنسوؤں کے گرنے کی آواز اِس طرح سنا کرتا تھا؛ گویا کہ بارش ہو رہی ہو''۔ (عقود الجمان ص:۲۳۰)

مؤمن اللہ کی یاد میں نہ روئے تو کیا کرے؟

حضرت حمزہ اعمیؒ فرماتے ہیں کہ میری والدہ مجھے حضرت حسن بصریؒ کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا کہ حضرت! میں اپنے اِس بچے کو آپ کی خدمت میں چھوڑنا چاہتی ہوں، ہوسکتا ہے کہ اس سے اسے نفع ہو۔ حمزہ کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ نے اِجازت دے دی؛ چناں چہ میں حضرت کے پاس آنے جانے لگا، تو ایک دن آپ نے مجھ سے فرمایا کہ: ''بیٹے! آخرت کی بھلائی حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ فکرمند رہا کرو، اُمید ہے کہ تم اپنے مقصد تک پہنچ جاؤ گے۔ اور تنہائی کے لمحات میں رویا کرو، اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حالت پر مطلع ہوکر تمہارے آنسو بہانے پر ترس کھائیں گے، پھر تم کامیاب اور بامراد ہوجاؤ گے''۔

حمزہ کا بیان ہے کہ خود حضرت حسنؒ کا حال یہ تھا کہ کبھی جب میں اُن کے گھر جاتا تو اُنہیں روتا ہوا پاتا۔ اِسی طرح کبھی لوگوں کے مجمع میں اُن پر رقت طاری ہوتے دیکھتا اور کبھی نماز پڑھنے کی حالت میں اُن کے رونے کی آواز سنائی دیتی، مجھ سے یہ کیفیت دیکھ کر رہا نہ گیا، بالآخر ہمت کرکے ایک دن میں نے پوچھا کہ ''حضرت! آپ آخر اتنا زیادہ کیوں روتے ہیں؟'' یہ سن کر آپ پر گریہ طاری ہوگیا اور فرمایا: ''بیٹے! اگر مؤمن نہ روئے تو آخر کیا کرے؟ میرے عزیز! یہ رونا ہی رحمت کی طرف دعوت دینے والا ہے، اِس لئے اگر تم سے یہ ہوسکے کہ تمہاری ساری عمر بس روتے ہی گذر جائے تو ایسا ضرور کرلینا؛ کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں اِس حال میں دیکھیں گے تو تم پر نظر رحمت فرمائیں گے پھر تم جہنم سے نجات پاجاؤ گے''۔ (الرقۃ والبکاء ص:۵۵-۵۶)

رونا کیسے آئے؟

احمد بن اسحٰق حضرمیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مشہور بزرگ حضرت صالح المریؒ سے یہ اِرشاد سنا ہے کہ: ''رونے کے اَسباب متعدد ہیں:

(۱) اپنے گناہوں کے بارے میں غور کرنا۔

(۲) اگر دل اُس پر نرم ہوجائے تو فبہا، ورنہ آدمی میدانِ حشر اور قیامت کے ہوش ربا حالات پر غور کیا کرے۔

(۳) اگر اِس پر بھی رقت نہ طاری ہو تو پھر جہنم اور اُس کے ہولناک حالات کا تصور کرے۔

یہ اِرشاد فرما کر حضرت صالح نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوگئے اور اہل مجلس میں بھی چیخ وپکار مچ گئی۔ (الرقۃ والبکاء لابن ابی الدنیا ص:۶۲)

حضرت مکحول فرماتے ہیں کہ: ''جو شخص جتنا کم گنہگار ہوگا اُتنا ہی اُس کا دل نرم ہوگا''۔ (الرقۃ والبکاء ص:۷۵)

رونے کا اِخفاء

محمد بن واسعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ اُن میں سے کوئی شخص اپنی رقت کو اِس قدر مخفی رکھتا ہے کہ سوتے وقت اگرچہ وہ اور اُس کی بیوی ایک تکیہ پر سر رکھتے تھے اور اُس شخص کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں سے اُس کے رخساروں کے نیچے تکیہ کا حصہ بھیگ جاتا تھا؛ مگر اُس کی بیوی کو اُس کے رونے کا احساس نہ ہوتا تھا۔ اور ایسے حضرات کو بھی میں نے دیکھا ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھنے کے لئے صف میں کھڑا ہوتا تھا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے تھے؛ مگر قریب میں کھڑے ہونے والے کو اُس کے رونے کا احساس تک نہ ہو پاتا تھا (یعنی کمالِ ضبط میں رونے کی معمولی آواز بھی نہ نکلتی تھی) (الرقۃ والبکاء ص:۱۳۵)

قابلِ رشک بے قراری

مشہور عابد وزاہد بزرگ حضرت زہیر سلولی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبیلۂ ''بلعنبر'' کا ایک شخص ہر وقت رویا کرتا تھا، تو اُس سے ایک دوسرے شخص نے جو اُس کا دوست تھا جھڑک کر کہا کہ ''آخر کیا بات ہے کہ تم ہر وقت روتے ہی رہتے ہو؟'' تو اُس شخص نے روتے ہوئے جواب میں یہ اشعار پڑھے:

بَكَيْتُ عَلَى الذُّنُوْبِ لِعُظْمِ جُرْمِيْ ❖ وَحُقَّ لِكُلِّ مَنْ يَّعْصِيْ الْبُكَاءُ
فَلَوْ كَانَ الْبُكَاءُ يَرُدُّ هَمِّيْ ❖ لَأَسْعَدَتِ الدُّمُوْعُ مَعًا دِمَاءُ

(میں اپنے عظیم جرم کی وجہ سے گناہوں پر روتا رہتا ہوں اور جو بھی اللہ کا نافرمان ہو اُس پر رونا لازم ہے، پس اگر یہ یقین ہو جائے کہ یہ رونا میری مشکلات کو ٹلا دے گا تو (رونے میں) خون کے قطرات آنسوؤں کا ساتھ دینے کو تیار ہو جائیں گے)

یہ شعر پڑھ کر وہ شخص روتے روتے بے ہوش ہو گیا اور اُس کا دوست اُسے چھوڑ کر چلتا بنا۔ (الرقۃ والبکاء ص:۱۴۲)

یہ اللہ کے اُن مقبول بندوں کے کردار کی چند جھلکیاں ہیں جو اپنے دور میں لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے اور جن کی چشم اَبرو پر کتنے انسان مر مٹنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ واقعی جو اللہ سے ڈرتا ہے تو پھر ساری کائنات اُس کی تابع فرمان ہو جاتی ہے۔

ہمارے اکابر بھی خوف وخشیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، وہ اگرچہ اپنے کمالِ اخلاص کی وجہ سے عام طور پر خشیت کے آثار کو لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دیتے تھے؛ لیکن اُن کے معاملات، طرز عمل اور زندگی کی ہر ہر اَدا سے اِس بات کا واضح طور پر اظہار ہوتا تھا کہ اُن کا دل جذبۂ خشیت سے پوری طرح معمور ہے اور وہ اپنے ہر کام میں آخرت کی باز پرس کا خیال رکھتے تھے۔ اور کبھی کمالِ ضبط کے باوجود خشیت اور گریۂ وبکا کا اِس طرح اظہار بھی ہو جاتا کہ سننے والوں کا کلیجہ پھٹنے لگتا۔

حضرت گنگوہیؒ کا مبارک حال

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اِمام ربانی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> ”سچے علم کا ثمرہ یعنی بے نیاز خدا کا خوف اور خشیت جیسا آپ کے قلب میں تھا، شاید زمانہ کی آنکھوں نے کہیں نہ دیکھا؛ مگر ضبط اِس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ اظہار مشکل تھا، جس وقت اَخیر شب میں تحریمہ باندھ کر اپنے خدا کے سامنے کھڑے

ہوتے اور دست بستہ عرض معروض شروع فرماتے، تو آپ پر وہ حالت نمایاں ہوتی تھی جو شہنشاہ کے حضور میں حاضر ہوتے وقت غلام پر ہونی چاہئے، بسا اَوقات آپ پر گریہ طاری ہوجاتا، آواز بھرّ اجاتی، ہچکی بندھ جاتی، آنکھوں سے آنسوؤں کے تار موتیوں کی لڑیاں بن کر بہتے اور سارے بدن پر ایک رعشہ پیدا ہوجاتا تھا، شہنشاہی فرمان یعنی مقدس قرآن کی آیات آپ پڑھتے اور تغیر حال کے سبب رک جاتے تھے، پھر شروع فرماتے اور پھر ٹھہر جاتے تھے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک آیتِ شریفہ پر آپ نے صبح کردی کہ اُس کو بار بار دہراتے اور اِعادہ فرماتے تھے''۔ (تذکرۃ الرشید ص:۱۹۱)

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کا الحاح وزاری

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ اگرچہ انتہائی عدیم الفرصت تھے اور پورا دن درس وتدریس، ضیافت اور قومی وملی اُمور کی تکمیل میں گذرتا تھا؛ لیکن بایں ہمہ نماز تہجد کی ایسی پابندی تھی کہ سفر یا حضر میں کبھی اِس معمول میں فرق نہ آتا اور اُس وقت آپ پر ایسا گریہ وبکا کا عالم طاری ہوتا جو اَلفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا تھا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ''آپ بیتی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے اکابر میں اپنے والد صاحبؒ اور حضرت مدنی قدس سرہٗ کو اَخیر شب میں بہت ہی آواز سے روتے سنا، بسا اَوقات اِن اکابر کے رونے سے مجھ جیسے کی آنکھ بھی کھل جاتی، جس کی آنکھ سونے کی بعد بڑی مشکل سے کھلتی ہے۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ ہندی کے دوہے درد سے پڑھا کرتے تھے، میں ہندی سے واقف نہیں، اِس لئے مضامین کا تو پتہ نہیں چلتا تھا؛ لیکن رونے کا منظر اَب تک کانوں اور دل میں ہے، جیسے کوئی بچہ کو پیٹ رہا ہو اور وہ رو رہا ہو''۔ (آپ بیتی ۱۰۶/۴)

فدائے ملت حضرت اَقدس مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ حضرت شیخ الاسلامؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''آپ اخیر شب میں اپنے کمرے میں تشریف لاکر تہجد میں مصروف ہوجاتے، اگر میرا کبھی اُس وقت آپ کے کمرے میں جانا ہوا تو اکثر آپ کو زاروقطار روتے دیکھا، پاس ہی تولیہ رکھا رہتا تھا وہ اِس طرح تر ہوجاتا تھا کہ جیسے کسی نے اُسے ابھی دھوکر ڈال دیا ہو''۔(حیرت انگیز واقعات ص:۸۴)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک نہایت قیمتی ملفوظ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب علم حقیقی کی علامت خشیت اللہ ہے، تو ہر عالم یا طالبِ علم کو بار بار اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ یہ علامت اُس میں پیدا ہوئی یا نہیں؟ اور مثال دے کر فرماتے کہ جب کوئی مسافر ریل گاڑی میں سوار ہوکر کسی منزل کی طرف روانہ ہوتا ہے تو وہ بار بار کھڑکی سے منہ نکال کر دیکھتا ہے کہ اَب کون سا اسٹیشن آیا ہے؟ اگر وہی اسٹیشن راستے میں پڑ رہے ہیں جو منزل مقصود کے راستے میں آیا کرتے ہیں تو مطمئن ہوجاتا ہے اور اُنہی اسٹیشنوں سے اندازہ لگاتا ہے کہ منزل کتنی دور ہے؟ اور اگر اسٹیشن ایسے نامانوس آنے لگیں جو اُس منزل کے راستے میں نہیں پڑتے، تو سمجھ جاتا ہے کہ گاڑی کسی اور رخ پر جارہی ہے اور گھبرا کر گاڑی بدلنے کی فکر کرتا ہے۔ اِسی طرح علم کے مسافر کو بار بار اپنے دل کی کھڑکی میں جھانک کر دیکھنا چاہئے کہ ''خشیت اللہ'' کا اسٹیشن آیا یا نہیں، اگر اُس اسٹیشن کے کچھ آثار معلوم ہوتے ہیں تو سفر صحیح سمت میں ہورہا ہے؛ لیکن اگر خشیت، تواضع، اِنابت الی اللہ اور اتباعِ سنت کے بجائے بے فکری، تکبر وانانیت، حبِ جاہ ومال اور نفس پرستی کے اسٹیشن آرہے ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اِنسان کسی غلط گاڑی میں سوار ہے اور یہ گاڑی اُسے علم کی اُس منزل تک نہیں پہنچاسکتی جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلوب ہے۔(میرے والد میرے شیخ ص:۱۳۸)

ایک اہم ترین مسنون دعا

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں تشریف فرما ہوں اور اُٹھنے سے پہلے صحابہؓ کے لئے درج ذیل دعائیں نہ فرمائیں (یعنی بکثرت آپ علیہ السلام کی زبانِ مبارک پر یہ دعائیہ کلمات رہتے تھے)

اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا يَحُوْلُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ، وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا، وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا، وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا، وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا، وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا، وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا. (سنن الترمذي / أبواب الدعوات رقم: ۳۵۰۲)

اے اللہ ہمیں اپنا اتنا خوف نصیب فرمایئے، جو ہمارے اور آپ کی نافرمانیوں کے درمیان حائل ہوجائے اور اپنی اتنی فرماں برداری عطا فرمایئے جس کے سبب آپ ہم کو اپنی جنت تک پہنچادیں اور وہ یقین عطا فرمایئے جس کی وجہ سے آپ دنیا کی مصیبتوں کا جھیلنا ہم پر آسان کردیں۔ اور ہمیں تا زندگی اپنی سماعتوں اور بصارتوں اور دیگر صلاحیتوں سے مستفید ہوتے رہنے کی توفیق عطا فرمایئے اور اُن نعمتوں کے فوائد وثمرات ہمارے بعد تک باقی رکھئے، اور ہم پر ظلم کرنے والے سے آپ خود ہی انتقام لے لیجئے اور ہمارے دشمن کے مقابلے میں ہماری مدد فرمایئے اور ہمارے دین میں کوئی رکاوٹ اور مصیبت مت ڈالئے اور دنیا کو ہمارا سب سے بڑا مقصود اور علم کی انتہا مت بنایئے اور ہم پر ایسے حکام مسلط مت فرمایئے جو ہم پر رحم نہ کرے، آمین۔

یہ دعا اِس قابل ہے کہ معنی کا استحضار رکھ کر ہم اس کا ورد کیا کریں، اللہ تعالیٰ اِس دعا کو ہم سب کے حق میں قبول فرمائیں، آمین۔

❍❖❍

۹

علماء کرام کے لئے کچھ کارآمد باتیں

مشہور مصنف اِمام اَبوعمر یوسف بن عبدالبر قرطبی اندلسیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) نے علم دین کی اہمیت اور علماء کے فضائل اور اُن کی ذمہ داریوں سے متعلق ایک جامع ترین کتاب ''جامع بیان العلم وفضلہٖ'' کے نام سے تالیف فرمائی ہے، جو اپنی جامعیت کے اعتبار سے ایک شاہکار کتاب قرار دی گئی ہے، بعد میں بیروت (لبنان) کے ایک عالم جلیل شیخ احمد بن عمر المحمصانی (المتوفی ۱۳۴۹ھ) نے اِس وقیع کتاب کو مختصر کرنے کا کام انجام دیا، موصوف نے غیر ضروری اَسانید اور مکررات کو حذف کر کے کتاب سے استفادہ کو آسان بنادیا۔ احقر کو اِس کتاب کے مطالعہ کی سعادت ملی، تو مطالعہ کے دوران کچھ مفید باتیں احقر نے نوٹ کرلیں اور آسانی کے لئے عنوانات لگادئے اور کہیں کہیں کچھ تشریح بھی کردی، اُمید ہے کہ اِن قیمتی جواہر پاروں سے قارئین کو فائدہ ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیں:

علم کا خلاصہ

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: لوگوں کے علم کا خلاصہ سب کا سب صرف چار باتوں میں ہے:

(۱) یہ کہ آدمی اپنے رب کو پہچانے۔

(۲) یہ کہ آدمی یہ جانے کہ رب العالمین نے اُس کے ساتھ کیا کیا احسانات فرمائے ہیں؟

(۳) یہ جانے کہ رب اُس سے کیا چاہتا ہے؟

(۴) اور یہ پہچانے کہ کن باتوں سے وہ رب کی نافرمانی سے نکل سکتا ہے؟ (مختصر جامع بیان العلوم ص: ۲۷-۲۸)

مطلب یہ ہے کہ جو علم مذکورہ چار باتوں کی طرف اِنسان کی رہنمائی کرے اور اُن پر عمل کرنے کی طرف راغب کرے، وہی علم دراصل نفع بخش ہے۔ اور جس علم سے یہ باتیں حاصل نہ ہوں وہ حقیقی معنی میں علم کہلائے جانے کے لائق نہیں۔

علم کیسے حاصل ہوگا؟

حضرت اِمام مالکؒ فرماتے تھے کہ ''یہ علم اُس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ کچھ نہ کچھ فقر و فاقہ اور تنگ دستی کا ذائقہ نہ چکھ لے''۔ (مختصر جامع بیان العلوم ص: ۸۸)

حضرت اِمام شافعیؒ نے فرمایا کہ ''جو شخص علم دین مالی وسعت اور اپنے اعزاز کے ساتھ حاصل کرے گا وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ اِس کے برخلاف جو شخص ذلت و عاجزی تنگ دستی اور علم کے اِکرام کے ساتھ اُسے حاصل کرے گا وہی کامیاب ہوگا''۔ (مختصر جامع بیان العلوم ص: ۸۹)

تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ ناز و نعم اور فارغ البالی میں علم دین پڑھنے والے طلبہ عموماً علمی گیرائی حاصل نہیں کر پاتے؛ کیوں کہ مالی وسعت کی وجہ سے اُن کی توجہات علم سے زیادہ آسائش و زیبائش کی طرف لگی رہتی ہیں۔ اِس لئے مال دار گھرانہ کے طلبہ کے سرپرستوں کو چاہئے کہ وہ طالب علمی کے زمانہ میں اُن کے پاس جیب خرچ کی زیادہ رقم نہ رہنے دیں۔

صبر، زہد اور تواضع کی حقیقت

ابراہیم ابن اشعث رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے مشہور عارف باللہ حضرت فضیل بن

عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ''مصیبت پر صبر کا مطلب کیا ہے؟'' تو اُنہوں نے جواب دیا کہ: ''صبر کا مطلب یہ ہے کہ تم اُن مصیبتوں کو کسی سے بیان نہ کرو''۔

پھر میں نے ''زہد'' کی حقیقت پوچھی تو اُنہوں نے فرمایا کہ: ''زہد قناعت کا نام ہے اور یہی اصل میں غنیٰ ہے''۔

اُس کے بعد میں نے ''ورع'' کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ: ''گناہوں اور محرمات سے بچنے کا نام ورع ہے''۔

اِسی طرح میں نے جب تواضع کی حقیقت کے بارے میں معلوم کیا تو حضرت نے فرمایا کہ: ''تواضع یہ ہے کہ تم حق بات سامنے آنے پر سرِ تسلیم خم کردو؛ اگرچہ اُس حق بات کا بیان کرنے والا شخص لوگوں میں سب سے بڑا جاہل کیوں نہ ہو؟'' (یعنی یہ نہ دیکھو کہ کہنے والا کون ہے؛ بلکہ اُس کی کہی ہوئی بات پر دھیان دو، اگر وہ حق ہو تو اُسے قبول کرنے میں تأمل نہ کرو، یہی تواضع ہے) (مختصر جامع بیان العلم ص:۹۴)

تین نصیحتیں

سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے! لوگوں کو دکھلانے، اُن سے جھگڑا کرنے یا فخر ومباہات کے لئے کبھی علم مت حاصل کرنا۔ اور تین باتوں کی وجہ سے کبھی علم کی تحصیل میں کوتاہی مت کرنا۔

(۱) ناواقف رہنے کا شوق۔

(۲) علم سے بے رغبتی۔

(۳) اور علم سیکھنے سے شرم۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۹۷)

یعنی مذکورہ تین باتوں کی وجہ سے علم حاصل کرنا مت چھوڑنا۔

علم کے ساتھ حلم کی اہمیت

سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اِرشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے دنیا میں یقین (کامل) سے کم کوئی چیز نہیں اُتاری اور لوگوں میں سب سے زیادہ کم ''صفتِ حلم'' تقسیم فرمائی ہے اور کوئی چیز دوسری چیز سے مل کر اتنی مزین اور خوب صورت نہیں ہوتی جتنی ''صفتِ علم'' حلم کے ساتھ مل کر مزین ہوتی ہے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۱۴)

یعنی جس شخص میں کمالِ علم کے ساتھ بردباری اور ناگوار باتوں پر تحمل کی صفت بھی پائی جائے تو اُس کی عزت وشرافت میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔

عالم کامل کی تین پہچان

علماء سے یہ بات منقول ہے کہ کوئی شخص اُس وقت تک صحیح معنی میں عالم کہلائے جانے کے لائق نہیں ہے جب تک کہ اُس میں تین صفات نہ پائی جائیں:

(۱) علم میں اپنے سے کم تر کو حقیر نہ سمجھے۔

(۲) اپنے سے برتر سے حسد نہ رکھے۔

(۳) اور اپنے علم پر کوئی قیمت نہ لے۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۱۹)

منصف مزاجی

علامہ ابن عبدالبر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''علم کے آداب وبرکات میں سے یہ بات ہے کہ آدمی منصف مزاج ہو؛ کیوں کہ جو شخص منصف نہ ہو، تو نہ تو وہ خود سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی اُسے سمجھایا جاسکتا ہے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۱۹)

اِمام محمد بن عمر واقدیؒ فرماتے ہیں کہ میں خود حضرت امام مالکؒ سے سنا کہ: ''جب عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور حج کے لئے آئے، تو اُنہوں نے مجھے بلا کر یہ پیش کش کی کہ میرا اِرادہ یہ ہے کہ میں آپ کی تالیف ''مؤطا'' کے مختلف نسخے تیار کرا کے اُس کا ایک ایک نسخہ عالم اسلام کے بڑے بڑے شہروں میں بھجوادوں اور وہاں کے لوگوں کو اِس کا پابند بناؤں کہ وہ ہر معاملہ میں اِسی کتاب

کا اتباع کریں اور اِس کے خلاف جو آراء واَقوال ہیں اُنہیں ترک کردیں؛ اس لئے کہ اِس کتاب میں تمام باتیں اہل مدینہ سے مروی ہیں، جو نہایت درجہ قابل اعتبار ہیں''۔

اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِس پیش کش پر میں نے جواب دیا کہ ''اَمیر المؤمنین! آپ اِس کا ہرگز اِرادہ نہ فرمائیں؛ اِس لئے کہ مختلف علاقوں میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر معتبر علماء کے اَقوال وآراء پہلے ہی پہنچ چکے ہیں اور ہر علاقہ کے لوگ عرصۂ دراز سے اُن پر عمل کرتے آرہے ہیں، اَب اُنہیں اُن کے عقیدہ سے ہٹانا بہت مشکل ہوگا، اِس لئے لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیجئے اور جس رائے پر وہ عمل کرتے آرہے ہیں اُنہیں اُسی پر عمل کرنے دیجئے''۔ یہ سن کر خلیفہ منصور نے کہا کہ قسم بخدا! اگر آپ میری پیش کش قبول کرلیتے تو میں اُس کی تعمیل کردیتا۔ (مختصر جامع بیان العلوم ص:۱۲۱)

اِس واقعہ سے اِمام مالکؒ کی انصاف پسندی کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جھک بازی سے پرہیز

حضرت اِمام مالکؒ کا مقولہ ہے کہ ''جھک بازی سے دل سخت ہوجاتے ہیں اور اُس سے کینہ کی پرورش ہوتی ہے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۲۳)

یعنی خواہ مخواہ بحث بازی اور کٹ حجتی سے پرہیز کرنا چاہئے، جس بات کو حق سمجھے اُسے ظاہر کردے؛ لیکن اُس پر پیچ نہ کرے۔

چار کاموں سے ناگواری نہیں ہونی چاہئے

علماء کا مقولہ ہے کہ چار کاموں سے شریف آدمی کبھی اپنی بے عزتی محسوس نہیں کرتا:

(۱) اپنے والد کے لئے اپنی مخصوص نشست گاہ سے کھڑے ہونے سے۔

(۲) اپنے مہمان کی خدمت کرنے سے۔

(۳) اپنی سواری (گھوڑے وغیرہ) کی دیکھ ریکھ سے؛ اگرچہ اُس کے خدام موجود ہوں۔

(۴) اور اپنے اُستاذ کی خدمت گذاری سے؛ تاکہ اُس سے علم حاصل کر سکے۔ (مختصر جامع بیان العلم ص: ۱۲۵)

سیدنا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا حکیمانہ اِرشاد

رجاء بن حیوۃؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اِرشاد فرمایا کہ ''علم تو سیکھنے ہی سے آتا ہے اور بردباری کے لئے اُس کی مشق کرنی پڑتی ہے۔ اور جو خیر کا طالب اور مشتاق ہوتا ہے اُسے خیر عطا ہوتی ہے اور جو برائی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اُسے برائی سے بچالیا جاتا ہے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص: ۱۲۵)

جاہل کی تین علامتیں

سیدنا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جہالت کی تین علامتیں ہیں:

(۱) اپنے کو اچھا سمجھنا۔

(۲) فضول گوئی کرنا۔

(۳) اپنی بیان کردہ نصیحت پر خود عامل نہ ہونا۔ (مختصر جامع بیان العلم ص: ۱۳۴)

یعنی جس شخص میں مذکورہ تین باتیں پائی جائیں وہ گو کہ عالم کہلاتا ہو؛ مگر دراصل وہ جاہلانہ باتوں میں مبتلا ہے۔

حبِ جاہ کی نحوست

حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ جو شخص بھی ''حبِ جاہ'' میں مبتلا ہوگا، اُس میں درج ذیل برائیاں ضرور پائی جائیں گی:

(۱) وہ دوسرے ہم عصر لوگوں سے حسد کرے گا۔

(۲) اُس میں سرکشی کے جذبات پروان چڑھیں گے۔

(۳) وہ دوسرے لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں رہے گا۔

(۴) اور جب اس کے سامنے کسی شخص کی تعریف کی جائے گی تو اسے دل سے پسند نہیں کرے گا۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۳۴)

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک مرتبہ مسجد سے باہر تشریف لائے، تو لوگ آپ کے پیچھے چلنے لگے، یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ''اِس شان کو دیکھ کر کسی کا دل سلامت رہ سکتا ہے''؟ اُس کے بعد فرمایا کہ ''اپنے پیچھے جوتوں کی کھسکھساہٹ سننا بے وقوف لوگوں کے دلوں کو فاسد کرنے کا سبب ہے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۳۶)

(یعنی اِس شان کو دیکھ کر احمق لوگ اپنے کو بڑا سمجھنے لگتے ہیں؛ حالاں کہ یہ بڑائی کی دلیل نہیں ہے)

سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا اِرشاد ہے کہ ''کسی کے پیچھے چلنا متبوع (جس کے پیچھے چلا جائے) کے لئے موجبِ فساد اور تابع (جو پیچھے چلے) کے لئے موجبِ ذلت ہے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۳۶)

قابلِ تکریم حضرات

حضرت ایوب القریہؒ فرماتے ہیں کہ: ''عزت وتکریم کے قابل تین طرح کے لوگ ہیں:

(۱) علماء۔

(۲) دوست احباب۔

(۳) اصحاب اقتدار۔

پس جو شخص علماء کی توہین کرے گا وہ اپنے دین کو برباد کرلے گا۔ اور جو دوست واحباب کی تذلیل کرے گا وہ اپنے اَخلاق سے محروم ہو جائے گا۔ اور جو حکام وقت کی اِہانت کرے گا وہ اپنی دنیا بگاڑ لے گا۔ اور عاقل شخص وہ ہے جو اپنا کچھ بھی بگڑنے نہ دے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۳۸)

علم کی زندگی سوال وجواب میں ہے

داؤد بن الجراحؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوریؒ ''عسقلان'' تشریف لائے اور تین

دن قیام فرمایا، اِس دوران کسی شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ نہیں پوچھا، تو آپ نے خادم سے کہا کہ میرے لئے سواری کرایہ پر حاصل کرو، میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں؛ اِس لئے کہ یہ ایسا شہر ہے جہاں رہنے سے علم کا جنازہ نکل جائے گا (یعنی جب کوئی مسئلہ پوچھنے والا ہی نہ ہوگا، تو علمی ماحول باقی ہی کیسے رہے گا؟) (مختصر جامع بیان العلم ص: ۱۴۷)

دو طبقوں پر اصلاح کا مدار

سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''میری اُمت کے دو طبقے اگر سدھر جائیں تو سب لوگ سدھر جائیں گے: (۱) علماء۔ (۲) اَصحابِ اقتدار''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص: ۱۵۶)

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''علماء کی مثال نمک کے مانند ہے کہ اگر کوئی چیز بگڑ جائے تو نمک کے ذریعہ اُس کی اصلاح کی جاتی ہے؛ لیکن اگر نمک ہی خراب ہو جائے تو پھر اُس کی درستگی کی کوئی صورت نہیں ہے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص: ۱۵۷)

معلوم ہوا کہ اُمت کی اصلاح کے لئے اَولاً مذہبی اور سیاسی قائدین کا سدھرنا اور صلاح سے متصف ہونا ضروری ہے، اِس کے بغیر عمومی اصلاح کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

عالمانہ وقار کی اہمیت

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اِرشاد فرمایا کہ: ''اگر اہل علم اپنے علم کے وقار کو بچا کر رکھیں تو ساری دنیا کی سرداری اُنہیں اِس علم کی وجہ سے نصیب ہوگی؛ لیکن وہ اہل دنیا سے مال و دولت کے حصول کے لئے اپنے علم کو استعمال کرتے ہیں، جس کی وجہ سے دنیا والوں کی نظر میں اُن کا مرتبہ گر جاتا ہے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص: ۱۵۹)

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اِرشاد ہے کہ ''اگر حاملین علوم نبوت علم کے تقاضوں کو بجالائیں تو وہ اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور نیک لوگوں کے محبوب بن جائیں اور لوگوں کے دلوں میں اُن کی دھاک بیٹھ جائے؛ مگر (افسوس ہے کہ) یہ علماء اپنے علم سے دنیا طلب

کرتے ہیں جس کی بنا پر نہ صرف اللہ تعالیٰ کی نظر میں ناپسند قرار پاتے ہیں؛ بلکہ لوگوں کی نظروں سے بھی گر جاتے ہیں''۔(مختصر جامع بیان العلم ص:۱۶۱)

مشاہدہ بھی یہی ہے کہ عزت کے قابل وہی عالم سمجھا جاتا ہے جو اپنے علمی وقار کی حفاظت کرے اور اپنے دینی منصب کو مادیت کے اثرات سے داغ دار نہ ہونے دے۔

خفیہ شہوت کیا ہے؟

حضرت یزید بن حبیبؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ''خفیہ شہوت'' کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''خفیہ شہوت یہ ہے کہ آدمی لوگوں کو علم سکھائے، پھر یہ تمنا کرے کہ لوگ (زیادہ سے زیادہ) اُس کی مجلس میں آکر استفادہ کیا کریں''۔(مختصر جامع بیان العلم ص:۱۶۲)

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''پوشیدہ شہوت'' یہ ہے کہ آدمی اپنی نیکی پر لوگوں سے تعریف کا متمنی رہے''۔(مختصر جامع بیان العلم ص:۱۷۰)

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کہیں وعظ وتقریر کے لئے جائیں تو بعد میں یہ سننے کے متمنی رہتے ہیں کہ ''تقریر کیسی رہی؟'' اور اگر کوئی حوصلہ اَفزاء تبصرہ کردے تو پھولے نہیں سماتے، ایسے حضرات کو مذکورہ بالا اِرشادات بار بار پڑھ کر اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔

گناہ! موجبِ نسیان

سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میرا خیال یہ ہے کہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے عالم کے ذہن سے علمی باتوں کو بھلا دیا جاتا ہے''۔(مختصر جامع بیان العلم ص:۱۶۸)

(یعنی گناہ علم کے بھول جانے کا سبب بنتا ہے اور تجربہ سے یہ بات بالکل مشاہد ہے)

دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟

حضرت ابراہیم ابن ادہم رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتے ہیں:

﴿اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾ [غافر، جزء آیت: ٦٠] (مجھ سے مانگو! میں تمہاری درخواست قبول کروں گا) پھر کیا بات ہے کہ ہم دعائیں مانگتے ہیں؛ مگر ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ پانچ کوتاہیوں کی وجہ سے تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوتیں:

(۱) تم اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے باوجود اُس کا حق اَدا نہیں کرتے۔

(۲) قرآن پڑھتے ہو؛ مگر اُس کی ہدایات پر عمل نہیں کرتے۔

(۳) محبتِ رسول کا دعویٰ کرتے ہو؛ مگر پیغمبر علیہ السلام کی سنتوں کے تارک ہو۔

(۴) تم ویسے تو شیطان کو بہت برا کہتے ہو؛ لیکن (جب موقع آتا ہے تو شریعت کے خلاف) اُس کی پیروی کرتے ہو۔

(۵) اور پانچویں بات یہ ہے کہ تمہیں اپنے عیوب نظر نہیں آتے اور دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں لگے رہتے ہو۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۷۲)

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی علماء کو نصیحت

اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ: ''اے حاملینِ علوم نبوت! اپنے علم پر عمل کیا کرو؛ اِس لئے کہ اصل میں عالم وہی ہے جو علم سیکھ کر اُس پر عامل بھی ہو، اور عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اگرچہ عالم کہلائیں گے؛ مگر علم اُن کے گلے سے نیچے نہ اُترے گا، اُن کی ظاہری زندگی تنہائی کی زندگی کے خلاف ہوگی اور اُن کے علم اور عمل میں تضاد ہوگا، وہ حلقیں لگا کر بیٹھیں گے اور ایک دوسرے پر فخر ومباہات کیا کریں گے (کہ کس سے کتنے لوگ وابستہ ہیں؟) حتیٰ کہ اُن میں سے کوئی شخص اپنے ساتھ بیٹھنے والے پر اِس وجہ سے بھی ناراض ہوجایا کرے گا کہ اُس نے اُس کی مجلس چھوڑ کر دوسرے کی مجالست کیوں اختیار کی؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اَعمال بارگاہِ خداوندی میں باریاب نہ ہو پائیں گے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۷۴)

اِس اِرشادِ عالی کا حاصل یہ ہے کہ علماء کو اپنا حلقہ بڑھانے کی فکر کرنے کے بجائے زیادہ توجہ اپنے عمل کی درستگی اور رضائے خداوندی کے حصول کی طرف لگانی چاہئے۔

عمل کے بغیر وعظ مؤثر نہیں

سیدنا حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''اگر عالم اپنی نصیحت پر عامل نہ ہو تو اُس کی نصیحت لوگوں کے دلوں سے ایسے گذر جاتی ہے جیسے چکنے پتھر سے بارش کے قطرات پھسل جاتے ہیں''۔ (یعنی عمل کے بغیر وعظ میں اثر پیدا نہیں ہوتا) (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۷۶)

اَز دل خیزد، بر دل ریزد

حضرت سوار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''دلوں کی گہرائی سے نکلنے والی بات دلوں پر دستک دیتی ہے؛ جب کہ محض زبان سے نکلی ہوئی بات دلوں کے اُوپر ہی سے گذر جاتی ہے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۷۶)

عالم کے لئے عمل لازم ہے

حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم میں لوگوں پر فوقیت رکھتا ہے وہ اِس بات کے زیادہ لائق ہے کہ عمل میں بھی وہ سب سے ممتاز ہو''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۷۸)

دنیادار عالم سے اُمت کو نفع نہیں ہوتا

حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ ہے کہ: ''عالم اِس اُمت کا طبیب (اور ڈاکٹر) ہوتا ہے اور اُمت کا مرض مال ہے؛ لہٰذا اگر خود عالم ہی (ناحق طور پر) مال کھینچنے میں لگ جائے تو وہ خود دوسروں کا علاج کیسے کر سکے گا''؟ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۸۰)

حلال روزی کی فکر

سیدنا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''آدمی کی سمجھ داری کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے معاشی حالات درست کرنے کی فکر کرے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۸۰)

(یعنی حلال ذرائع آمدنی اختیار کرے؛ تاکہ اپنے واجبی حقوق کی اَدائیگی اور دینی اُمور کی انجام دہی میں وہ مال اُس کا معاون بن سکے)

ابن عونؒ کی پسندیدہ باتیں

ابن عون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے تین باتوں کو پسند کرتا ہوں:

(۱) قرآنِ کریم: کہ اُس میں آدمی غور وفکر اور تدبر کرے تو عنقریب ایسے علوم پر آگاہ ہوگا جس کا اُسے پہلے سے علم نہیں ہے۔

(۲) پیغمبر علیہ السلام کی سنتیں: جن کی تلاش آدمی مستقل جاری رکھے، اور اُن کے متعلق علماء سے پوچھ گچھ کرتا رہے۔

(۳) اور لوگوں سے اچھی باتوں کے علاوہ میل جول نہ رکھے۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۹۷)

عارف باللہ شخص کی طرف دل کھنچے چلے جاتے ہیں

حسان بن عطیہؒ نے فرمایا کہ: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت میں جتنا بڑھتا جاتا ہے، اتنا ہی لوگ اُس کے قریب ہوتے جاتے ہیں''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۲۱۴)

ایسے اصحابِ معرفت حضرات کا فیض چار دانگ عالم میں پھیل جاتا ہے اور بے اختیار لوگوں کا رجوع اُن کی طرف ہونے لگتا ہے۔

فتویٰ میں جلد بازی کم علمی کی دلیل ہے

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''فتویٰ دینے میں سب سے زیادہ جسارت وہ شخص کرتا ہے جو لوگوں میں سب سے کم علم ہوتا ہے اور فتویٰ میں سب سے زیادہ احتیاط وہ شخص کرتا ہے جو علماء کے اختلاف سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۲۱۶)

عیب سے کوئی شخص مبرا نہیں

سید التابعین حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''دنیا میں کوئی ایسا

عالم اور شریف نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی عیب نہ ہو؛ مگر بات یہ ہے کہ جس میں خوبیاں عیب کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہیں، تو اُس کا عیب خوبیوں میں چھپ جاتا ہے۔ اِس کے برخلاف جس میں عیب زیادہ ہوتے ہیں تو اُس کی خوبیاں عیوب میں فراموش ہوجاتی ہیں''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۲۱۸)

واقعۃً یہ اِرشاد صد فیصد برحق ہے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ ہر طرح کے عیب سے پاک ہے اور جو یہ دعویٰ کرے وہ سچا نہیں؛ بلکہ دھوکہ میں پڑا ہوا ہے؛ البتہ یہ کوشش ضرور ہونی چاہئے کہ ہمارے عیوب خوبیوں پر غالب نہ آسکیں، اِس کے لئے اپنا محاسبہ کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق خیر کے طالب رہیں، اِن شاء اللہ مراد کو پہنچیں گے۔

اِمام ابو یوسفؒ کے تجربہ کی تین باتیں

حضرت اِمام ابو یوسفؒ کا اِرشاد ہے کہ: ''جو نادر و نایاب اَحادیث کی تلاش میں رہے گا، اُس کی زبان سے جھوٹ ضرور صادر ہوگا۔ اور جو دین کو علم کلام کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کرے گا وہ بدعقیدہ ہوجائے گا۔ اور جو کیمیا بنانے کے چکر میں پڑجائے گا وہ بالآخر مفلس اور قلاش ہوجائے گا''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۳۱۸)

ہر مسئلہ کا جواب دینے میں نہ پڑیں

حضرت اِمام مالکؒ فرماتے تھے کہ: ''آدمی سے علم زائل ہونے کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ ہر پوچھی گئی بات پر رائے زنی اور گفتگو کرنے کی کوشش کرتا ہو''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۱۷۹)

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے، تو ایک شخص نے آپ کے پاس آکر عرض کیا کہ میں چھ مہینہ کی مسافت سے سفر کرکے ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اور مجھے میری بستی والوں نے باصرار آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اِمام مالکؒ نے فرمایا کہ جو پوچھنا ہے پوچھو؛ چناں چہ اُس شخص نے اپنا مسئلہ پیش کیا، تو اُسے سن کر اِمام مالکؒ نے بے تکلف جواب دیا کہ ''اِس مسئلہ کا

جواب مجھے نہیں آتا'' اِمام مالکؒ کی طرف سے اِس مسئلہ کی لاعلمی کے اظہار پر وہ شخص ہکا بکا اور حیرت زدہ رہ گیا؛ کیوں کہ وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ یہاں تو ہر بات کا علم دستیاب ہے، پھر اُس شخص نے اپنے حواس بجا کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت! جب میں اپنی بستی میں پہنچوں تو اُن سے کیا کہوں؟ تو اِمام مالکؒ نے فرمایا کہ ''جا کر کہہ دینا کہ اِمام مالک کو یہ مسئلہ اچھی طرح معلوم نہیں ہے''۔ (مختصر جامع بیان العلم ص:۲۲۳)

مسلسل مطالعہ سے حافظہ تیز ہوتا ہے

اَمیر المؤمنین فی الحدیث حضرت اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ قوتِ حافظہ تیز ہونے کے لئے کیا تدبیر اپنائی جائے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ''کتابوں کا مطالعہ مسلسل جاری رکھا جائے''۔ (اِسی سے حافظہ مضبوط ہوگا) (مختصر جامع بیان العلم ص:۳۹۸)

لہٰذا جو عالم اپنا علم محفوظ رکھنا چاہتا ہے اُسے مطالعہ و مذاکرہ کا اہتمام رکھنا چاہئے۔ اِس کے بغیر اُس کا علم محفوظ نہیں رہ سکتا، اور نہ ہی علمی باتیں اس کے دماغ میں مستحضر رہ سکتی ہیں، اگر مطالعۂ کتب چھوٹ جائے تو دماغ میں محفوظ علوم بھی رفتہ رفتہ رخصت ہوجاتے ہیں۔

۱۰

اہلِ علم کے لئے کچھ گراں قدر نصیحتیں

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے سینہ کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و معرفت سے معمور فرمادیا تھا، آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات آنے والی نسلوں کے لئے منارۂ نور اور مشعل ہدایت بن گئے ہیں، جن سے ہزار ہا ہزار خلقِ خدا مستفیض ہورہی ہے اور برابر ہوتی رہے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت حکیم الامتؒ کے اِفاداتِ عالیہ سیکڑوں کتب و رسائل اور خطبات و مواعظ میں بکھرے پڑے ہیں، اللہ تعالیٰ مکرم و محترم جناب مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی مدظلہ حال اُستاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائیں کہ موصوف نے حضرت حکیم الامتؒ کے گراں قدر اِرشادات کو الگ الگ عنوانات میں کتابوں اور رسائل کی شکل میں اِشاعت کا سلسلہ شروع فرمارکھا ہے، جس سے اِفاداتِ اشرفیہ سے استفادہ میں بہت زیادہ سہولت پیدا ہوگئی ہے۔ اہل علم بالخصوص دینی خدمت میں لگے ہوئے حضرات کے لئے اُن کتابوں کا مطالعہ بہت مفید ہے، اِسی سلسلہ کی ایک قیمتی تالیف ''العلم والعلماء'' بھی ہے۔ سردست اِسی کتاب سے حضرت تھانویؒ کے چند گراں قدر ملفوظات عالیہ کا انتخاب پیش ہے۔ بلاشبہ اِن ملفوظات کا ایک ایک لفظ روشن اور حقیقت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

○ فرمایا: ایک بات اہل علم کے کام کی بتلاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلفِ صالحین

کی عظمت پر ہے، اِس لئے حتی الامکان اُن پر اعتراض اور تنقیص کی آنچ نہ آنے دینا چاہئے۔

- مولوی ہونا کوئی خوشی کی بات نہیں، دین دار ہونا خوشی کی بات ہے۔
- زیادہ کھانے سے جسم تازہ اور قلب مکدر ہوتا ہے اور کم کھانے سے جسم کمزور ہو جاتا ہے؛ مگر قلب کو تازگی نصیب ہوتی ہے۔
- علم اور اُس کے ساتھ صحبت کی بڑی ضرورت ہے، صحبت سے واقفیت بھی ہوتی ہے اور عمل کے ساتھ مناسبت بھی ہوتی ہے، بڑی ضرورت ہے شیخ کی، نری کتابیں کافی نہیں۔
- مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی فرمایا کرتے تھے کہ ''پڑھنے سے زیادہ گُننا (سمجھنا) چاہئے، ایک شخص پڑھا ہوا ہے اور ایک گُنا (سمجھا) ہوا ہے، دونوں میں بڑا فرق ہے، گُننا صحبت سے آتا ہے۔
- علماء کا ہمیشہ غریب ہی رہنا اچھا ہے، جس قوم اور جس مذہب کے علماء اَمیر ہوئے وہ مذہب برباد ہو گیا۔
- آدمی قناعت پر اکتفاء کر لے اور ضروری سامان کے ساتھ رہے، تو تھوڑی آمدنی میں بھی رہ سکتا ہے اور فرض منصبی کو بھی اَدا کر سکتا ہے۔
- دو چیزیں اہلِ علم کے واسطے بہت ہی بری معلوم ہوتی ہیں، حرص اور کبر، یہ اُن میں نہیں ہونا چاہئے۔
- مناسب ہے کہ پنسل اور کاغذ جیب میں پڑا رہے، جس وقت جو مضمون ذہن میں آئے اُس کا اِشارہ لکھ لیا جائے، پھر دوسرے وقت اُن میں ترتیب دے دی جائے؛ چناں چہ میری جیب میں پنسل اور کاغذ پڑا ہے، ورنہ بعض مضامین ذہن میں آتے ہیں اور پھر نکل جاتے ہیں۔
- حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بزرگ نے لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ عمدہ کپڑے پہنتے ہیں، بزرگوں کی کیا یہی شان ہوتی ہے؟ حدیثیں موجود تھیں، اگر چاہتے تو ثابت کر دیتے؛ مگر یہ فرمایا: ''نَعَمْ نَفْعَلُ وَنَسْتَغْفِرُ'' یعنی ہم کرتے ہیں اور اپنے کو

گنہگار سمجھ کر استغفار کرتے ہیں، کوئی تاویل نہیں کی۔

○ کثیر الاشغال شخص کو زبانی یاد پر اکتفاء نہیں کرنی چاہئے؛ بل کہ ضروری کاموں کو لکھ لینا چاہئے۔

○ تحمل سے زیادہ کبھی اپنے ذمہ کام نہ لو۔

○ بے کار وقت کھونا نہایت برا ہے، اگر کچھ کام نہ ہو تو انسان گھر کے کام میں لگ جائے، گھر کے کام میں لگنے سے دل بہلتا ہے اور عبادت بھی ہے، مجمعوں میں بیٹھنا خطرہ سے خالی نہیں، کسی کی حکایت میں بعض مرتبہ غیبت کی نوبت آجاتی ہے، اِس سے اجتناب ضروری ہے۔

○ ملنے جلنے میں ہزار ہا مفاسد ہیں، اختلاط سے سینکڑوں بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، بس اپنے اپنے کام میں مشغول رہنا چاہئے۔

○ ایک آدمی سب کو خوش رکھے یہ ہو نہیں سکتا، جب ہر حال میں اُس پر برائی آتی ہے تو پھر اپنی مصلحت کو کیوں فوت کرے؟ جس کام میں اپنی مصلحت اور راحت دیکھے، بشرطِ اذنِ شرعی وہی کرے، کسی کی بھلائی برائی کا خیال نہ کرے، مخلوق کے برا کہنے کا خیال نہ کرے، حق تعالیٰ سے معاملہ صاف رکھنا چاہئے۔

○ فرمایا: دو باتیں مجھے بہت ناپسند ہیں (۱) ایک تو تقریر میں لغت بولنا (۲) دوسرے تحریر میں شکستہ لکھنا؛ کیوں کہ تحریر و تقریر سے مقصود افہام ہوتا ہے اور یہاں ابہام ہوتا ہے۔

○ جس کے معتقد ہو اس کے کہنے کو برا نہ مانو، تھوڑی دیر کے لئے صبر کرلو، شاید یہ امتحان ہی لیتے ہوں، اگر وہ اُس کا امتحان ہونا پہلے ہی سے بتلا دیں تو پھر امتحان ہی کیا ہوا۔

○ مشغولی بڑی سلامتی کی چیز ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ کسی نہ کسی کام میں اپنے کو مشغول رکھیں، بس خدا جس سے کام لینا چاہیں وہی کام کرسکتا ہے، خود کچھ نہیں کرسکتا۔

○ آدمی کو اپنی کسی چیز پر ناز نہ کرنا چاہئے، نہ علم و فضل پر، نہ عقل و فہم پر، نہ زہد و تقویٰ پر، نہ عبادت و اعمال پر، نہ شجاعت و قوت پر، نہ حسن و جمال پر، یہ سب حق تعالیٰ کی عطا ہیں، پھر

ناز کس پر؟ ناز تو اپنے کمال پر ہوتا ہے اور جب اپنا کمال کچھ بھی نہیں تو پھر تو نیاز کی ضرورت ہے، اگر ناز کرے گا تو پھر خیر نہیں۔

○ جس کے سر پر کوئی بڑا ہو اُس سے پوچھ کر سب باتیں کرنی چاہئیں، یہ تاکید لڑکوں کو خاص طور پر رکھنا چاہئے۔

○ بڑوں سے اگر کسی امر میں اختلاف کیا جائے تو وہ علی الاطلاق مذموم نہیں، اگر نیت اچھی ہو تو اُس کا مضائقہ نہیں، ہاں اگر بڑے اس سے بھی روک دیں تو پھر کچھ نہ بولو اور جب تک اُن کی اِجازت ہو خوب بولو۔

○ اگر غلطی (اپنے کسی بڑے مثلاً) پیر سے ہو تو مرید کو اعتراض نہ کرنا چاہئے، ہاں باادب متنبہ کردے، جب دیکھے کہ خود متنبہ نہ ہوگا، اگر یہ اُمید ہو کہ متنبہ ہو جائے گا تو پھر سکوت کرے، اعتراض کرنا بے جا حرکت ہے۔

○ جب آدمی دین کا پابند نہ ہو تو اُس کی کسی بات کا اعتبار نہیں؛ کیوں کہ اُس کا کوئی کام حدود کے اندر تو ہوگا نہیں، دوستی ہوگی تو حدود سے باہر، دشمنی ہوگی تو حدود سے باہر، ایسا شخص خطرناک ہوگا، ہر چیز کو اپنے درجہ میں رکھنا یہی بڑا کمال ہے، آج کل اکثر مشائخ وعلماء میں اِس کی کمی ہے، کوئی چیز اُن کے یہاں اپنے درجہ پر نہیں۔

○ ایک تجربہ کی بات عرض کرتا ہوں کہ وہ نہایت نافع اور مؤثر ہے کہ کسی شخص کے درپئے نہ ہونا چاہئے، اِس میں دو خرابیاں ہیں: ایک تو یہ کہ لوگوں کو غرض کا شبہ ہو جاتا ہے، کہ اِس قدر کاوش کیوں ہے؟ اِس میں ضرور کوئی اُس کی ذاتی غرض ہے۔ دوسرے یہ کہ اِس صورت میں پھر فریق بندی ہو جاتی ہے، پھر کوئی کام نہیں ہوتا۔ تیسرے ایک اور خرابی یہ ہے کہ شروع میں تو نیت کے اندر خلوص ہوتا ہے پھر جب بات کی پچ ہو جاتی ہے تو نفسانیت بھی آجاتی ہے، پھر ثواب بھی نہیں ہوتا، اِس پر لوگوں کی نظر کم جاتی ہے، یہ ہے باریک بات اور حکم بھی۔ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: ﴿اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی﴾

○ ایک مرض اپنی جماعت میں اور پیدا ہو گیا ہے کہ آپس میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ فلانے بڑے بڑھے ہوئے ہیں اور فلانے کم ہیں، ایک دوسرے کو فضیلت دے کر دوسرے کے عیوب بیان کرتے ہیں، اپنے حضرت کو دیکھا کہ مجمع میں بکثرت لوگ ہوتے؛ مگر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون کس سے بیعت ہے؟

○ میں تو اپنے دوستوں کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ اُن کو کسی دینی مدرسہ میں درس وتدریس کا موقع نصیب فرمائیں تو انتظام واہتمام کو اپنے لئے قبول نہ کریں؛ کیوں کہ دونوں میں تضاد ہے، مدرس اور علمی خدمات کرنے والوں کے لئے یہی زیبا ہے کہ اپنے اسی شغل میں لگے رہیں، مقامی اور ملکی سیاست سے یکسور ہیں۔

○ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ علماء وصوفیاء وطلباء سب کو یہ وصیت فرماتے تھے کہ جس کام میں لگے ہو، وہ عبادت نماز دعاء کی ہو، یا کتابوں کا مطالعہ، یا درس وتدریس، یا وعظ وپند، سب میں اِس کا اہتمام رکھیں کہ اُس کام کا جتنا شوق ورغبت دل میں ہے اُس کو ختم تک نہ پہنچنے دیں؛ بل کہ کچھ شوق ورغبت باقی ہو اُس وقت چھوڑ دیں۔ اِس کا اثر یہ ہوگا کہ پھر از سر نو شوق ورغبت جلد پیدا ہوگی اور کام زیادہ ہوگا۔ اور اگر کام کو شوق ورغبت پورا کرنے اور تھکنے کے بعد چھوڑا تو دوبارہ اُس کام کی رغبت وہمت بہت دیر کے بعد عود کرے گی، اِس طرح کام میں نقصان آئے گا۔

○ جس شخص کی طبیعت میں تنعم ہوتا ہے اُس سے کوئی کام نہیں ہوتا۔

○ فرمایا: چھوٹی جگہ میں رہ کر کام زیادہ ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ وقت فراغت کا زیادہ ملتا ہے۔ اور بڑی جگہ رہ کر چھوٹا کام بھی نہیں کرسکتا اور نہ ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ زیادہ وقت لوگوں کی دل جوئی میں گذرتا ہے، اِس وقت تک جو کام ہوا ہے یہ سب اسی جگہ کی برکت ہے، کام تو گم نامی ہی میں ہوتا ہے۔ (ماخوذ از: العلم والعلماء، افادات: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، مرتبہ: مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری، از: ۳۶۱ تا ۳۶۴)

حضرت حکیم الامتؒ کا ایک گراں قدر ملفوظ

○ ایک سلسلہ گفتگو میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ علماء میں دو چیزیں بالکل نہ ہوں: (۱) کبر (۲) طمع۔ اس کی وجہ سے یہ بڑی دولت سے محروم رہتے ہیں۔ علماء کو اُمراء سے استغناء چاہئے، یہ لوگ مُلّانوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اِس حقیر سمجھنے کا زیادہ سبب یہ ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ طامع ہوتے ہیں، اِس سے علم اور اہل علم کی تحقیر اور حقارت اُن کے دلوں میں مرکوز ہوجاتی ہے، علماء کو ہر وقت اِس آیت کا مراقبہ رکھنا چاہئے: ﴿وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ [المنافقون، جزء آیت: ۷] دین میں ضرور محبوبیت کی شان ہے ضرور مطلوبیت کی شان ہے، اگر علماء اپنی وضع پر رہیں ضرور محبوب رہیں۔ میں استغناء تو کیا ذرا استغناء کی نقل کرتا ہوں؛ مگر کم فہم لوگ اِس پر مجھ کو ملامت کرتے ہیں کہ سخت ہے، میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میں سخت نہیں ہوں، ہاں قلب میں غیرت ضرور ہے، اگر اِس کو کوئی سختی سمجھے اُس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔ جب یہ لوگ مُلّانوں کو حقیر سمجھتے ہیں تو اُن متکبروں کے ساتھ یہی برتاؤ کرنا مناسب ہے، آخر غیرت اور حیا بھی کوئی چیز ہے؛ لیکن اگر کسی کو حس ہی نہ ہو تو اُس کا کیا علاج؟ (از: ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی دسمبر ۲۰۰۴ء)

علماء کے کرنے کے چار کام

○ فرمایا: اِس وقت اس (تعلیم) کے چند اَفراد میرے ذہن میں ہیں، اُن کو عرض کرتا ہوں اور وہ استقراء چار ہیں: (۱) وعظ۔ (۲) تدریس۔ (۳) امر بالمعروف خطاب خاص۔ (۴) تصنیف۔ علماء کو اِن چاروں شعبوں کو اختیار کرنا چاہئے۔ اِس طرح کہ طلباء کے سامنے تو مدرس بن کر بیٹھیں اور عوام کے سامنے واعظ ہوں۔ اور خاص مواقع میں امر بالمعروف کریں، خاص مواقع سے مراد یہ ہے کہ جہاں اپنا اثر ہو، وہاں خطاب سے نصیحت کریں؛ کیوں کہ ہر جگہ امر بالمعروف مفید نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ عام لوگوں کو امر بالمعروف کرنے کی وجہ سے مخالفت بڑھ

جاتی ہے، جس کا تحمل ہر ایک سے نہیں ہوتا، اور اگر کسی سے تحمل ہو سکے تو سبحان اللہ، وہ امر بالمعروف کریں؛ مگر یہ ضروری ہے کہ اپنی طرف سے سختی اور درشتی کا اظہار نہ کریں؛ بل کہ نرمی اور شفقت سے امر بالمعروف کرے، اِس پر بھی مخالفت ہو تو تحمل کرے اور اگر تحمل کی طاقت نہ ہو تو خطابِ خاص نہ کرے صرف خطاب عام پر اکتفاء کرے۔

تین کام تو یہ ہیں۔ چوتھا کام تصنیف کا ہے، علماء کو ضرورت کے موقع پر تصنیف بھی کرنا چاہئے، اِس کے یہ معنی نہیں کہ سب مصنف اور واعظ ہو جائیں؛ بل کہ مطلب یہ ہے کہ بقدر ضرورت علماء میں کچھ لوگ مصنف اور واعظ بھی ہونے چاہئیں۔ اگر ایک قصبہ میں بقدر ضرورت واعظ موجود ہوں تو دوسرے علماء پر وعظ کہنا واجب نہیں، اُن کو درس وتدریس میں مشغول رہنا جائز ہے۔ اور اگر واعظ کوئی نہ ہو تو مولوی صاحب کو اِجازت نہیں کہ وہ صرف مدرس ہی بن کر رہیں؛ بل کہ ضرورت کے موقع پر اُن کو وعظ بھی کہنا چاہئے۔ وعظ میں خاص اثر ہوتا ہے، جس سے عوام کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے، نیز عوام کو اُس سے وحشت بھی نہیں ہوتی؛ بل کہ دلچسپی ہوتی ہے، اور اِس کا جلدی اثر ہوتا ہے۔

الغرض تصنیف کا نفع بھی عام نہیں اور درس کا نفع تو بہت ہی خاص ہے کہ ایک خاص جماعت تک محدود ہوتا ہے، سب سے زیادہ نفع عام وعظ کا ہے کہ ایک گھنٹہ میں پانچ چھ ہزار کو نفع ہو جاتا ہے، تو وعظ کا نفع اتم واعم اور اسہل ہے اِس لئے اس کو ضرور اختیار کرنا چاہئے۔ (العلم والعلماء ص: ۲۵۷-۲۵۹)

وقارِ علم

حضرت عیسی بن یونس رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدثین میں سے ہیں، صحاح ستہ میں اُن کی روایات موجود ہیں۔ حضرت اِمام مالکؒ، اِمام اوزاعیؒ جیسے حضرات اُن کے اُستاذ ہیں۔ اسحٰق بن راہویہ جیسے حضرات اُن کے شاگرد، اُن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اُن کے والد یونس بھی اُن کے شاگرد ہیں۔ اُن کا واقعہ ملا علی قاریؒ نقل فرماتے ہیں کہ جب ہارون رشید حج کے لئے مکہ مکرمہ

آئے تو قاضی القضاۃ امام اَبو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ وہ شہر کے مشہور محدثین کو ملاقات کے لئے اُس کے پاس لے کر آئیں، اِمام ابو یوسفؒ نے تمام محدثین کے پاس پیغام بھیجا تو مکہ مکرمہ کے تمام محدثین جمع ہو گئے؛ مگر حضرت عبد اللہ بن ادریسؒ اور حضرت عیسیٰ بن یونسؒ تشریف نہ لائے، ہارون رشید کو جب یہ معلوم ہوا تو اُس نے اپنے دونوں صاحب زادوں: امینؔ اور مامونؔ کو حضرت عیسیٰ بن یونسؒ کے پاس بھیجا کہ اُن سے اَحادیث سن کر آئیں، جب یہ دونوں اُن کے پاس پہنچے تو اُنہوں نے خوشی سے حدیث پڑھا کر انہیں واپس کر دیا۔ ہارون رشید نے اِس کے صلہ میں دس ہزار درہم روانہ کئے؛ مگر اُنہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، ہارون رشید سمجھے کہ اُنہوں نے دس ہزار کم سمجھ کر رد کیا ہے، اِس لئے اُس نے دوبارہ دوگنی رقم بھیج دی، جب یہ رقم حضرت عیسیٰ بن یونسؒ کے پاس پہنچی، تو اُنہوں نے کہا کہ اگر کوئی مجھے حدیث کے معاوضہ میں اِس مسجد کو چھت تک سونے سے بھر کر پیش کر دے، تب بھی میں اُسے قبول نہ کروں گا؛ چناں چہ ہارون رشید نے پھر رقم قبول کرنے پر اِصرار نہ کیا۔ (جمع الوسائل ۲۴-۲۵، بحوالہ تراشے ۲۳/ مولانا محمد مفتی تقی صاحب عثمانی)

علماء اور اَساتذہ کیلئے حضرت فقیہ الامتؒ کی ۱۴ر قیمتی وصیتیں

فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد رشید اور خصوصی نیاز مند حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم کو جب ڈابھیل کی تدریسی خدمت کے لئے روانہ فرمایا، تو بطور وصیت یہ ۱۴ر گراں قدر نصیحتیں اِرشاد فرمائیں، جو ہم سب کے لئے لائق تقلید ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عہدہ اور منصب مت طلب کرنا کہ مجھے فلاں کتاب پڑھانے دی جائے یا فلاں منصب حوالے کیا جائے۔

(۲) پیسے مت مانگنا کہ میری تنخواہ اتنی کر دو یا اُس میں اِضافہ کر دیا جائے۔

(۳) اگر کوئی کہے کہ یہ لائق نہیں تو دل سے اُس کا اقرار کرنا اور کہنا کہ ہاں بھئی! میں تو بالکل لائق نہیں؛ مگر مدرسہ والوں نے بٹھا دیا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اِس کی لیاقت دے اور کتابوں کا

حق مجھ سے اچھی طرح اَدا کرائے۔

(۴) کوئی طالب علم سوال کرے تو شفقت سے اُس کا جواب دینا؛ اگرچہ وہ بطور طعن سوال کرتا ہو۔

(۵) کسی جگہ کتاب سمجھ میں نہ آئے تو دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر دعاء مانگنا، اور مصنف کتاب کو ایصالِ ثواب کرنا بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

(۶) دوسرے کی کتاب میں کسی طالب علم کو بتلانے میں احتیاط کرنا۔

(۷) طلباء سے خدمت نہ لینا، حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں اپنے کسی مرید یا شاگرد سے خدمت لینا حرام سمجھتا ہوں۔

(۸) طلباء سے اختلاط نہیں رکھنا چاہئے؛ اِس لئے کہ اس میں مختلف اغراض سے آنے والے ہوتے ہیں۔

(۹) طلباء کا احسان مانو کہ اُنہوں نے اپنے قلوب کی زمین آپ کے علم کی تخم ریزی کے لئے ہموار کی، ورنہ آپ کا علم یوں ہی رہتا، اپنا اُن پر کوئی احسان نہ سمجھیں۔

(۱۰) طلباء مختلف اغراض سے اشکالات کرتے ہیں، کوئی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے، کوئی اُستاذ کو پریشان کرنے کے لئے وغیرہ وغیرہ؛ مگر سب کا جواب علی اُسلوبِ حکیم دینا، مناظرانہ اَنداز میں نہیں۔

(۱۱) روزانہ متعلقہ درسی کتاب کے مصنف کو تین مرتبہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتے رہنا، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

(۱۲) اگر کوئی بات سبق میں غلط کہہ دی جائے تو اُس سے رجوع کرنے میں تأمل نہ کرنا۔

(۱۳) مطالعہ کے بغیر کبھی کوئی کتاب نہ پڑھانا۔

(۱۴) اَسباق کی مشغولیت کی وجہ سے ذکر و تلاوت و تسبیحات وغیرہ معمولات کو ترک نہ کرنا۔

(ماہنامہ ندائے شاہی جنوری ۱۹۹۷ء)

❍❖❍

خاتمہ

اخیر میں علماء اور صوفیاء کے اخلاق کے متعلق قطب العالم اِمام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی ایک جامع تحریر پر اِس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے، حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''صوفیاء کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق ہے، حسبِ فرمانِ خداوندی کہ'' بے شک تم بڑے خلق پر پیدا کئے گئے ہو'' اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے اُن پر عمل اَخلاقِ صوفیہ میں داخل ہے، صوفیہ کے اَخلاق کی تفصیل اِس طرح ہے:

(۱) اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور اس کی ضد ہے تکبر۔

(۲) مخلوق کے ساتھ تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت کرنا۔

(۳) نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ وغضب کو چھوڑ دینا۔

(۴) ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا خلق پر شفقت کے ساتھ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے۔

(۵) سخاوت کرنا۔

(۶) درگذر اور خطا کا معاف کرنا۔

(۷) خندہ روئی اور بشاشت جسم۔

(۸) سہولت اور نرم پہلو رکھنا۔

(۹) تصنع اور تکلف چھوڑ دینا۔

(۱۰) خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو۔

(۱۱) خدا پر بھروسہ رکھنا۔

(۱۲) تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا۔

(۱۳) پرہیزگاری اختیار کرنا۔

(۱۴) جنگ وجدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ۔

(۱۵) بغض وکینہ وحسد نہ رکھنا۔

(۱۶) عز وجاہ کا خواہش مند نہ رہنا۔

(۱۷) وعدہ پورا کرنا۔

(۱۸) بردباری۔

(۱۹) دوراندیشی۔

(۲۰) بھائیوں کے ساتھ موافقت اور محبت اور اَغیار سے علیحدہ رہنا۔

(۲۱) محسن کی شکرگزاری۔

(۲۲) اور جاہ کا مسلمانوں کے لئے خرچ کرنا۔

صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر وباطن مہذب بنالیتا ہے اور تصوف سارا اَدب ہی کا نام ہے، بارگاہِ احدیت کا اَدب یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے منہ پھیر لیا جائے، شرم کے مارے حق تعالیٰ کے اجلال وہیبت کے بسبب، بدترین معصیت تحدیث نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا ہے اور ظلمت کا سبب ہے''۔

(تاریخ مشائخ چشت ص:۲۹۳)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مقبول بندوں کے اَخلاق واَعمال اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور دنیا وآخرت میں اپنی مرضیات سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

اللّٰھم انعشنی احینی وارزقنی واھدنی لصالح الاعمال والاخلاق انه لا یھدی لصالحھا ولا یصرف سیئھا الا انت. (حاکم عن أبي أیوب / مناجاة مقبوله)

برحمتک یا أرحم الراحمین، آمین.

ضمیمہ:- ۱

مختصر تذکرہ:

مقبولِ بارگاہ

عارف باللہ حضرت اَقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہٗ

(المتوفی ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۹۷ء بروز جمعرات)

آئندہ صفحات میں عصر حاضر کے مقبول ترین بزرگ، جنید وقت، عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہٗ کی قابلِ رشک زندگی کی چند جھلکیاں پیش کی جارہی ہیں؛ تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ کن صفاتِ عالیہ اور اخلاقِ فاضلہ کی بدولت آپ کو قبولیت عند اللہ وعند الناس کا بام عروج عطا ہوا تھا، اُن میں زیادہ تر واقعات ماہ نامہ ''پیغام محمود دیوبند'' کے ''صدیق نمبر'' (مرتبہ مولانا محمد طیب صدیقی) سے منتخب کئے گئے ہیں اور شروع میں حضرت کی وفات پر لکھا گیا ''ندائے شاہی مرادآباد'' کا اِدارتی مضمون ہے، جو اکتوبر ۱۹۹۷ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ (مرتب)

ایسا کہاں سے لائیں

وہ روح جو ۷۷ رسال تک غمِ فراق میں مضطرب رہی، وہ نفس جو سالہا سال تک آخرت کے شوق میں سرگرداں رہا، وہ مسافر جو ہزار فتنہ سامانیوں کے باوجود دنیا میں رہ کر بھی اپنے کردار سے واقعی "كُنْ فِي الدُّنْيَا كَعَابِرِي سَبِيلٍ" کا سراپا نمونہ پیش کرتا رہا، اِنسانیت کی خیر خواہی سے جس کا خمیر اُٹھایا گیا، سادگی اور تواضع کے سانچے میں جسے ڈھالا گیا، ریاضت اور مجاہدہ کی بھٹی میں جسے کندن بنایا گیا، اتباعِ سنت کے نور سے جس کی کشادہ جبیں ضیاء بار اور اِطاعتِ خداوندی کے جذبہ سے جس کا قلبِ اطہر منور تھا، جس کی زندگی جہدِ مسلسل کا عنوان اور جس کی حیاتِ مقدسہ کا ہر ہر لمحہ نفع خلائق کے لئے وقف تھا، جس کے پرتاثیر مواعظ سے اگر ظلمت کدوں کو روشنی ملی اور ہزاروں بے راہ روؤں کو ہدایت کا سِرا ہاتھ آیا، تو دوسری طرف سیکڑوں تشنگانِ علومِ نبوت نے جس کے فیوضِ عالیہ سے جی بھر کے سیرابی کا شرف حاصل کیا، جس نے اپنے بلند اور امتیازی کردار سے اسم با مسمیٰ "صدیق احمدؒ" ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت پیش کیا اور جس کی عظمت کے اعزاز میں قدم قدم پر دنیا دیدۂ ودل فرشِ راہ کرتی رہی، وہی عارف باللہ، محبوب خلائق، جنیدِ وقت، احیاءِ سنت کا علم بردار، علوم نبوت کا عاشق حقیقی، اور نمونۂ اسلاف، گذشتہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸ راگست ۱۹۹۷ء بروز جمعرات دن میں ۱۰ ربج کر ۱۰ رمنٹ پر لکھنؤ کے ایک نرسنگ ہوم میں ہزاروں جاں نثاروں کو روتا اور بلکتا چھوڑ کر اپنے محبوب حقیقی سے جاملا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اُن مقبولانِ بارگاہ میں تھی، جن کا محض وجود ہی عالم میں رحمت اور برکت کا باعث ہوتا ہے اور جن کی مستجاب دعائیں نہ جانے کتنے حوادث سے رکاوٹ بنی رہتی ہیں، حضرت قاری صاحبؒ جہاں علم وفضل کے آفتاب تھے وہیں اعمالِ صالحہ، ورع وتقویٰ اور زہد واخلاص میں بھی اپنی نظیر آپ تھے، دنیا سے ایسی بے رغبتی کہ محسوس ہوتا تھا کہ آپ کی نظر میں اِس کی حیثیت ٹھیکروں کے برابر بھی نہیں ہے۔ سادگی ایسی کہ دیکھ کر صحابۂ کرام ﷺ کی زندگی کا نقشہ گھوم جائے، اخلاق ایسے کہ ایک ہی ملاقات میں دلوں کو موم کر ڈالیں، مہمان نوازی کا وہ نمونہ کہ خود مہمان حیرت میں پڑ جائے، طلبہ سے وہ شفقت ومحبت کہ ہر طالب علم پہلی ہی نظر میں گرویدہ ہوجائے، ماتحتوں اور اپنے سے چھوٹوں کی وہ عزت اور حوصلہ اَفزائی کہ ہر شخص قدرتی طور پر دل سے ممنون ومشکور ہوجائے، اُمت کے لئے تڑپنے والا وہ دل، جو دن رات اُمت کی خیر خواہی کی فکر میں مشغول رہتا، ہدایت واصلاح کا وہ مخلصانہ پرجوش جذبہ جس نے آپ کی زندگی سے لفظ ''آرام'' کو گویا حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا تھا، اور آپ دن رات ایک ہی انداز میں جدوجہد اور محنت کے عادی بن گئے تھے، رات کی اندھیری ہو یا دن کا شور شرابہ، سفر ہو یا حضر، موسم اور حالات سازگار ہوں یا ناموافق، الغرض کوئی بھی چیز آپ کی نفع بخش اَن تھک مصروفیات کے لئے مانع نہ تھی۔

کئی ماہ سے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کی خبریں مل رہی تھیں اور بار بار یہ داعیہ پیدا ہوتا تھا کہ خدمت اَقدس میں حاضر ہوکر عیادت کا شرف حاصل کیا جائے؛ لیکن ابھی یہ اِرادہ ہو ہی رہا تھا کہ ۲۸/اگست ۱۹۹۷ء کو پونے گیارہ بجے کے قریب مدرسہ میں یہ اندوہ ناک خبر پہنچی کہ حضرت قاری صاحبؒ وصال فرما چکے ہیں۔ اِس خبر نے تمناؤں کو حسرتوں میں بدل دیا، بے اختیار زبان سے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' نکلا اور حضرت کا پُرنور سراپا نظروں میں گھوم گیا، کہاں دیکھیں گی آنکھیں اَب وہ حسنِ اخلاق اور اُلفت ومروت کا پیکر، وہ سادگی کا مرقع، عجز وانکساری اور تواضع وفروتنی کا نمونہ اور زہد اَسلاف کی زندہ یادگار؟ واقعہ یہ ہے کہ

حضرت قاری صاحبؒ کی وفات سے ایسا خلا پیدا ہوا ہے، جس کی کسک اُمتِ مسلمہ عرصۂ دراز تک محسوس کرتی رہے گی۔

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی میں چند اَوصاف بہت ہی نمایاں تھے، جنہوں نے آپ کی شخصیت کو محبوب خلائق اور مقبول عنداللہ بنا دیا تھا۔

علم سے بے انتہاء شغف

علومِ نبوت سے آپ کو حد درجہ عشق تھا، حصول علم میں آپ نے ناموافق حالات کے باوجود انتہائی جدوجہد فرمائی اور جا بجا سفر فرما کر اپنے وقت کے اساطین اُمت سے اکتسابِ فیض کیا، اِسی عشق نے آپ کو باندہ سے کان پور، پانی پت، مظاہر علوم سہارن پور، مدرسہ شاہی مرادآباد، مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی، ٹونک اور مظفر پور کے مراکز علم کی جادہ پیمائی پر مجبور کیا تھا، جس سے آپ کی ذات معقولات ومنقولات کا سنگم بن گئی تھی اور تحصیل علم میں آپ نے اپنے اَساتذہ کی نگاہ میں اتنا وقار حاصل کرلیا تھا کہ آپ کے مرشد ومربی حضرت مولانا شاہ اسعداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اُستاذ گرامی حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ''قیامت میں اگر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا لے کر آئے ہو؟ تو ہم ''صدیق احمد'' کو پیش کردیں گے''۔

فراغت کے بعد جب آپ نے اِشاعتِ علم کے لئے اپنی ساری زندگی وقف فرمادی، مختلف اِداروں میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد جب آپ نے ۱۳۷۱ھ میں خزینۃ العلوم کے نام سے اپنے وطن مالوف ہتھورا باندہ میں جامعہ عربیہ کی بنیاد رکھی، تو آپ کے جذباتِ اشاعت علم عروج پر آنے لگے، بنجر علاقہ، جہالت کی آماج گاہ، جرائم اور خوف ودہشت کا ماحول؛ لیکن اُس اللہ کے مخلص بندہ نے انہی جاں گسل حالات میں محض اللہ کے بھروسہ پر کام کا آغاز کیا اور مسلمانوں کی مرتد شدہ نسلوں کو دوبارہ ایمان کی دولت سے مشرف کرانے لگا، کچے مکان اور کھپریل کے نیچے بیٹھ کر سالوں سال دین کے لئے محنتیں کیں، آس پاس کے دیہاتوں اور جنگل نما

آبادیوں میں سفر کر کے مسلمان بچوں کو فراہم کرنے اور اُنہیں دینی علوم سے آراستہ کرنے میں اپنا خون پسینہ کھپاتے رہے۔ ایک مرتبہ خود دوران گفتگو اِرشاد فرمایا کہ:

''یہ مدرسہ کچا تھا اور ضلع باندہ کی مٹی ایسی ہے جو برسات میں بہہ جاتی ہے، جس کی وجہ سے ہر سال دیواریں اور چھتیں گر جاتی یا مخدوش ہو جاتی تھیں''۔

فرمایا کہ: ''بسا اَوقات ایسا ہوتا کہ برسات میں اندر کے حصے میں کیچڑ ہو جاتی اور طلبہ اور اَساتذہ کھڑے کھڑے ہاتھ میں کتاب لئے پڑھتے پڑھاتے تھے''۔

فرمایا کہ: ''اِدھر میری حالت آج بھی یہ ہے کہ اگر کسی سے اپنی ضرورت کے لئے کوئی لفظ بھی زبان سے نکل جاتا ہے تو مارے شرم کے پسینہ آجاتا ہے، اِس لئے مدرسہ کے لئے مالیہ بھی زیادہ فراہم نہ ہو پاتا تھا''۔

پھر فرمایا کہ: ''ایک مرتبہ یہی صورت پیش آئی تو میرا دل بھر آیا اور میں نے اپنے اُستاذ حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو صورتِ حال لکھی، اُس وقت حضرت مفتی صاحبؒ کان پور میں اِقامت پذیر تھے، اُنہوں نے میری ہمت اَفزائی فرماتے ہوئے پکی تعمیر کے لئے ایک معتد بہ رقم سر دست روانہ فرمائی، اور یہ تاکید فرمائی کہ اَب کام مت روکنا''۔

فرمایا کہ: ''اُس کے بعد سے مسلسل اللہ تعالیٰ نے دست گیری فرمائی اور ضرورت کے اَسباب مہیا ہوتے چلے گئے''، فالحمدللہ۔

آج یہ مدرسہ ملک کے مرکزی اِداروں میں شمار ہوتا ہے اور جہالت زدہ علاقہ میں علومِ نبوت کی ضیاء پاشیاں کر رہا ہے، یہ صرف حضرت قاری صاحبؒ کے بے پایاں اخلاص وتوکل اور علمی شغف کی برکت ہے۔ آخری زمانہ میں آپ کے اَسفار حد سے زیادہ ہونے لگے تھے؛ لیکن اُس دور میں بھی آپ اپنے متعلقہ اَسباق کا حتی الامکان ناغہ نہ ہونے دیتے تھے اور کہیں جلسہ میں تشریف لے جاتے تو راتوں رات چل کر واپس تشریف لاتے اور آتے ہی سبق پڑھا دیتے۔ گذشتہ سال ہم لوگ باندہ حاضر ہوئے تو اِرشاد فرمایا کہ: ''میں طلبہ کے نقصان کا خیال کرتے

ہوئے خود ہی سفر کرتا ہوں اور رات ہی میں واپس لوٹ آتا ہوں، اگر اپنی جگہ کسی اور مدرس کو بھیج دوں تو وہ ایک جلسہ کے لئے ڈیڑھ دو دن کا ناغہ کرے گا۔ میں صرف اَسباق کی پابندی کے لئے یہ مشقت اُٹھاتا ہوں''۔ اِس سے آپ کے بلند پایہ جذبات کا اَندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آپ آدابِ تعلیم وتعلم پر بہت زیادہ زور دیتے تھے اور اُن پر نہ صرف یہ کہ خود عمل پیرا تھے؛ بل کہ مدارسِ دینیہ سے وابستہ ہر فرد کو اُس راستہ پر چلنے کی تلقین فرماتے تھے؛ چناں چہ اِس موضوع پر آپ نے دو رسالے ''آداب المتعلمین'' اور ''آداب المعلمین'' کے نام سے تالیف فرمائے، جو اپنے موضوع پر نہایت مفید اور مقبول ہیں۔ علاوہ اَزیں طلبہ کی ناقص استعدادوں کا خیال فرماتے ہوئے آپ نے تجوید، نحو، صرف اور منطق پر مختصر رسالے مرتب فرمائے اور منطق کی اَدق کتاب 'سلم العلوم'' کی شرح لکھی جو دیگر شروحات کے مقابلہ میں آسان اور جامع ہے۔ اِسی طرح ''شرح جامی'' کی مبسوط شرح تالیف فرمائی اور اَب آخری عمر میں ہوش رہا مصروفیات اور مسلسل اَسفار کے دوران ''شرحِ تہذیب'' کی شرح تحریر فرمائی جو آپ کے بے انتہا علمی شغف کی آخری نشانی ہے۔

آپ عمر کے آخری لمحات تک تعلیم وتعلم ہی میں مشغول رہے۔ ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ بروز بدھ کو ظہر کے بعد آپ نے ''سلم العلوم'' کا درس دیا، اُس کے بعد ''بخاری شریف'' کے درس کے لئے وضو فرما رہے تھے کہ مرض الوفات کا آغاز ہوا؛ گویا کہ باقاعدہ ہوش وحواس کے آخری لمحات آپ نے اپنی زندگی کے محبوب مشغلہ میں گذارے اور جب طبیعت زیادہ بگڑنے پر آپ کو باندہ سے لکھنؤ لے جایا جانے لگا، تو آپ نے آخری بات یہی اِرشاد فرمائی کہ: ''مدرسہ کا خیال رکھنا اور طلبہ اور اَساتذہ سے سلام کہنا''۔ خدا کرے کہ آپ کا لگایا ہوا یہ علمی گلشن ہمیشہ سرسبز اور شاداب رہے اور آپ کے لئے بیش اَز بیش صدقۂ جاریہ کا سامان فراہم ہوتا رہے، آمین۔

سادگی اور تواضع

حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کی زندگی کا نہایت تاب ناک پہلو یہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیوی تکلفات اور تصنع اور بناوٹ سے طبعی طور پر بالکل مستغنی کر دیا تھا، آپ کی ہر ہر اَدا سے سادگی اور تواضع ٹپکتی تھی، کھانے، پینے، لباس، ضروریات، ہر چیز میں سادگی اختیار فرماتے، عام طور پر سفر میں کالی دھاریوں والا معمولی سوتی رومال، کپڑے کا تھیلا جس میں ایک لوٹا، ایک لنگی اور ضرورت ہو تو ایک جوڑا کپڑا، بس یہی چیزیں ساتھ ہوتیں؛ حتی کہ ہمارے ایک دوست نے جو اَفریقہ کے سفر میں حضرت قاری صاحب کے ساتھ ممبئ سے جوہانسبرگ گئے تھے، بتایا کہ سفر اَفریقہ میں بھی حضرت قاری صاحبؒ کا کل سامان یہی کپڑے کا تھیلا تھا، ممبئ ایر پورٹ پر الوداع کہنے والے بعض اَحباب نے بہت زور دیا کہ حضرت کوئی بریف کیس لے لیں؛ لیکن حضرت نے قبول نہیں فرمایا۔

گذشتہ سال احقر نے ایک ٹوپی اور سرخ عربی رومال ہدیہ میں پیش کیا، تو ٹوپی تو قبول فرمالی؛ مگر رومال دیکھ کر فرمایا کہ: ''یہ تو آپ ہی کی شان کے لائق ہے'' اور قبول نہیں فرمایا۔ آپ دل سے اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتے اور اپنے چھوٹوں سے بھی انتہائی اکرام اور احترام کا معاملہ فرماتے تھے۔ عام طور پر مقررین اور واعظین اپنے سامنے جلسہ میں کسی دوسرے کی تقریر پسند نہیں کرتے؛ لیکن آپ کا طرزِ عمل اِس کے بالکل برعکس تھا، آپ تاکید کر کے اپنے سے قبل کسی دوسرے عالم کی تقریر کراتے اور نہایت غور سے اُس کی بات سنتے اور پھر عموماً اُسی مضمون کو لے کر اپنا وعظ شروع فرمادیتے۔

مرادآباد اور اُس کے اَطراف میں حضرت قاری صاحبؒ کی تشریف آوری پر کئی پروگراموں میں اپنے وعظ سے قبل اِس ناکارہ کو تقریر کا اَمر فرمایا اور پھر ایک تقریر پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ''آج تم نے وہی باتیں کہہ دیں جو میں کہنا چاہتا تھا''، ہم نے عرض کیا کہ یہ صرف آپ کی توجہ کی برکت ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ خوردنوازی آپ کے کمالِ اخلاص اور تواضع کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

زمانۂ طالب علمی میں احقر کو بار بار دارالعلوم دیوبند میں حضرت قاری صاحبؒ کی

زیارت کا شرف حاصل ہوا، جب آپ تشریف لاتے تو مشتاقانِ زیارت کی بھیڑ لگ جاتی اور آپ جدھر جاتے طلبہ کا ایک بڑا مجمع آپ کے ساتھ ہوتا، کئی مرتبہ طلبہ وغیرہ نے آپ سے دارالعلوم میں وعظ کی درخواست کی، تو آپ نے اَزراہ تواضع صاف انکار فرمادیا اور کہا کہ ''جس جگہ اَکابر نے وعظ کہا ہو وہاں میں وعظ نہیں کہہ سکتا''۔

اِسی طرح ۱۹۹۵ء میں جب آپ مدرسہ شاہی مرادآباد میں رونق اَفروز ہوئے اور طلبہ ٔدورۂ حدیث شریف نے تبرکاً ایک سبق پڑھانے کی درخواست کی، تو حضرت نے فرمایا ''جس اِدارہ میں میں نے درس لیا ہے وہاں درس دینے کی ہمت نہیں ہے''۔

اِسی بے مثال تواضع کا اَثر یہ تھا کہ آپ کا قلبِ مبارک بغض وکینہ کے اَثرات سے پوری طرح محفوظ تھا، آپ اپنے تمام اکابر اور معاصرین سے تعلقات اُستوار رکھتے اور گروپ بندی سے اپنے آپ کو پوری طرح بچائے رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شخصیت جماعتی اور مدارس کے اختلافات سے بلند تر تھی اور آپ کی ذات کو ہر طبقہ میں یکساں مقبولیت؛ بلکہ محبوبیت حاصل تھی۔

کمالِ زہد

حضرت قاری صاحبؒ کا ایک ممتاز وصف آپ کا بے مثال زہد واستغناء تھا، دنیا آپ کے قدموں میں ذلیل ہوکر آتی تھی؛ لیکن آپ اُسے نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے، مال داروں کی اصلاح کا جذبہ ضرور تھا؛ لیکن اُن کی دولت وثروت سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہ تھی، اِسی استغناء نے آپ کو مقبولیت ومحبوبیت کی بلندیوں تک پہنچادیا تھا اور آپ کی ذات اِرشادِ نبوی ''اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْ فِيْمَا فِيْ أَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ''. (سنن ابن ماجة، كتاب الزهد / باب الزهد في الدنيا رقم: ٤١٠٢) (یعنی دنیا سے بے رغبت ہوجاؤ عنداللہ محبوب بن جاؤ گے اور لوگوں کے مال ودولت سے اعراض کرنے لگو تو لوگوں کی نظر میں محبوب بن جاؤ گے) کی چلتی پھرتی تفسیر بن گئی تھی، آپ نے ساری دینی خدمات حسبۃً للہ انجام دیں، نہ صرف یہ کہ مدرسہ سے مشاہرہ نہ لیتے؛ بلکہ اَسفار میں بھی کرایہ کے علاوہ نذرانے وصول نہ

فرماتے اور کہیں کہیں تو اپنا ہی کرایہ خرچ کر کے تشریف لے جاتے، تمام مہمانوں کا صرفہ اپنے حساب سے اَدا فرماتے، مدرسہ پر اُس کا بوجھ نہ ڈالتے تھے۔

عشقِ نبوی

علاوہ اَزیں اتباعِ سنت میں بھی آپ کا قدم بہت راسخ تھا، معمولی سے معمولی سنت کی اَدائیگی کا بھی نہایت اہتمام فرماتے۔ گذشتہ سال ہم لوگ حاضر تھے، رات میں آرام فرمانے سے قبل آپ نے وضو فرمایا، پھر اِرشاد فرمانے لگے ''اَب اُٹھتے بیٹھتے تکلیف ہوتی ہے، سوتے وقت وضو کا اہتمام دشوار ہوتا ہے؛ لیکن بعض بزرگوں کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک رات باوضو سونے کے لئے اُنہیں ۱۴؍مرتبہ وضو کرنا پڑا اور ہر مرتبہ پوری بشاشت سے وضو کرتے رہے؛ تاکہ اُنہیں سنت کے موافق سونا نصیب ہوجائے، ایسے بزرگوں کے حالات سے عمل کی ہمت ہوجاتی ہے''۔

آپ ہر عمل میں اتباعِ سنت کو ہی ملحوظ رکھتے اور اِسی نیت سے تمام اُمور انجام دیتے تھے، آپ کا معمول تھا کہ جب کوئی عالم آپ سے ملنے ہتھورا حاضر ہوتا تو اُس کو طلبہ میں بیان کرنے کا حکم فرماتے، ہم چند اَحباب حاضر ہوئے تو حسبِ معمول آپ نے تقریر کا پروگرام رکھا، ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم تو استفادہ کے لئے حاضر ہوئے ہیں، اِفادہ کے لائق نہیں ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ: ''کیا مہمان کا اکرام سنت نہیں ہے''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق آپ کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھا، کبھی کبھی یہ عشقیہ جذبات الفاظ کے پیکر میں ڈھل کر منظوم کلام کی شکل اختیار کر لیتے اور اُس کے لفظ لفظ سے آپ کے سوز و گداز اور دردِ دل کا اظہار ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ بیماری کی حالت میں آپ نے بڑی دردانگیز نعت اِرشاد فرمائی، جس کے چند اَشعار آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

دواؤں سے طبیعت روبصحت ہے نہیں میری ❖ طبیعت مضطرب ہے اَب نہیں لگتی کہیں میری
نہیں سمجھا کوئی اِس درد کو یہ درد کیسا ہے؟ ❖ دواؤں سے شفا ہرگز نہیں ہرگز نہیں میری

علاج اِس کا فقط یہ ہے کہ طیبہ ہو نگاہوں میں ❖ دیارِ قدس میں اَشکوں سے تر ہو آستیں میری
نہ دن میں چین ملتا ہے نہ شب میں نیند آتی ہے ❖ سکوں باقی نہیں ہے خاطر اَندوہ گیں میری
وہ نقشہ جم گیا ہے اَب تو دل میں ذاتِ اَقدس کا ❖ تصور میں وہ رہتے ہیں نگاہیں ہوں کہیں میری
ہوا دیوانہ جب سے آپ کا خلوت میں رہتا ہوں ❖ کسی سے بات کرنے کی کوئی خواہش نہیں میری

آپ کی دیگر نعتیں بھی اِنہی جذبات کی آئینہ دار ہیں، جن میں سے بعض آپ کی تالیف ''سیرت سید المرسلین'' میں شائع ہو چکی ہیں۔

الغرض انہی خوبیوں کی وجہ سے خلق خدا آپ کی طرف کھنچی چلی جاتی تھی، آپ کی آمد کی خبر سن کر گاؤں دیہات میں بھی ہزاروں کا مجمع اکٹھا ہو جاتا اور آپ کا سادہ اور تکلف سے خالی وعظ حاضرین پر اِس قدر اثر اَنداز ہوتا کہ بڑی بڑی مرصع تقریروں سے بھی وہ بات حاصل نہیں ہو پاتی، آپ کی باتیں ''اَز دل خیزد بر دل ریزد'' (دل سے نکل کر دل تک پہنچنے) کا مصداق ہوتی تھیں، یہ آپ کی ظاہر و باطن کی یکسانیت اور علم و عمل میں مطابقت کا اثر تھا، جسے ہر شخص محسوس کرتا تھا۔

آج حضرت قاری صاحبؒ کی ذات ہم میں گو کہ موجود نہیں؛ مگر آپ کی زندگی کے تابندہ نقوش ہمارے سامنے ہیں، ہماری نظر میں حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں سب سے بڑا خراج عقیدت یہ ہے کہ ہم آپ کی زندگی کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں اور آپ کی بلند پایہ صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں، ہمارا یہ عزم حضرت کی روح کو خوش کرنے کا ذریعہ بنے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائیں اور حضرت قاری صاحب مرحوم کے درجات کو بلند سے بلند فرمائیں، آمین۔

○❖○

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی کی

چند عبرت آموز جھلکیاں

عارف باللہ حضرت اَقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہٗ کی وفات پر بہت سے حضرات نے تعزیتی مضامین لکھے اور بعض رسائل نے خاص نمبر بھی شائع کئے؛ تاہم اُن مضامین میں حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سنبھلی مدظلہ اُستاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا تأثراتی مضمون سب سے ممتاز قرار دیا گیا، جس میں آں موصوف نے حضرت قاری صاحبؒ کے بارے میں اپنے چشم دید حالات اِس انداز میں جمع فرمائے کہ پڑھنے والے اُن کے ذریعہ بڑی عبرت اور نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

احقر اُسی مضمون سے انتخاب کر کے چند واقعات ذیل میں نقل کر رہا ہے، اُسی کے ساتھ ماہنامہ ''پیغام محمود دیوبند'' کے ''صدیق نمبر'' کے دیگر مضامین سے کچھ منتخب چیزوں کو شامل کیا ہے۔ اور اِس سلسلہ کے اَخیر میں حضرت قاری صاحبؒ کے اُن قیمتی بیانات کی تلخیص درج ہے جو حضرتؒ نے مراد آباد کے سفر ۱۴۱۶ھ کے دوران متعدد مجالس اور اجلاسوں میں فرمائے تھے، اور جنہیں بعد میں ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں شائع کر دیا گیا تھا۔ اُمید ہے کہ دیدۂ عبرت کے ساتھ اِن باتوں کو پڑھنے سے قارئین کو نفع ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

پر مشقت طالب علمی

اپنی ابتدائی طالبِ علمی کا یہ واقعہ حضرت نے بارہا سنایا کہ میرے اُستاذ جو گاؤں کی مسجد میں مجھے حفظ کراتے تھے، صرف سات یا آٹھ پارے کے حافظ تھے، جب میں نے اتنے پارے حفظ کر لئے، تو فرمایا: ''بیٹا اب تم کہیں باہر چلے جاؤ، ہم تو صرف اتنا ہی پڑھا سکتے تھے''۔ حضرت

کے والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا، والدہ مرحومہ نے کچھ کر کرا کے تھوڑا بہت انتظام ''کان پور'' جانے کا کر دیا، حضرت کے ساتھ کچھ خشک روٹیاں اور غالباً تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے بھی کر دئے، کان پور کے کسی مدرسہ میں جا کر داخلہ لے لیا، مدرسہ سے کھانے کا انتظام ہوا نہیں، یا حضرت نے لینا پسند نہیں کیا، یہ تفصیل مجھے یاد نہیں رہی، بہر حال کھانا مدرسہ سے نہیں ملتا تھا، کچھ دن تو ساتھ لائے ہوئے سامان پر گزارا کیا، جب وہ ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک وقت کے کھانے کا انتظام اِس طرح کر دیا کہ کان پور کے اُستاذ صاحب نے فرمایا ''صدیق! تم ہمارے گھر سرکاری نل سے پانی بھر دیا کرو اور ایک وقت کا کھانا ہمارے یہاں سے لے لیا کرو''، اُن کا گھر بالائی منزل پر تھا، دو دو بالٹی لے کر زینہ پر چڑھنا پڑتا تھا، فرماتے تھے بیچ زینہ میں کھڑے ہو کر رو لیا کرتا تھا؛ لیکن اِس کے سوا چارہ ہی کیا تھا، چوبیس گھنٹے میں صرف ایک وقت کھانا ملتا تھا؛ لیکن حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب بننے کے لئے ابھی اور سخت تربیت اللہ کو منظور تھی، حضرت نے بارہا سنایا کہ ایک مہینہ بھی اِس ایک وقت کے کھانے کے انتظام کو نہ ہوا تھا کہ ہمارے گاؤں کے ایک ساتھی حافظ نعمت اللہ صاحب میرے ساتھ پڑھنے کے لئے کان پور آ گئے، اَب صورت یہ تھی کہ ایک وقت کا کھانا اور دو آدمی، کچھ دنوں کے بعد ایک ساتھی اور آ گئے، اَب چوبیس گھنٹے میں صرف ایک ایک چپاتی ہی حصہ میں آتی تھی، یہ نئے آنے والے ساتھی تو آزمائش کو برداشت نہیں کر سکے اور جلد ہی وطن واپس چلے گئے؛ لیکن حضرت اور جناب حافظ نعمت اللہ صاحب دونوں نے ایک سال پورا صرف ایک وقت کی ایک خوراک میں گذار دیا۔

(بروایت: مولانا محمد زکریا سنبھلی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، از پیغام محمود دیوبند ص: ۸۵)

اِصلاحِ اُمت کی دھن

ضلع باندہ اور اُس کے قرب وجوار میں کوئی قابل ذکر دینی اِدارہ نہ تھا اور نہ کوئی شخصیت مدت سے دینی کام کرنے والی رہی تھی، اِس لئے اِس علاقہ کا دینی حال بہت ہی خراب تھا۔ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی تھی جو صرف نام کے مسلمان تھے، حقیقت اسلام سے دور

کا واسطہ بھی نہ تھا؛ بلکہ بعض برادریاں تو اپنا تعارف اِس طرح کراتی تھیں کہ ہم نہ ہندو ہیں اور نہ مسلمان، ہم تو فلاں برادری سے تعلق رکھتے ہیں، آزادی کے بعد باندہ ضلع میں شدھی تحریک والوں نے کمزور مسلمانوں کو ہندو بنانا شروع کردیا تھا اور اِرتداد کا ایک سیلاب سا آگیا تھا، سینکڑوں نہیں ہزاروں مسلمان یا تو واقعی مرتد ہوگئے تھے یا بالکل ارتداد کے قریب پہنچ گئے تھے۔

حضرتؒ اُس زمانہ میں فتح پور کے ایک مدرسہ اِسلامیہ میں پڑھاتے تھے، وہاں باندہ اور اُس کے اَطراف کی یہ خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ خود سناتے تھے کہ ایک رات کو سونے کے اِرادے سے جب لیٹا تو یہ خیال آگیا کہ کل قیامت میں اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ سوال نہیں فرمائیں گے کہ تم نے یہ کتابیں پڑھائی تھی کہ نہیں؟ بلکہ مجھ سے یہ سوال ہوگا کہ تمہارے علاقہ میں اِرتداد پھیل رہا تھا، لوگ مرتد ہورہے تھے تم نے کیا کیا؟ اِس سوال کے ذہن میں آنے سے نیند غائب ہوگئی، ساری رات اِسی فکر میں ذہن غلطاں وپیچاں رہا اور ایک منٹ کو بھی نہ سوسکا؛ لیکن صبح ہونے سے پہلے ہی دل ودماغ نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اَب اپنے علاقہ کے لوگوں میں کام کرنا ہے اور اُن کے اِیمان کی فکر کرنی ہے۔ پھر اِسی اِرادہ سے اہلِ مدرسہ سے اِجازت لے کر اپنے یہاں چلا آیا۔ شروع میں کام کی صورت یہ تھی کہ ایسے علاقوں کے دیہات میں جہاں اِرتداد کی وبا عام ہورہی تھی، حضرتؒ نے تن تنہا دورہ شروع کردیا اور جہاں اور جیسے دین کی بات کرنے کا موقع ملتا بات کرتے۔ میں نے ابھی کچھ دن پہلے اِس دورے کی کچھ تفصیلات دریافت کی تھیں، تو فرمایا کہ جو لوگ میرے گاؤں سے واقف تھے، اُن سے ہتھورا کے حوالے سے تعارف کرا کر بات کرتا اور جو لوگ میری سسرال کے لوگوں سے واقف تھے، اُن سے اُن لوگوں کے حوالے سے بات شروع کرتا، اِسی طرح ایک دن میں کئی کئی دیہات گھوم پھر کر دین کی بات اُن لوگوں کو پہنچایا کرتا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں یہ بھی فرمایا کہ رات کا قیام کبھی کسی کھلیان میں، کبھی کھیتوں کی پگڈنڈیوں میں بھی کرنا پڑتا تھا، اِس طرح کام کرتے ہوئے کئی مہینے گذر گئے، تو محسوس ہوا کہ مدرسہ کی ضرورت ہے جسے اِس کام کے مرکز کے طور پر استعمال کیا جائے اور اِن لوگوں کے بچوں کو وہاں

پڑھانے کے لئے لے جایا جائے، مدرسہ کی تجویز مولاناؒ نے باندہ اور قرب وجوار کے لوگوں کے پاس جاجا کر رکھی، بعض حضرات سے بڑی اُمیدیں وابستہ کر کے اُن کے پاس گئے؛ لیکن اِس کام کے نام سے ہی سب کانوں پر اُنگلیاں رکھ لیتے تھے، لوگوں نے یہ تک کہا: ''صدیق! یہاں جان کے لالے پڑے ہیں اور تم مدرسہ کی بات کرتے ہو''؟ اِس سلسلے کی تفصیلات حضرت بہت بتلایا کرتے تھے، بہت سی ابھی تک میرے حافظہ میں محفوظ ہیں؛ مگر بات بہت طویل ہو جائے گی، ہر طرف سے مایوس ہو کر مولانا نے اپنے گاؤں میں مدرسہ کھول ہی دیا، گاؤں والے سب بے حد غریب، کچے کچے مکانات مسجد بھی چھوٹی اور خستہ؛ مگر مولاناؒ کے عزمِ مصمم کے سامنے کوئی رکاوٹ؛ رکاوٹ نہ رہی۔ اُن ہی دنوں حضرتؒ نے ایک طویل نظم کہی تھی، جس کے کچھ اَشعار حضرت نے مجھے بھی کئی بار سنائے اور جب بھی سناتے آنکھیں اَشک بار ہو جاتی تھیں، نظم کیا تھی ٹوٹے دل کی آہیں تھی۔ (مولانا محمد زکریا سنبھلی، پیغام محمود ص:۸۶-۸۷)

مدرسہ کی تعمیر میں شرکت

مدرسہ کے قریب ایک نالہ ہے، برسات میں اُس کا پانی اپنے چھوٹے چھوٹے کنکر بڑی مقدار میں بہالاتا ہے، وہ کنکر خاص خاص جگہوں پر نالے کے کنارے جمع ہو جاتے ہیں، پتھر کی تعمیر میں چونے کے ساتھ ملا کر یہ کنکر استعمال کئے جاتے ہیں، حضرت اِس بات سے بہت واقف تھے کہ نالے کے کس کس موڑ پر کنکر زیادہ ملتے ہیں، پھر اُن کو جمع کرنا اور دھونا بھی خوب جانتے تھے، طلبہ کو لے کر خود نالے پر تشریف لے جاتے، طلبہ کے ساتھ کنکر جمع کرتے، اُن کو ٹوکریوں میں کر کے خود ڈھوتے اور بیل گاڑی پر لدوا کر لاتے تھے۔ حضرتؒ کے ساتھ کام کرنے میں بڑا مزہ آتا تھا، سب ہی لوگ حضرتؒ سے بے تکلف تھے، حضرتؒ سے چھیڑ چھاڑ بھی کر لیتے تھے، ایسا پیارا اور محبوب مربی نہ دیکھا نہ سنا، لطیفے بھی ہوتے تھے، حضرتؒ ہنستے ہنساتے بھی تھے، ایسی حسین ہنسی اور اتنے خوب صورت دانت کم ہی دیکھے ہوں گے، تعمیر کے سلسلے میں سب لوگوں سے مشورہ بھی لئے جاتے اور مشوروں کو قبول بھی فرماتے تھے، اِس طرح تنکا تنکا کر کے یہ آشیانہ

تعمیر ہوا ہے۔ اپنے مدرسہ کے علاوہ حضرتؒ کو بستی بستی قریہ قریہ مکاتب کے قیام کی بہت فکر رہتی تھی۔ (مولانا محمد زکریا سنبھلی، پیغام محمود ص:۸۸)

بے مثال تواضع

مولانا تواضع وانکساری کے پیکر تھے، اپنی ذات کو سب سے کمتر اور اپنے کو سب کا اَدنیٰ خادم سمجھتے تھے، خدمت کے واقعات بہت سے پڑھے ہوں گے، یہ بھی پڑھ لیجئے! مدرسہ میں مسجد کے سامنے بارہ عدد بیت الخلاء بنے ہوئے تھے، جو طلبہ واَساتذہ کے بھی استعمال میں رہتے تھے، باندہ کے دیہاتی طلبہ جس جس طرح اُن کو گندہ کر سکتے تھے، کرتے تھے؛ لیکن صبح کے وقت سب بیت الخلاء روزانہ بالکل دھلے ہوئے ہوتے تھے، کسی کو دھونے والے کا پتہ نہ چلتا تھا۔ ایک مرتبہ تقریباً ڈھائی بجے مجھے بیت الخلاء جانے کی ضرورت محسوس ہوئی، جب میں کسی قدر قریب پہنچا تو دیکھا کہ کوئی صاحب مسجد کے وضوخانے کا پانی جس گڈھے میں جمع ہوتا تھا، اُس سے بالٹی میں پانی لے کر بیت الخلاء دھو رہے ہیں، غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ یہ تو ہمارے حضرتؒ ہی ہیں، کہاں کا تقاضا؟ خاموشی سے آکر اپنی چارپائی پر لیٹ گیا اور حضرتؒ کو یہ کرتے دیکھتا رہا، آگے بڑھ کر حضرتؒ کے ساتھ شریک ہونے کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ حضرتؒ کو راز فاش ہوجانے پر اَفسوس ہوگا اور حضرتؒ کو یہ سب کرتا دیکھ کر نیند کا کیا سوال؟ اِس کام سے فارغ ہوکر مسجد کے قریب کنویں پر جونل لگا تھا، وہاں جاکر غسل فرمایا اور مسجد کے صحن میں تہجد کی نماز شروع کردی، اللہ ہی جان سکتا ہے کہ اُس کے یہاں اِن کاموں کا کیا اَجر ملے گا؟ اور اُس تہجد کی نماز پر اُس کو کتنا پیار آتا ہوگا؟ اپنے کمرے کے سامنے صحن اور برآمدہ میں جھاڑو دے لینا تو کوئی بات ہی نہ تھی، یہ تو روزمرہ کا کام تھا۔

بہت ہی معزز مہمانوں کے لئے حضرتؒ کے کمرہ کے قریب دو بیت الخلاء بنے ہوئے تھے، ایک مرتبہ مدرسہ میں ایک بہت محترم بزرگ آنے والے تھے کہ اُس بیت الخلاء کا ٹینک بھر گیا، مولوی محمد منظور اور مولوی انیس احمد کو جو حضرت کے قریبی لوگوں میں ہیں بلایا اور فرمایا کہ

ایک کام ہے، ہم ہی لوگ کر سکتے ہیں، بتلاؤ: کرو گے؟ اُن لوگوں نے عرض کیا ضرور۔ فرمایا یہ کام ہے، اُن نوجوانوں کو بھی شاباش ہے کہ اُن لوگوں نے حضرتؒ کے ساتھ یہ کام کیا، انہی دونوں کی روایت ہے کہ حضرت بھی بالٹیاں بھر کر غلاظت وہاں سے لے جا کر دور کھیت میں ڈال کر آتے تھے۔ (مولانا محمد زکریا سنبھلی، پیغام محمود ص:۸۸)

اپنے لئے احتیاط ہی پسند تھی

مولاناؒ کے یہاں اَساتذہ کی تنخواہیں تو واقعی کم تھیں؛ لیکن اور بہت سی سہولتیں ایسی تھیں جن سے تنخواہوں کی کمی کی تلافی ہوجاتی تھی، مثلاً: اَساتذہ کو مکانات بہت ہی کم کرایہ پر دئے جاتے تھے اور حتی الوسع ہر خواہش مند اُستاذ کو مولاناؒ مکان فراہم کر دیتے تھے۔ اسی طرح مطبخ کے لئے جو غلہ تیل وغیرہ فصل کے موقع پر جس نرخ سے غلہ خریدا گیا تھا، اُسی نرخ سے سال بھر اَساتذہ کو دیتے رہتے تھے، یہ سامان قرض بھی دیا جاتا تھا اور قیمت قسط وار تنخواہ سے کٹتی رہتی تھی۔ رمضان المبارک سے پہلے شعبان میں رمضان کے خرچ کے لئے چاول، دال اور تیل وغیرہ مطبخ کے بند ہونے سے پہلے ہی دے دیا جاتا تھا۔

جس سال مولوی حبیب صاحب (حضرت کے بڑے صاحب زادے) مدرس ہوئے ہیں، اُس سال شعبان کا واقعہ ہے کہ مطبخ کے ذمہ دار حضرات عام اَساتذہ کو یہ سامان دے رہے تھے، مولوی حبیب صاحب اتفاقاً اُدھر سے گذرے (اُس وقت مطبخ اتنا اندر نہیں تھا) تو اُنہوں نے مولوی حبیب صاحب سے کہا، آپ کو بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو لے لیں، آپ بھی تو اَب اُستاذ ہوگئے ہیں، مولوی حبیب صاحب نے اُن کے کہنے پر دو تین کلو چنے کی دال قیمتاً لے لی، اور دال لے کر نکل رہے تھے کہ اُدھر سے حضرت تشریف لے آئے، دریافت فرمایا کہ کیا ہے؟ آواز میں کرختگی تھی، بے چارے مولوی حبیب صاحب تو گھبرا گئے، غالباً مطبخ کے ذمہ دار نے اُن کی طرف سے عرض کیا، تین کلو دال نقد قیمت دے کر لی ہے، میں نے حضرتؒ کے غضب کا ایسا حال کبھی نہ دیکھا تھا، انتہائی سخت انداز میں مولوی حبیب احمد کو ڈانٹا اور فرمایا کہ ''تمہارے

باپ کا مال ہے، میں بھیک مانگ مانگ کر تمہارے لئے لاتا ہوں؟'' میں فوراً پہنچ گیا اور عرض کیا، وہ بھی تو مدرس ہیں اور یہ سہولت تو سب ہی مدرسین کے لئے ہے؛ لیکن حضرت کا غضب کسی طرح کم نہ ہوا، ہم سب ہی لرز گئے، بے چارے مولوی حبیب احمد صاحب کا تو برا حال تھا، کسی طرح مطبخ واپس گئے اور وہ دال واپس کی۔

اپنے اور اپنے اہل وعیال کے بارے میں حضرت کی احتیاط کا یہی حال تھا، مدرسہ سے نہ کبھی تنخواہ لی اور نہ کوئی سہولت اپنے لئے یا اپنی اَولاد کے لئے مدرسہ سے حاصل کی۔ جس زمین میں مدرسہ بنا ہوا ہے، اُس کا اکثر حصہ مولاناؒ کے خاندان یا اَعزہ کی ملکیت تھا، نیز جس کمرہ میں حضرت کا قیام تھا، وہ بھی حضرت ہی نے اپنے لئے بنوایا تھا، مدرسہ کی رقم اُس میں صرف نہ کی تھی، مدرسہ کے کاموں سے سفر کرنا ہوتا تھا، تب بھی حتی الوسع مدرسہ سے کرایہ نہ لیتے اور سفر میں کوئی معمولی سی تجارت کر لیتے، جس سے کرایہ نکل آتا، مدرسہ کے ایک اُستاذ مولانا سعد اللہ صاحب کی کرانہ کی دوکان تھی، کان پور تشریف لے جا رہے تھے، فرمانے لگے: مولوی سعد اللہ صاحب بتلایئے! آپ کی دوکان کے لئے کان پور سے کیا لیتے آئیں؟ جس سے ہمارا کرایہ نکل آئے، مولانا سعد اللہ صاحب نے عرض کیا: حضرت ''سن لائٹ صابن'' ہمیں باندہ میں اِس قیمت کا ملتا ہے، کان پور میں آپ کو اِس سے کم قیمت کا مل جائے گا، آپ ایک پیٹی صابن لے آئیں، ہم لے لیں گے، آپ کا کرایہ نکل آئے گا۔ مولاناؒ کان پور سے واپسی میں ایک پیٹی ''سن لائٹ صابن'' لے آئے اور مولانا سعد اللہ صاحب کو دے دیا۔ اس میں صابن کی قیمت اور مولانا کا کرایہ بھی نکل آیا، اور چھ عدد ''سن لائٹ صابن'' بچ رہے، فرمایا یہ غریب طلباء کے کام آجائیں گے۔ (مولانا محمد زکریا سنبھلی، پیغام محمود ص: ۹۶-۹۷)

مہمانوں کا اکرام

اَحادیث میں اِکرامِ ضیف کو اِیمان کی علامت بتایا گیا ہے، حضرتؒ کے یہاں اِس کا اہتمام آخری حد تک تھا، مہمانوں کی آمد تو وقت بے وقت ہوتی ہی رہتی تھی، مولانا مہمانوں کو

مدرسہ کے ذمہ نہ کرنا چاہتے تھے، اَب اُس کی صورت یہی تھی کہ اپنے گھر جو کچھ ہو یا ہو سکے تو لے آئیں اور بعض بہت ہی قریبی عزیزوں کے گھروں سے کچھ لے آئیں۔ مولانا کا کمرہ جو دارالضیافت بھی تھا، اُس میں ایک عدد المونیم کی سینی، چار عدد المونیم کے پیالے اور ایک کپڑا جس میں مختلف رنگوں کے کپڑوں کے پیوند لگے ہوئے تھے، رکھا تھا۔ اگر بے وقت مہمان آتے تو حضرت خود ہی یہ مذکورہ سامان اُٹھاتے اور اپنے گھر اور عزیزوں کے گھروں سے کھانا لانے کے لئے چل دیتے، جس کا گھر راستہ میں پڑ جاتا، آواز دیتے جاتے اور ایک پیالہ پکڑاتے جاتے، صاحبِ خانہ اپنے گھر سے جو کچھ ہوسکتا تھا، مدرسہ لے کر پہنچ جاتے، پھر حضرت اپنے گھر جا کر جو کچھ ملتا یا جلد انتظام ہوسکتا، لے آتے۔ میں الحمدللہ مولاناؒ کے کسی حد تک قریب تھا، کبھی کبھی یہ کام میں نے بھی کیا؛ مگر بہت کم، گاؤں کے لوگوں کا میرے ساتھ بھی بہت محبت کا تعلق تھا۔

ایک دفعہ حضرتؒ کی عدمِ موجودگی میں بے وقت ایک مہمان آ گئے، ایک بہت ہی قریبی دوست کے گھر جا کر میں نے بھی آواز لگا دی، وہ گھر پر نہ تھے، بچوں کے ذریعہ اپنی بات اندر تک پہنچا دی کہ مہمان آ گئے ہیں، ایک پیالہ سالن یا دال دے دیں، اللہ اُن کی اہلیہ کو بہت ہی جزائے خیر دے کہ اُنہوں نے بچے کے ذریعہ پوری پتیلی باہر بھیج دی کہ مہمانوں کو کھلا دیں، جو بچ جائے واپس کر دیں، ابھی بچوں نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ اُس گاؤں کے لوگ مہمان نوازی میں بے مثال تھے، حضرتؒ گاؤں کے لوگوں کے احسانات کا جو مدرسہ کے ابتدائی زمانہ میں اُن لوگوں نے کئے تھے، بہت تذکرہ فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ میں حضرتؒ کی اِس سنت پر کبھی کبھی عمل کر لیا کرتا تھا؛ لیکن حضرتؒ کو یہ بات برداشت نہ تھی کہ میں کسی کے دروازہ پر جا کر اِس طرح آواز لگاؤں۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرتؒ کی کچھ طبیعت خراب تھی، گھر تشریف لے گئے تھے کہ بے وقت مہمان آ گئے، میں نے سوچا کہ حضرتؒ کو زحمت ہوگی، خود ہی کچھ انتظام کر لیا جائے، وہی سینی اور کٹورے لے کر چل دیا، کسی ذریعہ سے مہمانوں کا حضرتؒ کو علم ہوگیا، فوراً چلے آئے، اُدھر سے

میں مدرسہ سے نکل چکا تھا، راستہ میں ملاقات ہوگئی، حضرت کی آنکھوں سے آنسوں بہہ پڑے اور فرمایا: ''مولانا سب کام آپ سے کرالیتا ہوں، یہ کام آپ سے نہیں کراؤں گا''، پھر بڑے درد سے فرمایا ''یہ تو میرے نصیب ہی میں لکھا ہے''۔ (مولانا محمد زکریا سنبھلی، پیغام محمود ص:۹۱)

دوسرے کی دل شکنی کا خیال

ایک مرتبہ حضرتؒ کو کان پور رکتے ہوئے لکھنؤ جانا تھا، بطور خادم احقر بھی ساتھ تھا، نماز فجر سے قبل پسنجر ٹرین سے سفر شروع ہوا، قریب گیارہ بجے کان پور پہنچے، تب تک ناشتہ چائے کی نوبت ہی نہیں آئی، لوگ آتے گئے ملاقات کا سلسلہ چلتا رہا، کسی نے خواہش کی کہ حضرت ہمارے گھر چلیں ناشتہ کرلیں، حضرت انکار فرماتے، کسی نے کہا حضرت ناشتہ ہم یہیں لے آئیں، حضرت انکار فرماتے، میں بھوک سے بے تاب ہورہا ہوں، کچھ کہنے کی ہمت بھی نہیں ہوتی، کان پور اسٹیشن سے قریب مسجد شتر خانہ ہے، وہاں حضرت پہنچ گئے، لوگوں کا ہجوم واصرار بڑھتا رہا، حضرت نے لوگوں سے کہا کہ مجھے کچھ آرام کرنا ہے، آپ لوگ چلے جائیں، دو گھنٹے بعد آئیں، لوگ چلے گئے، اُوپر اِمام صاحب کے حجرے میں گئے، اُس وقت اِمام صاحب نہیں تھے، صرف مؤذن صاحب مسجد میں تھے، پانچ دس منٹ حضرت لیٹ گئے، پھر اُٹھے، مؤذن صاحب سے کہا: آپ اپنا ناشتہ دان دے دیں، جیب سے پانچ روپئے نکالے اور مجھ سے کہا لو یہ ناشتہ دان، یہ بھی راستہ ہے اِس سے باہر چلے جانا، تندوری روٹی، پاؤ کلو ٹماٹر اور دو پیاز کی ڈلی لے لینا، قریب ہی دو کانیں تھی، تھوڑی ہی دیر میں لے کر حاضر ہوگیا، کہا چٹنی بناؤ، بنائی گئی، پھر روٹی کھائی گئی، تب سکون ہوا۔

پھر کچھ دیر کے لئے لیٹ گئے، جب وقت ہوا دروازہ کھولا گیا، لوگ آتے اور خواہش کرتے کہ کھانا ہمارے یہاں کھالیں، حضرت فرماتے کہ ہم کھانے سے فارغ ہوگئے، اَب خواہش نہیں ہے۔ اللہ اکبر! سوچتا رہ گیا، یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ یہاں ایک نہیں سینکڑوں چاہنے والے ہیں، پھر یہ استغناء کا عالم، اِس میں ایک پہلو تو اِس نالائق کی تربیت کا تھا، دوسرا پہلو یہ کہ

کسی چاہنے والے کی دل شکنی نہ ہو، حضرت اِس کا بطور خاص ہر معاملے میں خیال رکھتے تھے، چوں کہ یہ سفر کسی کی دعوت پر نہیں تھا، کسی کی دعوت قبول کر لیتے، تو دوسرے کی دل شکنی ہوسکتی تھی، واللہ اعلم۔ (مولانا احمد عبداللہ قاسمی، پیغام محمود ص: ۳۸)

حوصلہ اَفزائی

میں حضرت کے کمرے کے سامنے برآمدہ میں ''شرحِ وقایہ'' پڑھایا کرتا تھا کہ اَچانک حضرتؒ تیزی کے ساتھ کمرہ سے باہر تشریف لائے اور سب طلبہ کے سامنے میرے پڑھانے کی تعریف فرمانے لگے اور فرمایا کہ: میں سوچ رہا تھا کہ اِس مشکل جگہ کو آپ کیسے حل کریں گے؟ واللہ کیا تعبیر آپ نے کی ہے، مولانا اُسے قلم بند کر دیجئے، مولانا میرے کام آئے گا اور یہ جملہ بار بار دہراتے رہے، میں اَب بھی جب کہ یہ باتیں لکھ رہا ہوں آنکھوں میں آنسو ہیں۔ اِس مردِ خدا کے احسانات کا نہ بدلہ اَدا کر سکا ہوں اور نہ کر سکوں گا۔ (مولانا محمد زکریا سنبھلی، پیغام محمود ص: ۸۴)

اصلاح بین الناس کی فکر

اللہ کے بندوں میں باہمی محبت واُلفت اور اچھے تعلقات کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے، اور اُس کے بالمقابل آپس کی لڑائی اور باہمی نزاع کو شریعت میں بہت ناپسند سمجھا گیا ہے۔ حضرتؒ کو اصلاح بین الناس کی بڑی فکر رہتی تھی، خصوصاً وہ لوگ جو دین دار کہے جاتے ہیں، یا کسی دینی جماعت یا اِدارے سے وابستہ ہیں، جن کا اختلاف نہ صرف دو شخصیتوں؛ بلکہ گروہوں کا ہوتا ہے؛ بلکہ اُس کے نتائج بڑے دوررس اور بڑے مضر ہوسکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے حضرت بڑی کوششیں فرماتے اور جو کچھ بن پڑتا، اس سے گریز نہ کرتے۔

ایک مدرسہ کے دو استاذوں میں کچھ اختلاف ہوگیا اور بات کچھ حد سے متجاوز ہوگئی، حضرتؒ نے اُن دونوں کے درمیان صلح کرنی چاہی، اُن میں سے ایک تو راضی ہوگئے؛ لیکن

دوسرے جن پر کچھ زیادتی ہوگئی تھی، کسی طرح راضی ہونے اور دوسرے کے معافی مانگنے پر بھی معاف کرنے کے لئے تیار نہ تھے، حضرت نے ہر چند سمجھانے کی کوشش کی، میں اور ایک صاحب اور وہاں موجود تھے، جب وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے، تو حضرتؒ نے اپنی ٹوپی اُتاری اور اُن کے قدموں پر ڈال دی، ہم لوگوں پر تو جیسے بجلی گرگئی اور مجلس میں ایک سکتہ سا سب کو ہوگیا؛ لیکن حضرتؒ کے اِس عمل نے اپنا کام کردیا اور آخر اُن کا دل بھی نرم پڑ گیا اور اُنہوں نے بھی حضرتؒ کے اِرشاد کے مطابق مصالحت کرلی۔

اِسی طرح کا واقعہ لکھنؤ کے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح وصفائی کرنے کے سلسلے میں بھی پیش آیا اور جب کچھ پر جوش نوجوانوں کو مصالحت کے لئے حضرتؒ کسی طرح تیار نہ کرسکے تو آخر میں روتے ہوئے اپنی ٹوپی اُتار کر اُن کے قدموں پر ڈال دی اور نتیجہ یہاں بھی اچھا ہی نکلا، اور الحمدللہ ایک خطرناک قسم کا خون خرابہ ٹل گیا۔ اِس قسم کے واقعات حضرتؒ کی زندگی میں بار بار پیش آئے ہیں اور اِن کی کوششوں نے کتنے ہی مسلمان خاندانوں اور دینی اِداروں کو ہلاکت وبربادی سے بچالیا، میری نگاہوں نے **''ع سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے''۔** کا مصداق حضرت سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ (مولانا محمد زکریا سنبھلی، پیغام محمود ص:۹۲)

ہدیہ سے بے نیازی

اگر کوئی صاحب حضرت والا کو تحفہ ہدیہ پیش کرتے، تو فرماتے کہ مجھے ضرورت نہیں ہے، کسی ضرورت مند کو دے دو، قبول نہیں فرماتے؛ لیکن اگر کسی کا ہدیہ لینے میں اُس کی اصلاح نظر آتی تو قبول فرمالیتے اور اُسی سفر میں وہ تحفہ کسی دوسرے کو دے دیتے تھے، بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ اِس خاکسار نے بار بار دیکھا ہے کہ کافی موٹی موٹی رقم کے ہدیے پیش کئے جاتے تھے؛ مگر نہایت بے نیازی سے مسترد فرماتے تھے۔ یہ خاکسار بھی بارہا بہت سے اَحباب کے ہدایا قبول کرنے کے لئے سفارش کردیتا تھا؛ مگر قبول نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں لے کر کروں گا کیا؟ کسی اور کو دے دو۔ (مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مدرسہ شاہی مرادآباد، ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۷ء)

سفر خرچ

حضرت والا صرف واجبی کرایہ لیتے تھے، اُس سے زائد نذرانہ نہیں لیتے تھے، کار سے سفر ہوتا تو صرف اُس میں تیل ڈالنے کی اجازت ہوتی تھی؛ مگر اَفسوس یہ ہے کہ بعض بعض لمبے سفر میں لوگ تیل بھی نہیں ڈالتے تھے، حضرت والا کی زندگی نہایت مسکنت اور غربت کی تھی، ایسی حالت میں اپنی جیب سے تیل ڈالنا ہوتا اور اپنے پیسے سے کرایہ اور ٹکٹ فراہم کرنا ہوتا تھا۔ ایک دفعہ خاکسار سے فرمایا کہ: ''مولوی شبیر! لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں بلا ٹکٹ سفر کرتا ہوں''۔ (مولانا مفتی شبیر احمد صاحب، پیغام محمود ص: ۱۴۱)

وقت کی قیمت کا احساس

دنیا میں ہر چیز کا بدل مل سکتا ہے؛ لیکن وقت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر وہ ضائع ہو جائے تو اُس کی تلافی ناممکن ہے اور ہم لوگوں میں سب سے زیادہ ناقدری کا شکار ہمارے اَوقات ہی ہیں۔

مولاناؒ کے نزدیک اپنے وقت کی بڑی قدر و قیمت تھی، وہ جن کاموں میں اپنے اَوقات کو صرف کرتے تھے، اُن کو دین سمجھ کر ہی اپنا وقت لگاتے تھے۔

مدرسہ میں بڑی بڑی اور مشکل کتابوں کے پڑھانے کے ساتھ ساتھ تعمیرات کا انتظام؛ بلکہ عملاً اُس کے کاموں میں شرکت، مدرسہ کے مطبخ کی فکر اور اُس کے لئے بھی وقت خرچ کرنا، مہمانوں کی میزبانی؛ بلکہ اُن کے لئے ہر طرح کے اِکرام وراحت رسانی کی فکر اور روزانہ ہزاروں نہ سہی سینکڑوں کے اَوسط سے تو یقیناً تعویذوں کا لکھنا اور اُس کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تھا، اپنے معمولات سفر وحضر میں نہ چھوڑتے تھے؛ بلکہ سفر میں تو تلاوت کا زیادہ ہی اہتمام فرماتے تھے۔

میں ایک بار ممبئی کے سفر میں ساتھ تھا، لکھنؤ سے یہ سفر ہوا تھا، کان پور میں کچھ حضرات ملنے کے لئے آئے، پھر جھانسی میں بھی کچھ لوگوں نے ملاقات کی، ضرورت مندوں کو بھی حضرتؒ

کا پروگرام معلوم رہتا تھا، جھانسی سے رات کے دو بجے کے قریب گاڑی چلی تھی، مجھے دوبارہ نیند آ گئی؛ لیکن حضرت تہجد میں مشغول ہو گئے، ۳ر بجے آنکھ کھلی تو دیکھا کہ نماز سے فراغت کے بعد دعا ومناجات میں مشغول ہیں، ممبئی کا یہ سفر ممبئی کے بعد بھٹکل (کرناٹک) تک تھا، بھٹکل کے قریب انتہائی حسین وجمیل قدرتی مناظر ہیں، سفر کے دوران اُن کو دیکھنے لگا اور ایک دو بار حضرت کو بھی متوجہ کیا، حضرت ایک لمحہ کے لئے توجہ فرماتے اور پھر اپنے کام میں لگ جاتے، میں نے ایک بار عرض کیا کہ حضرت دیکھئے تو کتنا حسین منظر ہے! حضرتؒ نے قدرے بے زاری کے ساتھ فرمایا کہ ''اِن کا کیا دیکھنا'' اور اپنے کام یعنی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ (مولانا محمد زکریا سنبھلی، پیغام محمود ص:۹۹)

ترکِ مالا یعنی

ایک مرتبہ بستی تشریف لائے، میں حاضر خدمت ہوا، بستی سے کچھ دور ایک مدرسہ میں جانا تھا، ہم لوگ بھی ساتھ ہو لئے، مغرب کے بعد تھوڑی دیر ہمارے ساتھ چائے پانی کرتے رہے، اُس کے بعد مجلسی گپ شپ کی جگہ سے اُٹھے اور سامنے کے دوسرے برآمدہ میں جا کر ایک مصلیٰ پر بیٹھ گئے اور تسبیح پڑھنے لگے، تب سمجھ میں آیا کہ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ کا کیا مطلب ہے؟ اور ذکر الٰہی کا کیا درجہ ہے؟ اور اِس کے لئے ترک مالا یعنی کی کتنی ضرورت ہے؟ (مولانا افضال الحق قاسمی، پیغام محمود ص:۹۹)

ایثار کا عملی نمونہ

میرے حافظہ میں نہ جانے کتنے ہی واقعات پڑے ہیں، ایک واقعہ اور لکھتا ہوں، حضرتؒ کی بڑی صاحب زادی کی شادی کو کچھ ہی دن گذرے تھے، اُن کی سسرال کے کچھ مہمان آئے ہوئے تھے، غالباً اُن کو سسرال لے جانا تھا، اُن حضرات کا قیام دو تین دن ہتھورا میں رہا، اُن لوگوں کی کئی کئی رشتہ داریاں اُس گاؤں میں تھی۔ ایک دن اُن لوگوں کا رات کا کھانا مولانا

کے ایک قریبی عزیز کے یہاں تھا، عصر کے بعد اچھی خاصی بارش ہوگئی اور گاؤں کے راستے خراب ہوگئے، جن صاحب کے یہاں دعوت تھی اُنہوں نے حضرتؒ کے گھر کھانا بھجوادیا اور کہلا دیا کہ مہمان ہمارے یہاں تشریف نہ لائیں، اِس میں زحمت ہوگی۔ اللہ کا کرنا مغرب کے کچھ دیر بعد کان پور کے کئی مہمان اچانک مدرسہ میں پہنچے، حضرت کو اُن کے کھانے کی فکر ہوئی، گھر جا کر کان پور کے اُن مہمانوں کا ذکر کیا اور معلوم کیا کہ کھانے کو کچھ ہے؟ اہل خانہ نے پوری بات بتلادی، اور یہ بھی کہ ہم لوگوں کی دعوت بھی چوں کہ وہاں تھی، اِس لئے ہمارے لئے بھی کھانا وہیں سے آیا ہے، گھر میں کچھ نہیں پکا ہے۔ حضرت نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ یہ کھانا مدرسہ بھیج دو اور تم لوگ کچھ دلیہ یا چاول وغیرہ پکالو، وہاں سے جو بچ جائے گا آجائے گا، اور یہ ہی ہوا، گھر سے وہ کھانا آگیا، کان پور کے مہمانوں نے کھایا اور جو بچا وہ اپنے مہمانوں کو کھلایا۔ اپنے سمدھیانے کے مہمانوں کے مقابلہ میں مدرسہ کے مہمانوں کو ترجیح دینا بڑا مشکل کام ہے۔ (مولانا محمد زکریا سنبھلی، پیغام محمود ص: ۹۵)

لاوارثوں کی کفالت

ہمارے زمانہ میں ایک لاوارث باندہ کے تھے، حضرت اُن کو مدرسہ میں لے آئے وہ بیمار رہتے تھے، اکثر لیٹے رہتے، حضرت سفر سے آکر فوراً اُن کی خیریت معلوم کرتے اور اُن کے لئے کچھ کھانے کی چیز لایا کرتے۔ ایک بار وہ بہت زیادہ بیمار ہوگئے، مکھیاں ہر وقت بیٹھی رہتی تھیں، کئی روز کے بعد حضرت سفر سے تشریف لائے، یہ حالت دیکھی، پہلے سارے اَسباق پڑھائے، پھر ہماری جماعت کو لے کر اُن کے تخت کو اُٹھوایا، ہم لوگوں سے پانی منگوایا اور حضرت نے خود اُن کو اچھی طرح نہلایا، کپڑے صاف کرائے، تخت صاف کیا اور بعد میں ہم لوگوں نے حضرت کے ساتھ جا کر تالاب پر غسل کیا، چند روز کے بعد اُن صاحب کا انتقال ہوگیا تھا۔

(بروایت: مولانا عبدالجلیل صاحب مدرسہ شاہی، ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۷ء)

یہ تو خیانت ہوگی

ایک دفعہ حضرتؒ کی طبیعت ناساز ہوگئی، کئی دن ہوگئے اِفاقہ نہیں ہورہا تھا، مہمانوں کی آمدورفت کی وجہ سے قطعاً آرام کرنے کو نہیں ملتا تھا۔ ہم لوگوں نے درخواست کی کہ حضرت ایک دو دن گھر آرام کرلیں تو جلدی اِفاقہ ہوجائے گا، پہلے تو انکار کرتے رہے، بہت اِصرار کے بعد گھر چلنے کے لئے تیار ہوگئے، بعد نماز عشاء چند طلباء کے سہارے گھر تشریف لے گئے، خود سے چلنا بھی مشکل تھا، پھر ہم سب سوگئے، صبح ۳ر بجے میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ حضرت کے کمرہ کی بتی جل رہی ہے، قدیم گیٹ کے اُوپر والے کمرے میں میرا قیام تھا، وہاں سے فوراً نیچے آیا، دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت بیٹھے ہوئے ہیں، نہ جانے کب آگئے کیسے آگئے؟ ہاتھ میں شرح جامی ہے، سامنے تپائی پر کئی شروحات رکھی ہیں، مطالعہ میں مصروف، میں نے کہا حضرت آپ کب آئے؟ کیسے آئے؟ طبیعت تو رات میں کافی خراب تھی، ایک آدھ دن گھر پر آرام ہی کرلیتے۔ تو حضرت فرمانے لگے کہ ''صبح سبق پڑھانا ہے، کیا بغیر مطالعہ کے سبق پڑھادوں؟ یہ تو خیانت ہوگی، یہ تو خیانت ہوگی''۔ (مولانا احمد عبداللہ قاسمی، پیغام محمود ص:۳۹)

آخرت میں جواب دہی کا خوف

پھر دوسرے سال بھی ایک مرتبہ طبیعت کافی خراب ہوئی، تھوڑی تھوڑی دیر سے بے ہوشی کی سی کیفیت ہوجاتی تھی۔ ایسی حالت میں بھی اِصرار ہے کہ کتابیں لاؤ! سبق پڑھاؤں گا، ہم طلباء نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ حضرت ویسے تو آپ کبھی چھٹی دیتے نہیں؛ حتیٰ کہ جمعہ کے دن بھی آپ اپنے اَسباق پڑھاتے ہیں۔ آج ہم طلبہ کی خواہش ہے کہ اَسباق نہ پڑھائیں، کہنے لگے کہ نہیں، سبق پڑھاؤں گا، چند اَساتذۂ کرام سے کہلوایا کہ چھٹی کرالیں، وہ حضرات گئے، طلباء کی خواہش ظاہر کی، ناکام نامراد واپس آئے، چار وناچار کتابیں لے کر حضرتؒ کی خدمت میں پہنچ گئے، حضرت لیٹے تھے، جب طلباء بیٹھ گئے زاروقطار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، جیسے

ایک بچہ روتا ہے اور کہنے لگے کہ ''بھائی میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ پڑھتے پڑھتے، پڑھاتے پڑھاتے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی، میں کیسے کسی کی ریس کرسکتا ہوں؟ آپ لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں علم حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں، میرے پاس اَمانت ہیں، اگر اِس وقت میرا سفر ہوجائے (موت آجائے) تو اَمانت میں خیانت کرکے خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا''۔ کافی دیر تک روتے رہے، پھر کہنے لگے کہ ''اللہ مجھ سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ آپ نے لوگوں کے لئے کیا اور کیسے کھانے کا نظم کیا ہے اور کیسی رہائش مہیا کی ہے؟ ہاں تعلیم وتربیت میں مجھ سے کوتاہی ہوگی، تو ضرور ہی اللہ کے یہاں باز پرس ہوگی''۔ اسی حالت میں لیٹے لیٹے چھ سات کتابوں کا سبق پڑھایا، اللہ اکبر کیا استحضار کا عالم؟ کیا عجب شان تھی میرے حضرتؒ کی؟ (مولانا احمد عبداللہ قاسمی، پیغام محمود ص:۳۹-۴۰)

قیامت کے دن تمہارا دامن پکڑوں گا

ایک دفعہ دورانِ درس فرمانے لگے کہ ''دیکھو دنیا میں مرچ، ہلدی، دھنیا بیچنے والے تو بہت ہیں؛ لیکن دین کا کام کرنے والے بہت کم ہیں، خبردار! یہاں سے جانے کے بعد دین کی خدمت میں لگے رہنا، مرچ، ہلدی، دھنیا بیچنے میں نہ لگنا۔ اگر تم لوگ بھی مرچ، ہلدی، دھنیا بیچنے میں مشغول ہوگئے تو یاد رکھنا کل قیامت کے دن تمہارا دامن پکڑوں گا''۔

حضرتؒ کی توجہ اور فکر کا نتیجہ یہی ہے کہ جامعہ کے اکثر فارغین اور ہماری جماعت کے سب طلباء جہاں تک مجھے علم ہے، کسی نہ کسی درجہ میں دین کے کام سے جڑے ہوئے ہیں۔ ﴿ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ﴾ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں اور مرتے دم تک اخلاص کے ساتھ دین کے کام لگے رہنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔ (مولانا احمد عبداللہ قاسمی، پیغام محمود ص:۴)

میں نے آخرت کا بوجھ اوڑھ لیا ہے

میں نے مولاناؒ سے عرض کیا حضرت آپ کے اَحباب اور خدام آپ کا ہاتھ بٹانا چاہتے

ہیں؛ مگر آپ اتنا بڑا بوجھ اُٹھا لیتے ہیں کہ لوگ ہمت ہار کر پیچھے رہ جاتے ہیں، مگر آپ نہیں تھکتے اور بھاری کام یکے بعد دیگرے برابر کرتے رہتے ہیں۔ تو حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ نے فرمایا: ''بھائی پریشانیاں سب کے ساتھ ہیں، خواہ اَمیر ہو یا غریب، اُن سے کوئی خالی نہیں ہے، میں نے دنیا کا بوجھ اُتار کر پھینک دیا ہے اور آخرت کا بوجھ اوڑھ لیا ہے، یہ مجھ سے پوری زندگی جانے کا نہیں''۔ (مولانا محمد حسن باندوی، پیغام محمود ص: ۱۷۸)

تربیت کا انوکھا انداز

مدارسِ دینیہ کی روح، نظامِ تعلیم، نظامِ تربیت ونصاب کامل ہے، ذمہ دارانِ مدرسہ اِس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ تعلیم وتعلم میں تربیت کا بڑا عمل دخل ہے، حضرت قاری صاحبؒ طلباء کی تربیت کے سلسلہ میں ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، طلباءِ عزیز کو لغو باتوں اور منکر کاموں سے سختی کے ساتھ شفقت کے انداز میں منع فرماتے رہتے تھے۔ اِس کام کی دلچسپی کی وجہ سے سالہا سال سے حضرت کا یہ معمول تھا کہ جب جامعہ میں قیام رہتا، تو عشاء کی نماز کے بعد اجتماعی طور سے طلباء سے نماز کی عملی مشق کراتے۔ مثلاً: تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھانے کا مسنون طریقہ کیا ہے، پھر اصلاحِ اَحوال کے لئے اخیر میں ''تنبیہ الغافلین'' کتاب پڑھ کر سمجھاتے۔ وقتاً فوقتاً اپنی طالب علمی کے حیرت اَنگیز واقعات اور اکابر کے مجاہدانہ کردار کو بیان فرماتے ہوئے طلباء کو عمل کے لئے اُبھارتے تھے۔ کبھی کبھی اِرشاد فرماتے کہ ''بھائی جن کا وضو ہو، وہ چار رکعت تہجد پڑھ کر کمرہ جائیں، میرے بھائی ابھی سے تہجد کی عادت ڈالو، پھر اَخیر شب میں اُٹھنا آسان ہو جائے گا، تہجد کی لذت وقدر محسوس ہوگی''۔

یہی وہ گراں قدر انمول نصیحتیں تھیں، جن کو حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں طلباء اِس غیر آباد وادی میں اپنا قیام فخر محسوس کرتے تھے۔

نہ دولت سے مطلب، نہ زر ڈھونڈھتا ہوں
میں اُستاذ کی وہ نظر ڈھونڈھتا ہوں

(مولانا محمد عرفان بہرائچی مبلغ دارالعلوم دیوبند، پیغام محمود ص: ۳۴۳)

طلباء کے لئے گراں قدر نصیحت

دینی مدارس میں علم دین حاصل کرنے والے طلباء کا مقام ومرتبہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ: ''تم مہمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو؛ لہٰذا اِس نسبت کا ہر وقت خیال رکھو، ہر چیز، ہر کام میں سنت کو مقدم رکھو؛ تا کہ فرائض میں پختگی پیدا ہو''۔

''میرے بھائی کبھی مدرسہ کے نظام میں مداخلت نہ کرنا، جو طلباء مدارس کے نظام میں دخل اندازی کرتے ہیں اور ذمہ دارانِ مدارس کو پریشان کرتے ہیں، آئے دن کھانے اور سونے پر ہنگامہ کرتے ہیں، خدا کی قسم وہ کبھی دین کی خدمت میں نہیں لگتے؛ بلکہ اُن کی عمریوں ہی ضائع ہو جاتی ہے۔ مدارس کے ذمہ داران کی قدر کرو کہ اُنہوں نے تم کو معاش سے یکسو کر دیا ہے، اَب ایسی شکل میں نہ پڑھنا میرے بھائی بڑی محرومی کی بات ہے''۔

فرماتے: ''مگر افسوس آج کل طلباء کھانے پہننے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں، میرے بھائی: وقت کی قدر کرو، یہ لمحات پھر زندگی میں نہیں آئیں گے''۔

جو دانش کو خورشید تاباں بنادے
میں اُستاذ کی وہ نظر ڈھونڈھتا ہوں

(مولانا محمد عرفان بہرائچی، پیغام محمود ص: ۳۴۳)

اُمور عشرہ برائے طلباء

۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ کی تاریخ تھی، رات کے دو بج رہے تھے، موسم سرد، راستہ نشیب وفراز، ماحول تنگ وتاریک، زمین ریگستان، یکا یک لب سڑک ایک مدرسہ کی عمارت نظر آئی، مدرسہ کے اَساتذہ، ملازمین اور طلباء سڑک پر کھڑے لال ٹین کی روشنی میں قطب وقت جنید زماں حضرت قاری صاحبؒ کی آمد کے منتظر تھے۔ سلام وکلام کے بعد مدرسہ کی مسجد میں تشریف لے گئے، مختصر مگر اہم جامع ترین اُمور عشرہ برائے طلباء بیان فرمائے۔

خدا کی حمد وثناء کے بعد اِرشاد فرمایا: ''میرے بھائیوں، دوستوں، بزرگو! علیم وحکیم کی ہر بات ہر کام مبنی بر حکمت ہوتا ہے، اللہ پاک کا شکر اَدا کرو کہ ہم کو اِس دینی مدرسہ کے لئے خواہ تحصیل علم یا برائے تعلیم قبول فرمایا۔

(۱) یہ دینی مدارس اسلامی روحانی شفاخانے ہیں، جس طرح مریض کے لئے حکیم ڈاکٹر کی ہر بات اَز راہِ خیر خواہی ہوتی ہے، اِسی طرح میرے عزیز طلباء تمہارے اَساتذہ تمہارے لئے حکیم وڈاکٹر سے زیادہ بہی خواہ ہیں، اُن کی ہر بات پر عمل کرو۔

(۲) مواقع کو غنیمت جانو وقت کی بے حد قدر کرو، اِس وقت جو کچھ حاصل کرلو گے، وہی کام آئے گا۔

(۳) اَساتذۂ کرام کا احترام کرو، اُن کو اپنے لئے شفیق سمجھو، ہر تنبیہ پر عمل کرو۔

(۴) کثرتِ مطالعہ کے عادی بنو، غیر متعلق کتب، اخبار بینی اور غیر ضروری چیزوں سے اپنے کو الگ رکھو، خارجی اَوقات میں اپنے اکابر کے حالات کا مطالعہ کرو، اِس سے عمل کا جذبہ پیدا ہوگا۔

(۵) تحصیل علم کا مقصد نام ونمود شہرت ہرگز ہرگز نہ ہو؛ بلکہ رضائے الٰہی کے طلب گار وخواست گار بنو۔

(۶) علم بغیر عمل کے بے کار ہے اور علم کو محفوظ کرنے کا آسان نسخہ عمل ہے، عمل سے علم میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔

(۷) عوام وخواص کی خدمت کا جذبہ پیدا کرو، اِس سے دنیا وآخرت میں ترقی ملے گی۔

(۸) نظام مدرسہ میں ہرگز مداخلت نہ کرو، یہ بڑی محرومی کی بات ہے۔

(۹) تلاوت قرآنِ مجید، نماز باجماعت اَدا کرنے کا اہتمام کرو۔

(۱۰) اَساتذۂ کرام طلباء عزیز کو اُن کے والدین کی اَمانت سمجھیں، حتی الامکان مار پیٹ سے احتیاط کریں، محبت وشفقت سے اُن کی اصلاح کریں، اُن کے پلّے ضرور کچھ باندھیں۔

(مولانا محمد عرفان صاحب بہرائچی، پیغام محمود ص:۲۴۶)

علماء کی ذمہ داری

۱۴۱۶ھ میں حضرت اَقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہٗ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں رونق اَفروز ہوئے اور حمیدی ہال میں علماء اور اَئمہ کے خصوصی اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ ''شیطان ہمیشہ اِس کوشش میں رہتا ہے کہ انسان کا رشتہ دین اور اہل دین سے کاٹ دے؛ کیوں کہ جب علماء سے تعلق ہی نہ رہے گا تو دین سے بھی ربط برقرار نہیں رہ سکے گا''۔

حضرت نے فرمایا کہ ''ایسے ماحول میں علماء کو حکمتِ عملی سے کام لینا چاہئے، عوام اگر کٹنا بھی چاہیں تو اُنہیں جوڑنے کی کوشش کرنی چاہئے''۔

آپ نے فرمایا کہ ''مداہنت تو کسی حال میں روا نہیں، غلط کاموں میں ہرگز عوام کا ساتھ نہ دیا جائے؛ لیکن حسن اخلاق کے ذریعہ اُن کی اصلاح کی کوشش کرتے رہنا بھی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی جگہ تقریب نکاح میں منکرات پائے جائیں تو تقریب میں تو شریک نہ ہوں؛ لیکن اگلے دن اُس کے گھر ملنے جائیں اور یہ کہیں کہ کیا کریں بھائی صاحب دل تو آنے کا بہت چاہتا تھا؛ بلکہ میں قریب تک آ بھی گیا تھا؛ لیکن یہ دیکھا کہ یہاں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہو رہی ہے، اِس لئے میں مجبوراً واپس چلا گیا؛ لیکن چوں کہ آپ سے بھی تعلق ہے اِس لئے آج مبارک باد دینے آیا ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ ''اگر علماء یہ رویہ اپنائیں گے تو جس شخص میں ذرا بھی حیا اور غیرت ہوگی آئندہ اِن منکرات سے بچنے کی کوشش کرے گا، اِن شاء اللہ۔ (ماہنامہ ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۵ء)

لعنت کے اَسباب سے بچیں

اِسی سفر میں مدرسہ شاہی میں منعقد ایک عمومی جلسہ میں حضرت والا نے عوام کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ: ''آج گھر گھر لعنت کے اَسباب پائے جاتے ہیں۔ تصویریں ہیں، ٹیلی ویژن ہیں، ناپاکی اور گندگی ہے، لوگ ہمیں اپنے اپنے گھروں پر دعا کے لئے بلاتے ہیں اور ہم اُن کے لئے سچے دل سے دعا بھی کرتے ہیں؛ لیکن ہماری دعائیں اُن کے حق میں قبول نہیں ہوتیں؛ اِس لئے کہ فرشتے دور سے کھڑے کھڑے اُن پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں، ایسے میں اگر کوئی غوث اور قطب وقت بھی دعا کرے تو کیسے قبول ہوسکتی ہے؟ اِس لئے عوام کو محض دعاؤں ہی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ کچھ عمل بھی کر کے دکھلانا چاہئے''۔

آپ نے فرمایا کہ ''علماء کو چندہ دے کر یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم نے ان مدارس کو چندہ دے کر اپنا غلام بنالیا ہے''۔ (ماہنامہ ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۵ء)

کارکنان تبلیغی جماعت سے خطاب

تبلیغی مرکز (سرائے پختہ مراد آباد) میں عظیم الشان ہفتہ واری تبلیغی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے عوام کو علماء کی قدر کرنے کی تاکید کی اور تبلیغ سے جڑے ہوئے لوگوں کو نصیحت کی کہ وہ اپنے اَعمال اور اپنی زندگی پورے طور پر شریعت کے مطابق بنائیں؛ تاکہ اُن کے غلط عمل کی وجہ سے یہ مبارک کام بدنام نہ ہو۔

آپ نے فرمایا کہ ''تبلیغ سے زندگی کے ہر شعبہ میں انقلاب آنا چاہئے، مثلاً اگر چلہ میں جانے سے پہلے کوئی آدمی پڑوسی سے جھگڑتا تھا، بیوی کے حقوق اَدا نہ کرتا تھا، چلہ میں جا کر اُس کی ایسی اصلاح ہو کہ وہ واپس آنے کے بعد سب سے پہلے اپنے پڑوسی سے معافی مانگ لے، اُس کے پیروں میں گر جائے، بیوی سے معافی مانگ لے اُس کو راضی اور خوش کرے، تو لوگ حیرت سے ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ اِس شخص میں اچانک یہ تبدیلی کیسے آئی؟ اور جب

اُن سے کہا جائے گا کہ یہ تبلیغی جماعت میں جانے کا اثر ہے، تو لوگ خود بخود تبلیغ میں جانے کی طرف راغب ہوں گے۔ بیویاں اپنے شوہروں کو تبلیغ میں بھیجیں گی۔ باپ اِصرار کر کے اپنے نوجوان بیٹوں کو تبلیغ میں بھیجے گا۔ اور تبلیغ میں بھیجنے کا ایک ماحول بن جائے گا، شرط یہ ہے کہ تبلیغی اَحباب لوگوں کے سامنے ایک ایسا عمدہ ماحول پیش کریں کہ لوگ متأثر ہوں''۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ''لوگوں کو شیطان بہکا دیتا ہے کہ وہ چلہ لگا کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم سے بڑا کوئی دین دار نہیں، بڑے بڑے علماء کو خاطر میں نہیں لاتے''۔

آپ نے فرمایا کہ ''یہ بڑے خطرہ کی چیز ہے، کتنا ہی آدمی دین دار ہو جائے اُس کو غرور میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، تکبر اللہ کو پسند نہیں ہے''۔

دوسری طرف آپ نے علماء سے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ ''چند اَفراد کی غلطیوں کی وجہ سے کسی کام کو غلط قرار دینا حماقت ہے''۔

آپ نے فرمایا کہ ''علماء درحقیقت روحانی طبیب ہیں، اور عوام روحانی مریض ہیں، اچھا طبیب وہ ہوتا ہے جو مریض کی بھلائی کا حکم کرے اور مریض اپنے مرض کی وجہ سے اگر گالی بھی دے پھر بھی اُس سے نفرت نہ کرے۔ اِسی طرح علماء کو عوام کی اصلاح کی کوشش کرتے رہنا چاہئے، اُن کی غلطیوں کو درگزر کرتے ہوئے اُن کی دینی اور دنیوی بھلائیوں کی فکر کرنی چاہئے''۔ (ماہنامہ ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۵ء)

تین قیمتی ہدایتیں

جمعہ کے دن ساڑھے بارہ بجے کے قریب آپ شاہی مسجد مرادآباد تشریف لائے، جہاں پہلے سے اعلان کے مطابق بہت بڑا مجمع آپ کے انتظار میں موجود تھا۔ آپ نے تقریر کا آغاز ایک مختصر اور جامع حدیث شریف سے کیا، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو تین نصیحتیں فرمائی تھیں:

(۱) زبان کی حفاظت کی جائے، یعنی اُس سے کوئی نازیبا کلمہ نہ نکالا جائے۔

(۲) گھر سے باہر فضول وقت نہ گزارا جائے۔

(۳) اپنی سابقہ غلطیوں پر ندامت کے ساتھ آنسو بہائے جائیں۔

حضرت والا نے اِن تینوں موضوعات پر نہایت درد اور سوز کے ساتھ مبسوط خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ: ''زبان اللہ تعالیٰ کی نہایت عظیم الشان نعمت ہے، زبان سے جھوٹ بولنا، غیبت کرنا اور چغلی کرنا نعمت کی بڑی ناشکری ہے۔ افسوس ہے کہ آج پورا معاشرہ زبان کی اِن غلطیوں میں ملوث ہے''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''زبان کی کاٹی ہوئی کھیتی کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا''۔ ہماری زبان اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں استعمال ہونی چاہئے۔

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ فرماتے تھے کہ جب جنت میں حوریں آئیں گی تو میں کہوں گا کہ ''بی قرآن سنتا ہو تو سن ورنہ جا''، اِس سے اکابر اَولیاء اللہ کا قرآن سے تعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

دوسری نصیحت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ: ''آدمی کا اپنے گھر میں زیادہ وقت گذارنا بہت سے فتنوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہے؛ لیکن آج کا ماحول اِس طرح کا ہوگیا ہے کہ اچھے خاصے بڑے بوڑھے آدمی باقاعدہ بن سنور کر شیروانی پہن کر لاٹھی لے کر نکل جاتے ہیں، کچھ دیر یہاں بیٹھ کر باتیں کریں گے، کچھ دیر وہاں جاکر باتیں کریں گے اور اپنی زندگی کے قیمتی اَوقات فضول اور لغو باتوں میں گذار دیتے ہیں اور یہی نہیں اَب تو نوجوان لڑکیوں کو بے پردہ گھر سے باہر نکال کر اسکولوں اور کالجوں میں بھیجا جاتا ہے۔ اور جب پوچھو تو بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ رکشہ والا وقت پر آتا ہے وقت پر لے جاتا ہے؛ گویا کہ رکشہ والا کوئی فرشتہ ہے یا ساری دنیا کی لڑکیوں کا محرم ہے کہ اُس سے کوئی غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ گھر میں باپ موجود ہوتا ہے، بھائی بیٹھے رہتے ہیں اور بہنیں نامحرم ڈرائیوروں کے ساتھ ساری دنیا کے چکر لگاتی رہتی ہیں۔ نہ باپ کو اِس

کا احساس ہے، نہ بھائیوں کو غیرت آتی ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکیاں بے باک ہوجاتی ہیں، شرم وحیا اُن سے جاتی رہتی ہے، آج کل وہی لڑکیاں پسند کی جاتی ہیں جو زیادہ بے باک ہوں''۔

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ میری ہونے والی بہو بہت سلیقہ منداور اِطاعت شعار ہے، میں نے پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلا؟ کہنے لگے میں ایک دن اُن کے گھر چلا گیا، گھر میں کوئی اورنہیں تھا، صرف وہی لڑکی تھی، اُس نے میرا بڑا اعزاز کیا کہ ''چچا آیئے! تشریف رکھئے، چائے پیجئے! خود چائے وغیرہ کا انتظام کیا''۔ حالاں کہ ایک زمانہ تھا کہ لڑکیاں شادی سے پہلے کسی سسرالی رشتہ دار کو چہرہ دکھانا بھی گوارہ نہیں کرتی تھیں، اور اِس ماحول میں بے حیائی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ شادی ہوجانے کے بعد شوہر کا کوئی دوست ملنے آجائے تو اُس کی خاطر مدارات یہ لڑکی اپنے ہاتھ سے کرتی ہے، شوہر کو چاہے کبھی اپنے ہاتھ سے چائے نہ پلاتی ہو؛ اِس لئے کہ اُس کی خدمت گھر کی مائیں اور خادمائیں کرتی ہیں؛ لیکن دوستوں کی خدمت کے لئے بیوی سامنے آتی ہے۔

تیسری نصیحت کے متعلق حضرت نے فرمایا کہ: ''آج ہمیں درحقیقت گناہ کا احساس ہی نہیں، اگر دنیا میں کوئی کیس ہوجائے، بھوک نہیں رہتی، ماں الگ بیٹھی رورہی ہے، باپ الگ روتا ہے کہ بیٹا ایک کیس میں پھنس گیا، تو حکومت کے جرم کا اتنا احساس ہے اور اللہ کی کوئی نافرمانی کرکے اُس کا مجرم بن جائے تو نہ گناہ کرنے والوں کو اِس کا احساس ہوتا ہے اور نہ اُن کے متعلقین کو اِس کا احساس ہے۔ اگر گناہ کا جرم ہونا ہمارے دل میں بیٹھ جاتا، تو اُس وقت تک چین نہیں آسکتا جب تک کہ اُس گناہ کو معاف نہ کرالیں۔ (ماہنامہ ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۵ء)

ایک اہم حدیث کی تشریح

جامع مسجد مرادآباد میں عظمتِ قرآن کے موضوع پر منعقد ہونے والے ایک بڑے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ''سات طرح کے آدمی قیامت کے دن عرش کے سائے میں ہوں گے: (۱) اِمام عادل (۲) وہ شخص جس نے جوانی

عبادت خداوندی میں گذاری ہو (۳) وہ شخص جس کو حسین وجمیل باوجاہت عورت بدکاری کے لئے بلائے اور وہ جواب میں یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۴) جس شخص کا دل مساجد میں اٹکا رہے۔ (۵) ایک دوسرے سے خدا کے واسطے محبت رکھنے والے۔ (۶) خفیہ طریقہ پر صدقہ وخیرات کرنے والا۔ (۷) اپنے گناہوں پر تنہائی میں آنسو بہانے والا''۔ (بخاری شریف حدیث:۶۶۰، مسلم شریف حدیث:۱۰۳۱)

حضرت والاؒ نے اِس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ ہر شخص اپنے ماتحتوں کے لئے اِمام کا درجہ رکھتا ہے اور اُس کے لئے اپنے ماتحتوں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرنا ضروری ہے، آدمی اپنے گھر والوں کا بھی اِمام ونگراں ہے۔ اِس پر نظر رکھنی چاہئے کہ گھر والوں سے کوئی ایسی حرکت نہ صادر ہو جو آخرت میں اُن کے لئے نقصان دہ ہو۔ آج افسوس ہے کہ ہم اپنے بچوں کے ساتھ اِنصاف نہیں کرتے، دوسروں کی دیکھا دیکھی ہم اپنے بچوں کے نام پپو، ببلی، ببلو رکھنا شروع کر دیا۔ حالاں کہ حدیث میں آتا ہے کہ سب سے افضل نام عبداللہ اور عبد الرحمٰن ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اَب علماء سے مسائل پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی، کسی کی میت ہوجائے تو ایصالِ ثواب کے لئے بڑی دعوت کا انتظام ہوتا ہے، بڑے بڑے مالدار، کلکٹر، منسٹر کاروں میں بیٹھ کر مرنے کی دعوت کھانے آتے ہیں۔ ایک شادی زندگی میں ہوتی ہے اور ایک شادی مرنے کے بعد ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ میت کے لئے ایصالِ ثواب کیا جارہا ہے، بھلا ان مال داروں کو کھلانے سے ثواب مل سکتا ہے؟ اگر کسی سے پوچھو کہ یہ طریقہ کہاں سے آیا؟ تو کہتے ہیں کہ ہمارے پیر صاحب نے بتایا ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ پیر ہوں یا بڑے پیر ہوں، اُن کی آپ خدمت کیجئے، ٹانگیں دبایئے؛ لیکن شریعت کے معاملہ میں پیر کا فرمان نہیں چلے گا، پیغمبر کا فرمان چلے گا، پیر کا عمل شریعت نہیں، پیغمبر کا عمل شریعت ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ''اگر آج سنت کا طریقہ رائج ہوجائے تو ان غلط مسئلہ بتلانے والوں کو حلوہ کی صورت بھی دیکھنے کو نہ ملے''۔

حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''آج بیت المال کے نام پر چندے اکٹھے کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ زکوٰۃ وصدقات کا بہترین مصرف ہے اور جلسہ کر کے اپنی کارگذاری سنائی جاتی ہے، سکریٹری صاحب کی تنخواہ بھی اِس میں سے دی جاتی ہے اور مصارفِ شریعت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، ایسے لوگ کیسے فلاح یاب ہو سکتے ہیں؟'' (ماہنامہ ندائے شاہی نومبر ۱۹۹۵ء)

ضمیمہ:- ۲

ہم نے دیکھی تھی:

ایک روشن صفات شخصیت!

ہمارے مشفق والد ماجد
ہمارے محسن ومربی اُستاذ معظم

اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

محدث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

(ولادت: ۱۹۴۴ء - وفات: ۲۰۲۱ء)

از: محمد سلمان منصور پوری

خادم الطلبہ دار العلوم دیوبند

ابھی تک طبیعت بہت افسردہ اور دل ودماغ صدمہ سے چور ہے، وہ خبر جس کے سننے کو کان تیار نہ تھے، وہ حقیقت جسے ماننے کو ذہن بالکل آمادہ نہ تھا۔ آہ!! وہ الم ناک واقعہ گذشتہ ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء جمعہ کے مبارک دن عین جمعہ کے وقت پیش آچکا۔ اس دن ہمارے مشفق ترین والد ماجد (جنہیں ہم بچپن سے اَدب اور محبت کے جذبات کے ساتھ ''ابی'' کہا کرتے تھے) ہمیں روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے اُس رب رحمٰن ورحیم کی وسیع الشان رحمت کی آغوش میں چلے گئے، جس رب کے سچے دین کی خدمت کے لئے اُنہوں نے پوری زندگی وقف کررکھی تھی، اناللہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

آپ کی وفات کا صدمہ ملت کے ہر طبقے میں محسوس کیا گیا، بے شمار تعزیتی پیغامات موصول ہوئے، جابجا ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا، ہر شخص آپ کی دیانت واَمانت، طبعی شرافت اور حسنِ خلق کے ساتھ ساتھ حق نوازی اور اُصول پسندی کی صفت کا معترف تھا۔ اتنے لوگوں کی بیک زبان گواہی بلاشبہ اِرشادِ نبوی: ''أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ''. (صحيح البخاري / باب الثناء على الميت رقم: ۱۳٦۷) (زبانِ خلق نقارۂ خدا) کا مصداق ہے اور اُمید ہی نہیں؛ بلکہ یقین ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ خدمتِ دین میں مشغول اپنے اِس خاص اور پیارے بندے کے ساتھ خصوصی فضل وکرم کا معاملہ فرمائیں گے اور پوری طرح اپنی رحمت میں ڈھانپ لیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

ہمارے پیارے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت صاف شفاف اور روشن زندگی گذاری،

جس طرح ظاہری لباس میں آپ کا ذوق نہایت اعلیٰ اور نفیس تھا کہ سفید کپڑے پر ادنیٰ سا دھبہ بھی برداشت نہ تھا، اسی طرح آپ کا باطن بھی آئینہ کی طرح صاف تھا۔عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق میں آپ ہمیشہ سنت وشریعت کو پیش نظر رکھتے تھے اور اس کی خلاف ورزی پر سخت ناگواری اور ناراضگی کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے حقوق کا آپ نہایت خیال رکھتے تھے۔تدریسی اور انتظامی مسلسل مصروفیات کے باوجود بھی آپ وقت نکال کر اعزاء کے یہاں تشریف لے جاتے اور سب کی خیر خبر رکھتے تھے۔اخیر زمانہ میں تو اپنے تصرف کی سواری کا انتظام ہوگیا تھا، ورنہ اکثر آپ اپنے ذاتی اسفار پسنجر ٹرینوں یا لوکل بسوں سے فرمایا کرتے تھے، ہم لوگوں کا بچپن میں بارہا اس طرح منصور پور وغیرہ جانا یاد ہے۔

طلبۂ عزیز کے ساتھ آپ کی شفقت مثالی تھی، خوردنوازی، دل داری اور حوصلہ افزائی میں بھی آپ ممتاز تھے، لوگ اس بات پر حیرت زدہ رہ جاتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند میں سال کے اخیر میں جب بنگالی اور آسامی طلبہ کی انجمنوں کے اختتامی اجلاس ہوتے اور آپ کو دعوت دی جاتی تو آپ زبان نہ جاننے کے باوجود اُن کی دل داری کے لئے اجلاس میں تشریف لے جاتے اور اخیر تک تشریف فرما رہتے۔کبھی اس میں رات کے ایک دو بھی بج جاتے تھے۔اسی طرح ''النادی الادبی'' اور ''مدنی دارالمطالعہ'' کی پوری سرپرستی فرماتے اور اُن کے سارے معاملات پر گہری نظر رکھتے تھے۔

چوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلب سلیم اور ذوقِ جمیل عطا فرمایا تھا، اس لئے حسنِ انتظام گویا کہ آپ کی گھٹی میں ڈالا گیا تھا، ہر کام میں آپ کو نفاست اور عمدگی پسند تھی، کوئی بھی کام بے ترتیب ہو تو اس سے آپ کو طبعی ناگواری ہوتی تھی؛ حتیٰ کہ اگر کبھی کاغذ کو بے جا موڑ دیا گیا یا غلط انداز میں کاٹ دیا گیا، تو بھی آپ کو ناگواری ہوتی تھی اور اس پر بروقت تنبیہ فرمایا کرتے تھے۔

فضول مشاغل اور بے فائدہ مصروفیات سے آپ کی زندگی بالکل پاک تھی، گھر سے باہر تشریف لے جاتے، تو نظر اکثر جھکی رہتی، زبان حد درجہ محتاط تھی، مخالف کے لئے بھی تہذیب

سے گری ہوئی کوئی بات آپ سے نہیں سنی گئی، سفر میں اکثر کتابوں اور رسائل کے مطالعہ میں یا قرآنِ کریم کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔

آپ دینی سرگرمیوں بالخصوص مدارس اور مکاتب دینیہ کے پروگراموں میں پوری بشاشت اور انبساط کے ساتھ شرکت فرماتے اور اُنہیں پورا وقت دیتے تھے؛ حتیٰ کہ اکثر جگہوں پر آخری بیان اور دعا آپ ہی سے کرائی جاتی؛ لیکن آپ کی پیشانی پر شکن تک نہ آتی تھی۔ اور خاص بات یہ تھی کہ آپ کبھی بھی مجمع کی کمی بیشی سے متأثر نہ ہوتے تھے؛ بلکہ قلیل مجمع میں بھی پورے شرح وبسط کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔ اور خطاب بھی عام فہم ہوتا تھا، جو اکثر قرآنِ کریم کی آیات اور اَحادیثِ شریفہ کی دل نشیں تشریح پر مشتمل ہوتا تھا، آپ کو تفسیر قرآن سے خاص مناسبت تھی، ''ترجمہ شیخ الہند'' اور ''بیان القرآن'' پر گہری نظر تھی، حسبِ موقع ان کے حوالے بھی دیا کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ اَحادیثِ شریفہ کا بھی بڑا ذخیرہ آپ کے سینے میں محفوظ تھا، جسے عربی متن کے ساتھ آپ اپنے بیان میں برمحل پیش فرماتے تھے۔

مختلف علاقوں میں سفر کے دوران اگر کوئی شخص آپ سے اپنے گھر جانے کی گذارش کرتا اور وقت میں گنجائش ہوتی اور اصل پروگرام میں کوئی خلل نہ پڑتا، تو اکثر آپ اُس کی گذارش کو رد نہ فرماتے؛ بلکہ تھوڑی دیر ہی کے لئے سہی؛ اُس کے گھر تشریف لے جا کر اُس کی دل واری فرماتے تھے۔ ایسے بہت سے لوگوں نے آپ کی وفات کے بعد آ کر اپنے واقعات سنائے جو موجودہ دور میں ایک بہترین مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپ جس اِدارے میں بھی رہے، وہاں اپنے ہم عصروں کے اکرام اور چھوٹوں کے ساتھ خیر خواہی میں ممتاز رہے، آپ کے بلند اخلاق اور صاف ستھری اُصولی زندگی سے ہر شخص متأثر رہا۔

ولادت اور تعلیم

ہمارا آبائی وطن دیوبند سے جنوب کی جانب تقریباً ۴۰ کلومیٹر دور قصبہ منصور پور (ضلع

مظفرنگر) ہے، جہاں ''ساداتِ حسینیہ بارہہ'' کی ایک شاخ قدیم زمانے سے آباد ہے۔ وہیں ۱۲/اگست ۱۹۴۴ء (۱۸/صفر ۱۳۶۶ھ) کو حضرت والد ماجدؒ کی پیدائش ہوئی۔ دادا جان جناب سید محمد عیسیٰ صاحب بہت ہی متدین اور باوقار شخص تھے اور اکابر علماء دیوبند بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے نیازمندی کا تعلق رکھتے تھے، وہ اگرچہ خود حافظ نہ تھے؛ لیکن اُنہوں نے بذاتِ خود اپنی اولاد کو حفظ قرآن کرانے کا عزم کیا؛ چناں چہ منصور پور رہتے ہوئے حضرت والد صاحبؒ نے حفظ مکمل کرلیا تھا، پھر اگلی تعلیم کی فکر ہوئی، تو دادا جان نے محض بچوں کی تعلیم کے لئے منصور پور کی رہائش ترک فرمائی اور دیوبند میں ایک کرایہ کے مکان میں رہنے لگے۔ حضرت والد صاحبؒ نے دادا جان کی سرپرستی اور نگرانی میں فارسی خانہ سے لے کر اعلیٰ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، اور آپ درجہ ہفتم عربی میں تھے، تو دادا جان کا انتقال ہوگیا اور ''مزار قاسمی'' میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت والد صاحبؒ نے ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند سے بخاری شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی اور اول پوزیشن سے کامیاب ہوئے۔ آپ کا امتحان سالانہ کا نتیجہ درج ذیل ہے: بخاری شریف: ۵۰۔ ترمذی شریف: ۴۵۔ مسلم شریف: ۴۵۔ ابوداؤد شریف: ۵۰۔ نسائی شریف: ۴۵۔ ابن ماجہ شریف: ۴۵۔ طحاوی شریف: ۴۳۔ شمائل ترمذی: ۵۰۔ مؤطا امام مالک: ۴۵۔ مؤطا امام محمد: ۴۵۔ اس وقت کل نمبرات ۵۰/ہوتے تھے۔

فن قرأت سے دلچسپی

اسی دوران شیخ القراء حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ اور قاری عتیق احمد صاحبؒ سے فن قرأت میں مہارت حاصل کی، اُس وقت دارالعلوم دیوبند میں اکثر جلسوں کے آغاز میں حضرت والد صاحبؒ کی قرأت ہوتی تھی، اِسی وجہ سے اُسی وقت سے ''قاری'' کا لقب آپ کے نام کے ساتھ ملحق ہوگیا اور اخیر تک آپ کی پہچان ایک قاری کے طور پر ہوتی رہی۔

آپ کی تلاوت حسنِ اَدا کے اعتبار سے نہایت شاندار تھی، سادگی کے ساتھ اور قواعد ومخارج کی مکمل رعایت رکھتے ہوئے آپ رواں پڑھتے چلے جاتے تھے اور قرأت میں تکلف آپ کو بالکل پسند نہ تھا، اگر کوئی بتکلف قرأت کرتا تو سخت ناگواری ہوتی تھی۔ آپ کو سبعہ وعشرہ قرأت پر مکمل عبور حاصل تھا، اُن کے متعلق کتابوں پر پوری نظر تھی۔ امروہہ کے قیام کے زمانے میں متعدد حضرات نے آپ سے قرأت کی کتابیں پڑھیں اور فن تجوید سے مناسبت پیدا کی۔

عربی اَدب سے لگاؤ

دارالعلوم کے قیام کے زمانے میں آپ نے عربی اَدب میں بھی مہارت حاصل کی، آپ کا شمار حضرت اَقدس مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ کے خاص اور چہیتے شاگردوں میں ہوتا تھا، مولانا کیرانویؒ کی فعالیت، حسنِ ذوق اور حسنِ تربیت کا بڑا حصہ حضرت اَبی نور اللہ مرقدہٗ کو نصیب ہوا تھا، جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا۔

آپ فرماتے تھے کہ ''قرآن وحدیث کو کماحقہ سمجھنے کے لئے عربی ادب میں مہارت لازم ہے''۔ اور فرماتے تھے کہ ''اگرچہ موجودہ زمانے کے تقاضوں کی وجہ سے اُسلوب کچھ بدل گیا ہے، مگر عربی زبان وہی ہے جو قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے، اِس لئے قرآنی تعبیرات اور اَحادیثِ شریفہ کے متون کو سامنے رکھ کر عربی زبان پر توجہ دینا ضروری ہے''۔

جامعہ قاسمیہ گیا میں

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۱ء تک صوبہ بہار کے معروف مدرسہ ''جامعہ قاسمیہ گیا'' میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اِس دوران جگر گوشۂ شیخ الاسلام مخدوم گرامی حضرت اَقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہم العالی بھی وہیں مقیم تھے، یہ مدرسہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا قاری سید فخر الدین صاحب گیاویؒ کا قائم کردہ تھا اور حضرت قاری صاحبؒ ہی کے اصرار اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے حکم پر یہ دونوں حضرات

اس مدرسہ میں تشریف لے گئے تھے۔ ''گیا'' کے مدرسہ اور جائے قیام کی دھندلی یادیں آج بھی احقر کے ذہن میں محفوظ ہیں، وہاں کے لوگوں کی محبتیں اور عقیدتیں بھلائی نہیں جاسکتیں۔

جامعہ اِسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں

۱۹۷۱ء میں حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ کا تقرر مغربی یوپی کے قدیم شہر ''امروہہ'' کے قدیم اِدارے ''جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ'' میں ہوا، اُس وقت اس مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا اعجاز حسنین صاحبؒ تھے، جب کہ نائب مہتمم حضرت مولانا سید حامد حسنِ صاحبؒ اور ناظم اعلیٰ حضرت مولانا قاری فضل الرحمٰن صاحب بچھرایویؒ تھے۔ اور شیخ الحدیث کے منصب پر دو بزرگ شخصیات فائز تھیں: (۱) حضرت مولانا سید طاہر حسن صاحب امروہویؒ صاحبِ ''معارفِ مدنیہ'' (۲) حضرت مولانا شبیہ احمد صاحب فیض آبادیؒ، یہ سب حضرات؛ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے عقیدت کیش اور فیض یافتہ تھے، مدرسہ کی طرف قرب وجوار کے علاوہ بہار، بنگال اور آسام کے طلبہ کا بہت رجوع تھا۔

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اِس مدرسہ کو ترقی دینے؛ بلکہ عروج تک پہنچانے میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو صرف فرمایا، تعلیمات کے نظام کو مستحکم کیا، امتحانات کے نظام میں اصلاحات فرمائیں اور ساتھ میں اِدارے کو ایک بہترین تربیت گاہ میں تبدیل فرمادیا۔ ایک عرصے تک آپ مدرسہ کے اِحاطے ہی میں ایک کمرے میں مقیم رہے۔ جس وقت آپ امروہہ تشریف لائے، ہماری عمر ۵-یا-۶ رسال کی تھی؛ لیکن آپ نے ہمیں دیوبند یا منصور پور نہیں چھوڑا؛ بلکہ مسلسل اپنے ساتھ رکھا اور دیگر تدریسی مصروفیات کے ساتھ احقر کو مکمل قرآنِ کریم خود حفظ کرایا، فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء واعلی اللہ مراتبہ فی الجنۃ۔

بعد ازاں فارسی کی کتابیں تو ہم نے دیگر اَساتذۂ کرام کے پاس پڑھیں؛ لیکن ابتدائی عربی کی کتابیں حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے پڑھائیں، خاص طور پر حضرت مولانا مشتاق احمد چرتھاولی رحمہ اللہ کی کتاب ''علم الصرف'' اور ''علم النحو'' اور ''عربی زبان کا آسان قاعدہ''

اور ''القراءۃ الواضحۃ'' آپ نے خود پڑھائیں اور خوب تمرین کرائی۔ ہم اپنی نالائقی کی وجہ سے سبق یاد کرنے میں بہت لاپروائی برتتے تھے، جس پر خوب تادیب ضربی بھی ہوتی تھی کہ دیکھنے والوں کو رحم آنے لگتا تھا؛ لیکن آپ کا رعب اِس قدر تھا کہ کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

امروہہ میں جب حضرت والدہ صاحبہ مدظلہا تشریف لے آئیں، تو ہم لوگوں کا قیام محلّہ جھنڈا شہید کے ایک کرایہ کے مکان میں ہوا، یہ ایک مختصر سا مکان تھا، جس میں کل دو کمرے، ایک دالان اور ایک کھلا ہوا باورچی خانہ تھا، ہاتھ کا نل تھا، جس سے پانی کی ضرورت پوری ہوتی، چولہے کے طور پر انگیٹھی استعمال ہوتی تھی، جس میں روئی کی کاٹھی یا لکڑی کا برادا بھرا جاتا تھا، جسے بھرنے کے لئے گھر کے بچوں کی باری لگا کرتی تھی اور محدود آمدنی کے باوجود حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے حسنِ انتظام اور کفایت شعاری کی بدولت صبر وشکر کے ساتھ زندگی گذرتی تھی۔

یہ ہمارے لئے سعادت کی بات تھی کہ جھنڈا شہید کی جس مسجد میں ہم لوگ نماز پڑھتے تھے، اُس میں معروف فرشتہ صفت بزرگ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی نور اللہ مرقدہٗ کا قیام تھا، جس کی وجہ سے ہم لوگوں کو آپ کی مجالس میں شرکت کا موقع ملتا تھا اور حضرت مفتی صاحبؒ کی نظر شفقت ہم لوگوں پر بہت ہی زیادہ رہتی تھی، حضرت مفتی صاحبؒ حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کا بے انتہا اکرام فرماتے تھے، جو بھی اہم مسئلہ پیش آتا تو حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کو بلواتے، فقہی کتابوں کی مراجعت کراتے، اُس کے بعد فیصلہ فرماتے تھے۔

اَمروہہ کا زمانۂ قیام حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی زندگی کا یادگار دور کہلایا جاسکتا ہے، یہاں آپ کے ''ابوداؤد شریف''، ''جلالین شریف'' اور ''مختصر المعانی'' کے دروس بہت مشہور ہوئے اور دور دراز کے طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔

تدریس کے علاوہ دعوتی، تبلیغی اور ملی سرگرمیاں بھی جاری رہیں، امروہہ کے اطراف واکناف کے دیہاتوں میں آپ کی مسلسل آمد ورفت رہتی، جسے آج تک لوگ یاد کرتے ہیں۔

اسی طرح امروہہ کے قیام کے زمانے میں جمعیۃ علماء ہند کی تحریکات میں بھی آپ نے

بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ۱۹۷۹ء میں ''ملک وملت بچاؤ تحریک'' میں آپ نے بھی گرفتاری دی اور تہاڑ جیل میں قید رہے۔ اُس زمانہ میں جمعیۃ کے اجلاسوں میں ہم لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے کر تشریف لے جاتے تھے، جس سے ذہن سازی ہوتی تھی۔

مدرسہ میں ختم بخاری شریف کے موقع پر بڑا جلسہ ہوتا تھا، جس میں خاص طور پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی یا فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہم تشریف لاتے تھے۔

النادی العربی

آپ نے جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے زمانۂ قیام میں مدرسہ میں ''النادی العربی'' کے نام سے طلبہ کی انجمن قائم کی، جس کے ہفتہ واری تقریری حلقے قائم کئے جاتے تھے اور طلبہ اپنے قلم سے عربی میں دیواری پرچے نکالتے تھے۔ ہمیں یاد ہے؛ ہمارا اِبتدائی شعور کا زمانہ تھا، غالباً ''القراءۃ الواضحۃ'' پڑھتے تھے، تو النادی کے حلقے میں ہمارا نام لکھوایا اور مکلّف کیا کہ ''القراءۃ الواضحۃ'' کا جو سبق ہے اُسی کا ایک صفحہ یاد کر کے کھڑے ہو کر سنا دو، اِسی طرح جو بھی بن سکے اُلٹا سیدھا مضمون عربی میں بنا کر پیش کرو، پھر آپ اُس کی تصحیح فرماتے اور شاباشی بھی دیتے تھے۔

امروہہ میں ''النادی'' کا سالانہ جلسہ عوامی انداز کا ہوتا تھا، جو اکثر جمعہ کے بعد جامع مسجد کے وسیع صحن میں منعقد ہوتا، جس میں شہر کے عوام وخواص بڑی تعداد میں شرکت کرتے تھے۔ اکثر ان پروگراموں میں حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لایا کرتے تھے، اس جلسہ کی تیاری مہینوں پہلے سے شروع ہو جاتی تھی اور حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ پروگرام کو سنوارنے اور مفید تر بنانے پر پوری توجہ دیا کرتے تھے۔

خانوادۂ مدنی کے اَتالیق

آپ کے حسنِ تربیت کی وجہ سے مدنی خاندان کے حضرات اپنے بچوں کو آپ کی نگرانی

میں رکھنے کی خواہش رکھتے تھے؛ چناں چہ اَمروہہ کے زمانۂ قیام میں ابتداءً خالِ محترم جگر گوشۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی مدظلہم اور جناب بھائی اخلد رشیدی صاحب مدظلہم (مقیم مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً) اور بعد میں جناب مولانا سید اَزہد صاحب مدنی اور مولانا سید محمود صاحب مدنی، مولانا سید مسعود مدنی، اِسی طرح ہمارے پھوپھی زاد بھائی حافظ سید محمد کلیم صاحب منصور پوری اور خالہ زاد بھائی مفتی سید محمد حارث خانجہاں پوری (مقیم مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً) مسلسل حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کی سخت نگرانی میں رہے اور تعلیمی مراحل طے کیے۔ اُس وقت پورے خاندان میں آپ کا رعب وجلال معروف تھا، آپ سے کسی کو بے جا بات کرنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔

دیوبند آمد کے بعد بھی تربیت کا یہ سلسلہ جاری رہا، مولوی سید محمد معاذ، مولوی سید محمد سعد، مولوی سید محمد بشار، مفتی سید محمد زید خانجہاں پوری (مقیم مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً) اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے دونوں احفاد مولوی محمد اور مولوی احمد سلمہما نے آپ ہی کی تربیت میں رہ کر تعلیم مکمل کی۔ اِن بچوں کی دیکھ ریکھ اور خدمت میں ہماری مکرمہ ومعظّمہ والدہ صاحبہ مدظلہا کا بھی بڑا حصہ رہا ہے، اُنہوں نے ان کے ساتھ بالکل حقیقی ماں جیسا معاملہ کیا، جس کا عظیم اجر اُنہیں آخرت میں ضرور ملے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

دارالعلوم دیوبند میں تقرر

صدسالہ اجلاس کے بعد جب دارالعلوم دیوبند کی نشأۃ ثانیہ ہوئی، تو حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ کا تقرر مدرس وسطیٰ کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں کیا گیا اور ہم لوگ ۱۹۸۲ء (اواخر ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ) میں امروہہ سے دیوبند آ گئے۔ اَولاً کئی سال ہم لوگوں کا قیام محلّہ بیرونِ کوٹلہ میں ایک مختصر مکان میں رہا۔ ہم نے درجہ چہارم عربی میں داخلہ لیا اور پہلے ہی سال حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے منطق کی مشہور کتاب ''سلم العلوم'' اور عربی اَدب میں ''مقاماتِ حریری'' پڑھی، اس کے بعد اگلے سالوں میں ''نور الانوار''، ''مختصر المعانی''، ''تلخیص

المفتاح'' اور سال ہفتم میں ''تفسیر بیضاوی'' پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت کا درس نہایت مرتب، پروقار اور تحقیقی ہوتا تھا، اخیر سبق تک کوئی بھی بحث تشنہ نہیں رہتی تھی۔ تفسیر وحدیث کے علاوہ فنون پر آپ کی گہری نظر تھی اور سمجھانے کا انداز ایسا دل نشیں تھا کہ ذرا سی توجہ سے طالب علم کو شرحِ صدر ہوجاتا تھا۔ درس اور وقت کی پابندی کا بڑا اہتمام تھا اور ہمیشہ باوضو درس دیا کرتے تھے، اور کوئی اہم بحث ہوتی تو اُسے طلبہ کو لکھا دیا کرتے تھے؛ تاکہ مراجعت میں آسانی ہو۔

پھر بعد میں آپ تادم آخر حدیث شریف کی مشہور کتاب ''مشکوٰۃ شریف'' کا درس دیتے رہے۔ نیز ''مؤطا امام مالک'' یا ''مؤطا امام محمد'' کافی سالوں تک آپ سے متعلق رہی اور اخیر میں ''طحاوی شریف'' بھی آپ نے پڑھائی۔ آپ نے ازخود کبھی کسی کتاب کے پڑھانے کا مطالبہ نہیں کیا؛ بلکہ ایک معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ چند سال قبل تعلیمات کی طرف سے آپ کو ''ابوداؤد شریف'' پڑھانے کی پیش کش کی گئی، تو آپ نے یہ کہہ کر معذرت فرمالی کہ جمعیۃ کی ذمہ داری کی وجہ سے مجھے مصروفیت زیادہ رہتی ہے، مجھ سے کتاب کا حق ادا کرنا مشکل ہوگا۔

آپ کو عربی ادب سے شروع سے ہی دلچسپی رہی، اِسی بنا پر تکمیل اَدب میں ''اَسالیب الانشاء'' کا درس عرصۂ دراز تک آپ سے متعلق رہا، جس سے طلبہ میں عربی اَدب کے ساتھ ساتھ مضمون نگاری اور انشاپردازی کا بہترین ذوق بھی پیدا ہوا۔

دارالعلوم دیوبند میں انتظامی ذمہ داریاں

حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا طبعی رجحان کبھی بھی کسی عہدے یا منصب کی طرف نہیں تھا، اصلاً آپ کی پوری توجہ تدریس اور طلبہ کی تربیت کی طرف رہتی تھی؛ لیکن جو ذمہ داریاں بلاطلب آپ پر ڈالی گئیں، اُنہیں آپ نے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر پوری دیانت داری کے ساتھ بحسن وخوبی انجام دیا اور اپنی حد تک کسی طرح کی کوتاہی نہیں ہونے دی۔ اَولاً آپ کو ناظم دارالاقامہ بنایا گیا، آپ نے اُس کے پورے نظام کو درست فرمایا اور سارے ریکارڈ کو تحریری

شکل میں مرتب فرمایا اور مقررہ اُصول وضوابط کی پوری پاس داری کی۔

آپ کے حسنِ انتظام کو دیکھتے ہوئے مجلس شوریٰ نے آپ کو ۱۹۹۷ء میں نائب مہتمم مقرر کیا؛ چناں چہ آپ نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری نور اللہ مرقدہٗ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے دور میں ۲۰۰۸ء تک پوری ذمہ داری کے ساتھ مفوضہ اُمور انجام دیے، آپ کا دورِ نیابت ایک روشن اور کامیاب دور کہلایا جاتا ہے۔ ہم لوگوں نے دیکھا ہے کہ اُس وقت ۲۴ر گھنٹے آپ مصروف رہتے تھے، تدریس کے ساتھ انتظامی اُمور میں ہر وقت مشغول رہنا پڑتا تھا۔ ۲۰۰۸ء میں اگرچہ نیابتِ اہتمام سے سبک دوش ہوگئے تھے؛ لیکن آپ نے دارالعلوم کی کسی بھی خدمت سے کوئی پہلوتہی نہیں برتی؛ تا آں کہ صفر ۱۴۴۲ھ کی مجلس شوریٰ نے آپ کو ''معاون مہتمم'' مقرر کیا، آپ نے اگلے دن ہی سے مفوضہ اُمور انجام دینے شروع فرمادیے۔ آپ کی توجہ سے دفاتر کا نظام مزید درست ہوا، آپ سارے اُمور، دستور، تجاویز اور مقررہ اُصول کی روشنی میں انجام دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے کسی کو شکایت کا موقع نہ ملتا تھا، آپ ہر ایک کے ساتھ اُس کے مرتبہ کے موافق معاملہ فرماتے تھے، جس کی بنا پر عملہ کے دل میں آپ کی عظمت ومحبت راسخ ہوگئی تھی۔ آپ ہی کی تحریک پر دارالعلوم میں ''اصلاحِ معاشرہ کمیٹی'' بنائی گئی، جس کے تحت شہر اور علاقے میں اَساتذۂ کرام کے اصلاحی پروگرام ہوئے اور مختصر مدت میں ۶۰ر سے زیادہ اصلاحی مضامین مرتب کرکے ہزاروں کی تعداد میں شائع کرکے تقسیم کیا گیا۔ اِسی طرح دیگر علمی تحقیقی کمیٹیاں بھی قائم کرائیں، جس کے بہتر نتائج ظاہر ہوئے اور اَساتذۂ کرام نے اس کی بہت قدر فرمائی۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کی نظامت

ہندوستان میں قادیانیوں کے بڑھتے ہوئے خطرات کے پیش نظر ۱۹۸۶ء کے اَواخر میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ کی تحریک پر دارالعلوم دیوبند میں ''عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت'' کا انعقاد ہوا، جس کے کنوینر حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ بنائے

گئے۔ آپ نے نہایت محنت، دلچسپی اور لگن کے ساتھ یہ ذمہ داری نبھائی اور پوری شان وشوکت کے ساتھ یہ تاریخی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں اِمام حرم شیخ عبداللہ بن السبیلؒ اور ''رابطہ عالم اسلامی'' کے سکریٹری جنرل شیخ عبداللہ عمر نصیفؒ نے شرکت فرمائی۔ اُسی موقع پر پورے ملک میں قادیانیت کے تعاقب کے لئے ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا قیام عمل میں آیا، جس کے صدر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ، ناظم اعلیٰ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ منتخب کئے گئے؛ جب کہ نظامت کی ذمہ داری حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے سپرد کی گئی۔ آپ نے اِس ذمہ داری کو ایک عبادت سمجھ کر قبول کیا اور پھر اپنی پوری علمی وعملی صلاحیتیں دفاعِ ختم نبوت پر نچھاور فرمادیں۔ ہم نے قریب سے دیکھا کہ آپ کو جتنا زیادہ شرحِ صدر ختم نبوت کے کام سے ہوتا تھا، اُتنا کسی اور کام پر نہ تھا۔ اِس موضوع پر آپ نے پورے ملک کے دورے کیے، بے شمار تربیتی کیمپ لگا کر علماء، اَئمہ اور عوام کو اصل مسئلے سے آگاہ کیا اور وہ موضوع جو علماء کے طبقے میں بالکل نامانوس ہو چکا تھا، اُسے اتنا آسان کردیا کہ کسی بھی شخص کے لئے سمجھنا مشکل نہ رہا۔ اِس دوران آپ نے نہ صرف اکابر کی مفید تالیفات کو اَز سرِ نو شائع کرایا؛ بلکہ نئے مختصر رسائل بھی بڑی تعداد میں تیار کئے، جن کے مختلف زبانوں میں ترجمے کیے گئے اور ملک کے چپے چپے تک اُنہیں پہنچایا گیا۔

۱۴۰۹ھ میں سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور ختم نبوت کے موضوع پر ملک کے چنندہ علماء کو تربیتی دروس دیے، جو نہایت مفید اور کارآمد تھے۔ حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے احقر اور مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری کو اُن دروس کو حوالوں کی مراجعت کے ساتھ از سرِ نو مرتب کرنے کا مکلّف کیا؛ چناں چہ حضرت کے حکم کی تعمیل میں ہم لوگوں نے بڑی جانفشانی سے اُسے مرتب کیا، یہ کتاب بعد میں ''ردمرزائیت کے زریں اُصول'' کے نام سے شائع ہوئی اور بہت مقبول ہوئی۔

حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ ''تحفظ ختم نبوت'' کے کام کو پیغمبر علیہ السلام سے تقرب کا بڑا ذریعہ سمجھتے تھے اور اِس بارے میں اکثر بیانات میں منامی بشارتوں کا تذکرہ فرمایا

کرتے تھے، اُسی کے تعلق سے ایک رسالہ بھی احقر سے لکھوایا تھا۔

بشارت آمیز خواب

حضرت کی وفات کے بعد دارالعلوم کے ''شعبۂ تنظیم وترقی'' کے ناظم جناب مولانا محمد راشد صاحب نے خواب دیکھا کہ حضرت والا مسندِ اہتمام پر تشریف فرما ہیں اور سر پر ایک نہایت نورانی تاج رکھا ہوا ہے، یہ اُسے حیرت سے بار بار دیکھ رہے ہیں، تو حضرت نے خود ہی فرمایا کہ **''یہ دو تاج بھیجے گئے تھے، ایک حضرت شاہ عطاء اللہ بخاریؒ کے لئے اور ایک میرے لئے''**۔ اللہ اکبر! کیسا سچا خواب ہے، آپ نے زندگی کا بڑا حصہ تاجِ ختم نبوت کی حفاظت میں صرف فرمایا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخرت میں نورانی تاج سے سرفراز فرمایا، فالحمد للہ۔

مسلکِ حق پر ثبات قدمی

اللہ تعالیٰ نے آپ کو عجیب وغریب ایمانی حمیت اور دینی غیرت سے نوازا تھا، کسی بھی غلط روی اور کج فکری پر خاموش رہنا آپ کو ہرگز گوارا نہ تھا۔ آپ خوش خلقی اور حق نوازی کے حدود کو اچھی طرح جانتے تھے، آپ کی مدارات اسی حد تک تھی جو مداہنت کو شامل نہ ہو، آپ کی پوری زندگی مسلکِ حق پر ثبات قدمی میں گذری، کبھی بھی اِس بارے میں ادنیٰ سا بھی جھول نہیں دیکھا گیا۔

ابھی چند مہینے قبل خاندان منصور پور کی ایک معروف شخصیت کے ذریعہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کرنے کی تحریک شروع ہوئی اور خطرہ ہونے لگا کہ کہیں علاقہ اور خاندان شیعیت کے اثرات سے متأثر نہ ہو جائے، تو حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ انتہائی بے چین ہو گئے اور احقر کو اِس موضوع پر ایک واضح رسالہ تیار کرنے کا حکم دیا، جو ''صحابہ کرامؓ اور اہل بیت کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف'' کے نام سے ہزاروں کی تعداد میں اُردو اور ہندی میں شائع ہوا، پھر حضرت نے بذاتِ خود منصور پور اور اُس کے اطراف کی آبادیوں کے مسلسل دورے فرمائے اور صحیح موقف کی طرف رہنمائی فرمائی اور اپنی حد تک دفاعِ صحابہؓ میں کوئی کسر نہیں

چھوڑی، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

عشقِ نبوی ﷺ

آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی سے بے انتہا عشق تھا، جس وقت درس یا بیان میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نامِ نامی آتا، تو نہایت عقیدت ومحبت کے ساتھ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' اَدا فرماتے کہ سننے والا بھی محبت کی کیفیت کا خود بخود اندازہ لگالیتا تھا اور اکثر آپ اپنے بیان کا اختتام اِس دعا پر فرماتے تھے: ''اَللّٰھُمَّ اجْمَعْ بَیْنَنَا وَبَیْنَہٗ کَمَا اٰمَنَّا بِہٖ وَلَمْ نَرَہٗ، وَلَا تُفَرِّقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَہٗ حَتّٰی تُدْخِلَنَا مُدْخَلَہٗ'' (یعنی اے اللہ! ہم نے دنیا میں تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نہیں کی؛ لیکن آخرت میں آپ کے ساتھ ہمیں جمع فرمایئے اور اُن سے ہمیں جدا مت فرمایئے) اور اکثر یہ دعا فرماتے ہوئے آپ پر رقت کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ اسی محبت کا اثر تھا کہ آپ کو شریعت، سنت اور اُسوۂ صحابہؓ کے خلاف کوئی بات بھی بالکل منظور نہ تھی۔

جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی

جمعیۃ علماء ہند اور اُس کی تحریکات سے آپ شروع سے ہی قلبی وابستگی رکھتے تھے اور جمعیۃ کے تعمیری پروگراموں کو قرآن وسنت کی روشنی میں مدلل فرماتے تھے۔ گیا اور امروہہ کے قیام کے زمانے میں مقامی سرگرمیوں میں پوری طرح شریک رہتے تھے اور مرکز کی طرف سے جو بھی ہدایات جاری ہوتیں یا تحریک چلائی جاتی، اُس میں آگے بڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ امروہہ رہتے ہوئے آپ نے ''مرارجی ڈیسائی'' کے خلاف چلائی جانے والی جمعیۃ کی ''ملک وملت بچاؤ تحریک'' میں حصہ لیا اور چند دن تہاڑ جیل میں قید بھی رہے، جس پر آپ کو جمعیۃ کی طرف سے مرادآباد کے ایک عظیم اجلاس میں حضرت فدائے ملتؒ کے بدست اعزازی سند بھی عطا کی گئی۔

پھر حضرت فدائے ملتؒ کے دور میں جمعیۃ کی مرکزی مجلس عاملہ میں آپ کو مدعو خصوصی

مقرر کیا گیا؛ تا آں کہ ۲۰۰۸ء میں غیر متوقع طور پر آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا صدر منتخب کیا گیا، جسے آپ نے محض جماعت کے مفاد کی خاطر بادل ناخواستہ نبھایا اور خوب نبھایا۔ اس دوران بار بار ہم لوگوں سے فرمایا کہ ''یہ بارِ اَمانت میرے کمزور کاندھوں پر آ گیا ہے، بس اللہ سے دعا کرو''۔ اور اگلے مراحل میں جب بھی نئے صدر کے انتخاب کا دستوری عمل شروع ہوتا تو آپ سبھی اراکین سے بہت اصرار کے ساتھ فرماتے تھے کہ اس مرتبہ آپ کا نام صدارت کے لئے تجویز نہ کیا جائے اور جب مجلس عاملہ میں یہ بحث ہوتی تو بھی آپ مسلسل انکار ہی فرماتے رہتے۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ کئی نشستیں اسی اصرار وانکار کی نذر ہوگئیں۔ بہر حال آپ نے حتی الامکان اِس عظیم منصب کی لاج رکھی اور مفید مشوروں اور برموقع تنبیہات سے نوازتے رہے اور اَراکین جمعیۃ گواہی دیں گے کہ اس اخلاص اور بے نفسی کے ساتھ قیادت کرنے والی شخصیت دیکھنے سے اَب آنکھیں ترسیں گی۔

آپ کے دورِ صدارت میں جو تیرہ سال کو محیط ہے، جمعیۃ علماء ہند تیزی سے شاہ راہ ترقی پر گامزن رہی، اس کے سبھی شعبے فعال اور متحرک رہے۔ ''اِدارۃ المباحث الفقہیہ'' کے آٹھ فقہی اجتماعات ملک کے مختلف شہروں میں پوری آب وتاب کے ساتھ منعقد ہوئے۔ نیز جمعیۃ کے تاریخ ساز اجلاس ہائے عام، حیدرآباد، دہلی، دیوبند اور اجمیر شریف میں منعقد ہوئے۔ علاوہ اَزیں دینی تعلیمی بورڈ کا احیا ہوا اور ملک کے طول وعرض میں قیامِ مکاتب کی تحریک چلائی گئی۔

اِسی طرح ''جمعیۃ حلال ٹرسٹ'' کو منظّم اور وسیع کیا گیا اور ''جمعیۃ یوتھ کلب'' قائم کر کے نوجوانوں کی فکری اور جسمانی تربیت کا مربوط نظام قائم کیا گیا۔ نیز سرکار کی نئی تعلیمی پالیسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''جمعیۃ اوپن اسکول'' کے نام سے ایک عظیم عصری تعلیمی نظام پیش کیا گیا، اِن تمام سرگرمیوں میں حضرتؒ کے مشورے اور ہدایات شامل رہتی تھیں اور موقع بموقع حضرت بازپرس بھی فرماتے تھے۔

آپ کے دورِ صدارت میں ملک میں متعدد فرقہ وارانہ فسادات ہوئے، نیز قدرتی

آفات وبلیات کے حادثات میں جمعیۃ نے ریلیف اور بازآبادکاری کی عظیم خدمات انجام دیں۔ آپ کی سرپرستی میں قائد جمعیۃ حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی زید مجدہٗ اور اُن کی ٹیم پوری جانفشانی کے ساتھ ملت اور انسانیت کی خدمت میں لگی رہی۔ فالحمدللہ۔

عادات وخصائل

طہارت ونظافت:- آپ بدن اور لباس میں پاکی کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، اگر ذرا سا بھی شبہ ہوجاتا تو فوراً پاک کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ کئی مرتبہ مشاہدہ ہوا کہ راستے میں چلتے ہوئے پرنالہ یا گھر کی نالی سے آنے والے پانی کی چھینٹوں کا شبہ ہوا تو قیام گاہ پر پہنچ کر کپڑے تبدیل فرمائے، آپ کو بدن پر میل کچیل قطعاً گوارا نہ تھا، گرمی میں دن میں کئی بار غسل کرتے اور شمیزیں تبدیل فرماتے تھے۔ بدبو سے بھی سخت نفرت تھی، معیاری عطر لگانے کا التزام فرماتے، بالخصوص درس اور دیگر مجلسوں میں حاضری کے وقت باوضو ہوکر اور عطر لگا کر تشریف لے جاتے تھے۔

اپنا کام خود کرنا:- آپ کی یہ بھی عادت تھی کہ اپنی ضروریات خود انجام دینے کی کوشش فرماتے تھے، اگر کوئی عذر نہ ہوتا تو باورچی خانہ میں تشریف لے جاکر اپنے لئے یا مہمانوں کے لئے چائے وغیرہ بھی خود ہی بنالیتے تھے۔ ابتدا میں ضرورت پڑنے پر بازار بھی تشریف لے جاتے اور خود خریداری کرنے میں کوئی تکلف نہ فرماتے تھے، ہم لوگوں کے بچپن میں عید بقرعید پر کپڑے اور چپل وغیرہ خریدنے کے لئے خود ہمیں دوکان پر لے جاتے تھے۔

شب خیزی:- آپ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد رات کا کھانا تناول فرماتے، اُس کے بعد دودھ پینے کا معمول تھا؛ لیکن کھانے کے فوراً بعد آپ کو نیند کا تقاضا ہوتا تھا، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جتنی دیر میں دودھ پیش کیا جاتا تو آپ کی آنکھ لگ جاتی، کبھی آدھا پیالہ پیتے پھر تکیہ پر ٹیک لگا کر گہری نیند میں چلے جاتے؛ لیکن یہ صرف ابتدائی شب تک ہوتا تھا۔ اکثر آپ نصف شب میں بیدار ہوتے اور پھر نوافل، تلاوت یا مطالعہ میں مشغول ہوجاتے، عام

حالات میں ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ پوری رات مسلسل سوتے رہیں۔ یہ شب خیزی کی عادت الحمدللہ اخیر تک رہی؛ حتیٰ کہ مرض الوفات میں بھی حتی الامکان اس کو نبھایا، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق سے نوازیں، آمین۔

○ **اُصول پسندی:-** آپ ہر معاملے میں اُصول اور قواعد کی پابندی کے قائل تھے، عام معاملہ ہو تو شرعی اُصول کو سامنے رکھتے اور اگر کسی اِدارے کا معاملہ ہو تو اُس کے دستور، قواعد اور منظور شدہ تجاویز کی روشنی میں فیصلے فرماتے تھے، محض جذباتی انداز میں عجلت کے ساتھ کوئی اِقدام آپ کو پسند نہ تھا۔

○ **ہر ایک کے ساتھ اُس کے مرتبہ کے موافق معاملہ کرنا:-** آپ ہر شخص سے اُس کے مرتبہ کے موافق معاملہ فرماتے تھے؛ حتیٰ کہ اپنے ماتحتوں میں جو کسی ذمہ دارانہ عہدے پر ہوتا تو اُس کا بھی خیال فرماتے۔ متعدد حضرات نے بیان کیا کہ دارالعلوم کے مسند اہتمام میں اگر کسی شعبے کا ناظم کسی کام کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، تو گو کہ وہ شاگرد ہوتا، پھر بھی اُس کے عہدے کو دیکھتے ہوئے اُسے ڈیسک کے سامنے بٹھانے کے بجائے اپنے دائیں یا بائیں جانب بیٹھنے کا حکم فرماتے تھے، آپ کا یہ عمل حدیث: ''اُنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَہُم'' کی عملی تشریح کی حیثیت رکھتا تھا۔

○ **مہمان نوازی:-** آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ جو شخص بھی آپ سے ملنے آئے، وہ ناشتہ یا کھانا کھائے بغیر نہ جائے، خاص کر دارالعلوم دیوبند کے اَساتذہ یا ملازمین ملنے آتے، تو کوشش فرماتے کہ کچھ نہ کچھ اُن کی تواضع ہو جائے اور باہر سے جو لوگ ملنے آتے، تو اُن کے لئے کھانے کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور گھر میں کوئی بچہ نہ ہوتا تو سب سامان بذاتِ خود گھر سے لے کر تشریف لاتے تھے اور بڑی بشاشت کے ساتھ تواضع فرماتے تھے۔

قرآنِ کریم سے شغف

حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کو قرآنِ کریم سے بے انتہا شغف تھا، سفر یا حضر میں

جو بھی خالی وقت ملتا، وہ تلاوتِ کلام اللہ میں صرف فرماتے تھے۔ آپ نے شروع میں منصور پور میں تراویح میں قرآنِ کریم سنانے کا معمول بنایا، اُس کے بعد جب فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ ''مدنی خانقاہ'' میں رمضان المبارک گذارنے کا سلسلہ شروع ہوا، تو آپ عصر کے بعد حضرت اَقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم کے ساتھ مجلس میں دور فرماتے اور رات میں ''قیام اللیل'' میں چار رکعات میں ایک پارہ پڑھتے تھے۔ سالوں یہ سلسلہ ''مدنی مسجد'' دیوبند میں جاری رہا۔ اور خصوصاً رات کی تلاوت کی خشوع وخضوع کی تو وہ کیفیت ہوتی تھی جو الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ بعد میں جب حضرت اَقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم رمضان میں مدینہ منورہ قیام فرمانے لگے، تو کئی سال آپ نے حضرت فدائے ملتؒ کے حکم پر تراویح میں قرآن سنایا اور ترتیب یہ ہوتی تھی کہ اولاً سولہ رکعات میں آپ ایک پارہ پڑھتے تھے، پھر وہی پارہ آخری چار رکعتوں میں برادر مکرم مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی زید فضلہم پڑھتے تھے۔ پھر جب ''مسجد رشید'' میں اعتکاف ہونے لگا، تو بھی آپ کئی سالوں تک ''قیام اللیل'' میں پارہ سناتے رہے۔

گذشتہ سال جب لاک ڈاؤن کی وجہ سے ساری مصروفیتیں ختم ہوگئیں، تو اس پورے عرصے میں آپ نے مسلسل تلاوت کا مشغلہ جاری رکھا؛ حتیٰ کہ گذشتہ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ میں بذاتِ خود ایک طالب علم کو ساتھ لے کر تراویح میں قرآنِ کریم سنایا اور اِس پر بہت خوش تھے کہ سالوں کے بعد تراویح میں قرآن پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، بار بار ہم لوگوں سے اِس کا تذکرہ فرماتے تھے۔ لاک ڈاؤن کے زمانہ میں ۱۹/مرتبہ قرآن کریم کا دور فرمایا۔ اِس سال بھی قرآنِ کریم کے دور کا اہتمام جاری تھا، ۱۹/ پارے سنا پائے تھے کہ بیماری کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

آپ اپنی اَولاد واَحفاد میں بھی قرآنی سلسلہ جاری رکھنے کے خواہش مند تھے، سبھی بچوں کو حفظ کرایا اور ہر ایک کے ختم قرآن پر اَدائے شکر کے طور پر بڑی بڑی تقریبات منعقد فرمائیں۔ ابھی رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ سے قبل ۲۴/شعبان المعظم کو عزیز مکرم جناب مولانا

مفتی محمد عفان سلمہ اللہ کے بیٹے عزیزم سید محمد ہشام سلمہ کے ختم قرآن پر دیوبند میں ایک بڑی تقریب منعقد فرمائی، جس میں سبھی خاندان والوں کو دعوت دی اور باقاعدہ اپنے دست مبارک سے ایک تحریر مرتب فرمائی، جس میں اولاد میں حفظ قرآن کی سعادت پر دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا، الحمدللہ آپ کی اَولاد واحفاد میں ۱۱ر بچے بچیاں حفاظ موجود ہیں، جو آپ کے لئے رفع درجات کا ذریعہ بنیں گے، اِن شاء اللہ العزیز۔

سلوک ومعرفت

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ اَولاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت ہوئے تھے اور آپ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، ہم لوگوں کا بچپن میں آپ کے ساتھ حضرت شیخ کی مجالس میں سہارنپور اور دہلی حاضر ہونا یاد ہے؛ لیکن بعد میں حضرت شیخ نے آپ کو فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی علیہ الرحمہ کے حوالے فرمادیا تھا؛ چناں چہ حضرت فدائے ملتؒ کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے آپ نے مراحلِ سلوک طے فرمائے؛ تا آں کہ اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ آپ کا شمار حضرت فدائے ملتؒ کے اجل خلفاء میں ہوتا تھا؛ لیکن حضرت کی حیات میں دوسروں کو بیعت کرنے سے اعراض فرماتے رہے، بعد میں بھی عمومی بیعت کی طرف رجحان نہیں تھا، اکثر مولانا سید محمود صاحب مدنی زید فضلہم کی طرف یا دیگر اکابر کی طرف رجوع کا مشورہ دیتے تھے؛ البتہ اگر کوئی بہت زیادہ اصرار کرتا یا ایسا علاقہ ہوتا کہ دوسروں کی رسائی دشوار ہو تو آپ بیعت فرمالیا کرتے تھے۔ چند حضرات کو آپ کی طرف سے اجازت بھی دی گئی ہے۔

خانوادۂ مدنی سے نسبت

حضرت دادا جان رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی خواہش تھی کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے قرابت داری کا سلسلہ قائم ہو، اللہ تعالیٰ نے اُن کی آرزو پوری فرمائی اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی منجھلی صاحب زادی سیدہ عمرانہ مدنی صاحبہ مدظلہا سے آپ کی نسبت

طے ہوئی؛ البتہ عقد ہونے سے قبل ہی دادا جانؒ کی وفات ہوگئی اور ۱۹۶۶ء میں یہ مبارک رشتہ قائم ہوا، نکاح کی پرنور تقریب میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خطبۂ نکاح پڑھا، اللہ تعالیٰ نے اِس رشتے میں بڑی خیر و برکت ظاہر فرمائی اور حضرت والدہ ماجدہ اَدام اللہ ظلہا کی صورت میں ہمیں ایسی بابرکت ذات نصیب ہوئی، جنہوں نے بچپن کے بے شعوری کے زمانہ سے آج تک ہر ہر قدم پر دین داری اور اتباعِ سنت وشریعت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوششیں فرمائیں، اللہ تعالیٰ اُنہیں اجر جزیل سے نوازیں اور اُن کا سایہ تادیر بصحت وعافیت ہمارے سروں پر قائم رکھیں، آمین۔

اَولاد کی نگرانی

ہمارے پیارے والد ماجد نوراللہ مرقدہٗ نے اخیر تک ہم پر جو احسانات فرمائے ہیں، اُن کا حق اَدا کرنا تو درکنار؛ اُنہیں اَلفاظ میں بیان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایک طرف آپ ہماری طبعی ضرورتوں کی تکمیل میں پوری فراخ دلی سے کوشاں رہتے تھے، کھانے پینے، پوشاک اور علاج وغیرہ میں حتی الامکان بہتر سے بہتر صورت اپناتے؛ لیکن تعلیم وتربیت میں ایسی سختی تھی کہ لوگ حیرت کیا کرتے تھے۔ دیوبند میں پورا طالب علمی کا زمانہ آپ کی نگرانی میں گذرا، اکثر امتحانات میں اچھے نمبرات آتے تو مسرت کے ساتھ شکر کے جذبات ظاہر فرماتے۔ دورۂ حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ کامیابی سے نوازا، تو خوشی میں اہل خاندان کی بڑی دعوت کی، بعد میں جب تدریب الافتاء کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر مدرسہ شاہی مرادآباد کی خدمت طے ہوئی، تو مرادآباد روانہ ہوتے وقت چند ضروری باتوں کی نصیحت فرمائیں:

(۱) کوئی طالب علم اگر کتاب سمجھنے کے لئے کمرے پر آئے تو دروازہ بند کرکے اُس سے گفتگو نہ کرنا؛ بلکہ دروازہ کھلا رکھنا۔

(۲) کبھی یہ مطالبہ مت کرنا کہ مجھے فلاں کتاب دی جائے؛ بلکہ انتظامیہ کی طرف سے جو کتاب بھی دی جائے اُسی کو اللہ کے بھروسے پر قبول کرلینا۔

(۳) کبھی تنخواہ بڑھانے کی درخواست مت دینا؛ بلکہ مدرسہ سے جو بھی ملے اُسے شکریہ کے ساتھ لے لینا۔

(۴) کسی بھی انتظامی معاملے میں اَز خود دخل مت دینا؛ البتہ اگر منتظم خود مشورہ لے تو جو دیانۃً صحیح سمجھو وہ بتا دینا، مگر اپنے مشورہ پر کبھی اصرار مت کرنا۔

الحمدللہ حضرتؒ کی اِن ہدایات پر عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سے فتنوں سے محفوظ رکھا۔

برادر عزیز مولانا مفتی سید محمد عفان سلمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم وتربیت میں بھی آپ نے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی، اُنہوں نے دورہ حدیث شریف سے فراغت کے بعد تکمیل اَدب اور اِفتاء کا کورس کیا، پھر دو سال تخصص فی الحدیث میں پڑھا، اس لئے اُنہیں حدیث شریف سے بھی اچھی مناسبت پیدا ہوگئی۔ اِسی بنا پر آپ کی خواہش تھی کہ عفان سلمہ کو حدیث کی تدریس کا موقع ملے؛ چناں چہ جب امروہہ کے مدرسہ میں اُن کے تقرر کی بات چلی تو آپ نے مسرت کا اظہار فرمایا۔

اور ہمارے اپنے اپنے مدرسوں میں خدمت انجام دینے کے باوجود آپ ہماری سرگرمیوں پر نظر رکھتے اور لوگوں سے معلومات کرتے رہتے تھے اور کوئی بات خلافِ طبیعت سامنے آتی تو سخت تنبیہ بھی فرماتے تھے۔ ہمارا معمول تھا کہ جب بھی کتاب شروع یا ختم ہوتی تو حضرت کو اطلاع دیتے تھے اور حضرت اس پر دعاؤں سے نوازتے تھے۔ اِس سال ہمارے لئے بڑی سعادت کی بات ہوئی کہ ۲۰؍فروری ۲۰۲۱ء کو مرادآباد تشریف لائے، اتفاق سے اُسی دن ہمارے سے متعلق ''ابوداؤد شریف جلد ثانی'' ختم ہورہی تھی، تو آپ نے ضعف وکمزوری کے باوجود رات میں ساڑھے دس بجے درس گاہ میں تشریف لاکر کتاب ختم کرائی اور دعاؤں سے نوازا، فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

زیارتِ حرمین شریفین

آپ کو حرمین شریفین سے خاص اُنسیت رہی، تین مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت ملی اور تقریباً سولہ مرتبہ رمضان المبارک میں عمرہ کے سفر فرمائے۔ اخیر میں متعدد اَسفار میں الحمدللہ ساتھ رہنے کی سعادت حاصل رہی، حرمین شریفین میں آپ کا ذوق وشوق اور عبادات میں

اِنہماک غیر معمولی ہوتا تھا۔ طواف اور سعی نہایت اطمینان سے اور کامل خشوع وخضوع کے ساتھ فرماتے تھے۔ بسا اَوقات اس میں کئی کئی گھنٹے لگ جاتے؛ لیکن جلد بازی قطعاً گوارا نہ تھی۔ مدینہ منورہ کے قیام کے زمانے میں زیادہ وقت حرم شریف میں ہی گذرتا تھا اور حسبِ موقع ''مواجہہ شریف'' میں حاضر ہوکر دیر تک صلوٰۃ وسلام میں مشغول رہتے تھے۔

علالت اور وفات

حضرت والد صاحبؒ نے زندگی کا اکثر حصہ صحت وعافیت کے ساتھ گذارا، چند سال قبل سے شوگر کی شکایت تھی، مگر وہ بھی اکثر نارمل رہتی تھی۔ رمضان المبارک کے وسط سے کچھ نزلہ کی شکایت ہوئی، مقامی ڈاکٹر کی دوا لیتے رہے۔ اسی بیچ منصور پور میں دو اعزاء کی وفات ہوئی، اُن کے جنازے میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے اور دیر رات واپس دیوبند تشریف لائے، اگلے دن بخار کی شدت ہوئی، کمزوری کافی بڑھ گئی تو ''ڈاکٹر ڈی کے جین'' کو دکھایا، اُس نے وائرل تجویز کیا اور دوا دے دی؛ لیکن کمزوری بے انتہا تھی، تو مشورے سے کورونا (کووڈ-۱۹) کا ٹیسٹ کرایا گیا، اُس کی رپورٹ پازیٹو آئی اور رات میں آکسیجن کی کمی بھی نوٹ کی گئی، تو بڑے ڈاکٹروں کے مشورے سے گھر ہی پر آکسیجن وغیرہ کا انتظام کرکے کووِڈ کا علاج شروع کرایا گیا، جو بھی بہتر سے بہتر دوا ہوسکتی تھی وہ دی جانے لگی، دو تین دنوں کے بعد کچھ اِفاقہ بھی محسوس ہونے لگا؛ تاآں کہ عید کے بعد کورونا کی رپورٹ بھی نگیٹو آ گئی؛ لیکن اِس دوران پھیپھڑوں میں شدید قسم کا انفیکشن پیدا ہوگیا تھا اور دوبارہ ہلکا بخار آنے کی وجہ سے نقاہت ناقابل بیان تھی، اس لئے ۵؍شوال ۱۴۴۲ھ بروز منگل رات میں ''میدانتا اسپتال'' گڑگاؤں میں داخل کرایا گیا۔ ڈاکٹروں نے رپورٹیں دیکھ کر تشویش ظاہر کی اور ICU میں داخل کرلیا۔ اگلے دن یعنی ۶؍شوال بروز بدھ طبیعت میں سدھار محسوس ہوا، صبح کے وقت کچھ غذا بھی نوش فرمائی؛ لیکن جمعرات کی دوپہر سے طبیعت میں اچانک بہت گراوٹ ہونے لگی، سانس تیزی سے پھولنے لگا، جس کی بنا پر ''بائی پب'' لگا کر سپورٹ دی گئی؛ لیکن اُس سے بھی اِفاقہ نہ ہوا، تو جمعہ کی رات میں ''وینٹی لیٹر''

کی ضرورت پڑی؛ اِس لئے کہ غشی کی کیفیت طاری ہوچکی تھی۔ جمعہ کے دن صبح سے ہی طبیعت نازک ہونے کی اطلاع ملتی رہی، بلڈ پریشر مسلسل کم ہوتا جارہا تھا، ہم لوگوں نے اُسی حالت میں ڈسچارج کرکے لے جانے کی درخواست کی، جسے منظور کرلیا گیا اور کارروائی شروع ہوگئی؛ لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ہی تقریباً سوا بجے عین جمعہ کے وقت آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اسپتال میں کاغذات کی تیاری میں کچھ وقت لگا اور ہم لوگ ساڑھے چار بجے اسپتال سے روانہ ہوئے، جمعیۃ کے مرکزی دفتر میں فوراً آپ کو سنت کے مطابق غسل دیا گیا، دہلی واطراف سے بہت سے علماء وائمہ جمع ہوچکے تھے، اِس لئے اُنہوں نے اپنے طور پر نمازِ جنازہ اَدا کی، بعد اَزاں مغرب سے قبل پونے سات بجے دفتر سے جنازہ روانہ ہوا اور ٹھیک نو بجے ہم لوگ جنازہ لے کر دیوبند پہنچے۔ لاک ڈاؤن کے باوجود علماء اور خواص ہزاروں کی تعداد میں دیوبند میں جمع تھے۔ ٹھیک گیارہ بجے رات میں اِحاطۂ مولسری دارالعلوم دیوبند میں جگر گوشۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ مجمع کی کثرت کی وجہ سے مولسری سے دیوان دروازے تک صفیں لگائی گئیں، بعد اَزاں قبرستانِ قاسمی میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور حضرت فدائے ملتؒ کے قدموں میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا؛ گویا کہ اُنہی بزرگوں کے جوار میں پہنچ گئے جن کے مشن پر تازندگی چلتے رہے۔ احقر اور برادر عزیز مفتی محمد عفان سلمہ نے قبر میں اُتر کر نم آنکھوں سے آپ کو آخری آرام گاہ تک پہنچانے کی سعادت حاصل کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً، نوراللہ مرقدہٗ وبرد مضجعہ۔

اللہ تعالیٰ حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اُمت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں اور ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق اَرزانی فرمائیں، آمین۔

واقفِ اسرار تعلیم ورموزِ تربیت

بیاد: والد ماجد امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ
محدث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

تحریر: مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد اَمروہہ

حلیہ

گورا چٹا رنگ، بیضوی، پرکشش، جاذب نظر اور بارعب چہرہ، ستواں اور خوب صورت ناک، عینک کے پیچھے سے چھلکتی ہوئی شرم وحیا سے لبریز آنکھیں، کشادہ پیشانی، متوسط قد وقامت، چھریرا بدن، اُجلے رنگ والے چہرہ پر سفید ونورانی داڑھی، سر پر ہلکے ہلکے بال اور گول ٹوپی، مونچھیں قینچی سے کٹی ہوئیں، نہایت موزوں جسم پر صاف ستھرے اور سفید رنگ کے سوتی کپڑے، موسم سرماں میں دیدہ زیب شیروانی، زیادہ ٹھنڈک میں فرغل، سر پر مخصوص انداز کا عمامہ یا رومال، ایک ہاتھ میں عصائے پیری یا چھتری اور دوسرے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پرس، جس میں موبائل چابی اور ضروری کاغذات ہوتے، رفتار میانہ، مائل بہ سرعت، راہ چلتے کمر میں ہلکا سا خم اور نگاہیں بالکل جھکی ہوئیں، عالمانہ شان ووقار اور متانت وسنجیدگی سے بھرپور وجود کا حامل رب دوجہاں نے ہمارے قابل فخر اور عظیم المرتبت والد بزرگوار حضرت اَقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ کو بنایا تھا، جو گذشتہ ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء عین نماز جمعہ کے وقت دنیا اور اُس کے جھمیلوں کو الوداع کہہ کر خالقِ حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انعامِ الٰہی

اللہ کا فضل وکرم اور اُس کا انعام واحسان ہے کہ اُس نے ہمیں ایسے جلیل القدر اور عظیم المرتبت والدین عطا فرمائے، جنہوں نے ہماری تربیت ونگرانی، زیورِ علم سے آراستہ کرنے اور اِسلامی آداب سے مالا مال کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، باری تعالیٰ ہمارے محترم والدین کو اس کی بہترین جزا اور بدلہ مرحمت فرمائیں۔ حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نظام الٰہی کے مطابق اس دنیائے دنی کو الوداع کہہ کر ہمیں روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے (اللہ پاک اُن کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، آمین) لیکن الحمد للہ والدہ محترمہ بقید حیات ہیں، اَب گویا کہ وہی ہماری ماں ہیں اور وہی باپ ہیں، باری تعالیٰ صحت وسلامتی کے ساتھ اُن کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر دراز فرمائیں اور اُن کی دعاؤں سے دیر تک ہم سب کو مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

اسی طرح ہمارے بڑے بھائی، برادر بزرگوار حضرت اقدس مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ جو ہمارے لئے اب والد محترم کے درجہ میں ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو صحت وعافیت کے ساتھ قائم ودائم رکھیں اور اُن کی شفقتوں اور عنایتوں سے دیر تک ہم کو مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

بے قراری

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے سانحۂ وفات کو کئی سال گذر چکے ہیں؛ لیکن آپ کے سایۂ شفقت سے محرومی کا تصور دل کو ایسا بے چین اور قلب ودماغ کو ایسا مضطر کیے ہوئے ہے، جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، ذہن پر ایسا بوجھ ہے جس کی تعبیر کے لئے جملے ساتھ نہیں دیتے۔ سچائی یہ ہے کہ زندگی میں ہم نے حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ کی وہ قدر وخدمت نہیں کی، جس کے وہ مستحق تھے، آج رہ رہ کر اُن کی شفقتوں، عنایتوں اور اصلاح کا ایک ایک باب یاد آ رہا ہے اور آنکھوں سے بہنے والے اشکوں کو تھمنے نہیں دے رہا ہے، قدم قدم پر اُن کی

کمی کا احساس ہوتا ہے، ہر وقت اُن کا خوب صورت چہرہ نگاہوں کے سامنے اور شفقت بھری گفتگو ذہن و دماغ کے اندر رہتی ہے۔

اَب کون ایسا ہوگا جو ہماری حرکات وسکنات اور احوال پر گہری نظر رکھنے والا ہو اور کسی بھی معاملے میں ذرا بھی غلط روش اختیار کرنے پر روک ٹوک اور تنبیہ سے کام لینے والا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ کے سایۂ شفقت میں زندگی گذر رہی تھی، تو ہم بڑے بے فکر تھے، کوئی بھی بات پیش آتی، تو حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کی جانب اُس کو محوّل کر دیا جاتا اور آپ ہی اس سلسلے میں فیصلہ فرماتے؛ لیکن آپ کے چلے جانے کے بعد اب محسوس ہو رہا ہے کہ والد کا سایہ، اُن کی دعائیں اور اُن کا وجود انسان کے لئے اللہ پاک کی کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے؟ بہر حال ہم اللہ کے فیصلے پر راضی ہیں، انسان کے دنیا سے جانے کا جو وقت مقرر ہے اس میں کوئی تقدم وتأخر ممکن ہی نہیں، باری تعالیٰ ہم سب کو صبر وسکون عطا فرمائیں اور حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ نے جو روشن نقوش چھوڑے ہیں، اُن پر عمل ہمارے لئے آسان فرمائیں، آمین۔

مخلص ترین اُستاذ ومربی

حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ ہمارے لئے صرف ایک شفیق والد ہی نہیں؛ بلکہ مخلص ترین اُستاذ ومربی، سرپرست اور نگراں بھی تھے، اخیر تک اُن کے سامنے جواب دہ ہونا پڑتا تھا، تدریسی مجبوریوں کے باعث ان سے دور رہنے کے باوجود بھی وہ پورے طور پر احوال سے باخبر رہتے اور ہر معاملے میں پورے طور پر ایسی نگرانی اور اس طرح معاونت ومساعدت فرماتے تھے کہ ہم ہر لحظہ اپنے کو اُن کے سامنے موجود پاتے، مزاج ایسا بنا دیا تھا کہ کوئی کام حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی مرضی اور منشاء کے خلاف کرنے کی جرأت وہمت ہی نہیں تھی، کسی لمبے سفر پر جانا ہوتا یا کوئی اور معاملہ پیش ہوتا، جب تک والد صاحب کی طرف سے اِجازت نہ ہوتی، مجال نہیں تھی کہ ہم ایک قدم آگے بڑھالیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو تعلیمی، تدریسی، انتظامی، ملی اور سماجی خدمات کے حوالے سے جن خوبیوں، کمالات، صفات اور صلاحیتوں سے آراستہ فرمایا تھا، اس سے تو دنیا واقف اور معترف ہے اور لوگ اپنے مضامین اور تعزیتی تحریروں میں اُن تمام چیزوں کا ذکر بھی کر رہے ہیں۔ اِس مختصر تحریر میں ہم اس تفصیل میں نہیں جائیں گے، ہمیں تو اس موقع پر حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کی بعض اُن نمایاں صفات کو ذکر کرنا ہے جو بہت ممتاز طریقے سے آپ کی زندگی کے اندر مشاہدے میں آتی تھیں۔

رجال سازی

رجال سازی، افراد سازی اور اپنے ماتحتوں کی تربیت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیت اور کمال آپ کو عطا فرمایا تھا، وہ بہت کمی کے ساتھ لوگوں میں دیکھنے کو ملتا ہے، تمام تر مصروفیات کے باوجود آپ اپنے ماتحتوں کی ایسی نگرانی فرمایا کرتے تھے اور ہر فرد پر آپ کا ایسا رعب رہتا تھا کہ مجال ہے کوئی غلط راستے پر چلنے کا اِرادہ بھی کر لے۔ ہم نے باضابطہ اگرچہ سالِ ہفتم میں مشکوٰۃ شریف (جزء ثالث) آپ سے پڑھی ہے، اس سے پہلے کوئی کتاب آپ سے پڑھنے کا موقع نہیں ملا؛ لیکن حفظ کلام اللہ سے لے کر درجاتِ عربیہ کی تعلیم تک حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ ہمہ وقت ہمارے سلسلے میں فکرمند رہا کرتے تھے، ہم نے قرآنِ کریم از اول تا آخر اُستاذ محترم حضرت قاری احسان الٰہی صاحب دامت برکاتہم (مقیم دیوبند) سے پڑھا ہے، ہمارے قاری صاحب کو حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کی طرف سے اِس بات کا پابند بنایا گیا تھا کہ آپ ایک رجسٹر تیار کریں اور اُس پر روزانہ کی کیفیت درج کیا کریں؛ چناں چہ جتنے بچے قاری صاحب کے پاس پڑھتے تھے، اُن میں ہر بچے کی کیفیت اور احوال روزانہ قاری صاحب تحریر فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے بارے میں بھی لکھتے تھے کہ کہاں سے کہاں تک سبق ہوا؟ سبقاً پارہ کتنا ہوا؟ اور آموختہ کتنا ہوا؟ پھر حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ اُس رجسٹر کو دو یا تین دن میں یا جب موقع ملتا تھا؛ منگوا کر چیک کیا کرتے تھے، اس میں کوئی خامی دیکھتے، تو تنبیہ فرماتے

تھے، کام صحیح رہتا تھا، تو دعائیں دیتے تھے اور خوشی کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

اسی طرح عربی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، تو آپ کی طرف سے تاکید تھی کہ وقت پر مدرسہ جانا، پابندی سے اَسباق میں شریک ہونا اور امتحانات میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کرنا؛ وہ چیزیں ہیں جنہیں تم کو اپنی ترجیحات کے اندر شامل کرنا ہے، تمہیں کھانے کے لئے اچھی سے اچھی چیزیں میسر ہوں گی، رہنے کے لئے سہولیات دی جائیں گی اور تمہاری جائز خواہشات کو پورا کیا جائے گا؛ لیکن مذکورہ تین چیزوں کے اندر کوئی کمی نہ رہنی چاہیے۔

دوستی گانٹھنے کی ممانعت

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو زمانۂ طالب علمی میں جس بات سے سب سے زیادہ ناگواری ہوا کرتی تھی وہ دوستی گانٹھنا اور دوست بنانا تھا، آپ اس بات کو برداشت نہیں کرتے تھے کہ طالب علمی کے زمانے میں ہماری کسی کے ساتھ دوستی ہو، آپ کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ وقت پر مدرسہ جاؤ اور تعلیمی مصروفیات اور اسباق سے فارغ ہو کر سیدھے گھر واپس آؤ، نہ کسی ساتھی کے کمرے پر جانا ہے، نہ دوستوں کے ساتھ مل جل کر بیٹھنا ہے، نہ کسی سے گپ شپ کرنی ہے، بس پڑھنے پڑھانے کی بات ہو اور خالی وقت گھر کے اندر گذرے، اسباق کے تکرار و مراجعت کے لئے بعض خاص ساتھیوں کے درمیان جانے کی اجازت تھی، اگر کبھی راستے میں اپنے کسی ساتھی کے ساتھ دوستانہ ماحول میں چلتے ہوئے آپ ہمیں دیکھ لیا کرتے تھے، تو ہماری خیر نہیں ہوتی تھی، گھر آتے ہی باز پرس ہوتی تھی کہ کس کے ساتھ جا رہے تھے؟ کہاں جا رہے تھے؟ کیا باتیں ہو رہی تھیں؟ جواب دینا مشکل ہو جاتا تھا۔

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی طرف سے اگر یہ نگرانی، سرپرستی اور تنبیہ نہ ہوتی، تو ہم جیسے لا اُبالی پن کے شکار لوگ نہ جانے کس راستے پر چل پڑتے اور کیا کر رہے ہوتے؟ اللہ رب العزت والجلال حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، اُن کے درجات کو بلند فرمائیں، آج قدم قدم پر اُن کی یہ شفقتیں اور عنایتیں یاد آتی ہیں۔

نماز میں سستی پر تنبیہ

اِسی طرح نماز میں سستی، غفلت ولاپرواہی اور نماز باجماعت کا اہتمام نہ کرنے پر بھی آپ سخت نالاں ہوتے اور ناراضگی کا اظہار فرماتے، آپ کی طرف سے ہمیں یہ تاکید تھی کہ پنج وقتہ نماز باجماعت مسجد کے اندر ادا ہونی چاہیے، طالب علمی کے ابتدائی زمانے میں ہی آپ نے ''مسجد چھتہ'' میں نماز پڑھانے کا مکلّف بنادیا تھا اور حضرت والدہ ماجدہ مدظلہا سے فرماتے تھے کہ ''میں نے عفان کو نماز پڑھانے کی ذمہ داری اِسی لئے دلوائی ہے؛ تاکہ وہ باجماعت نمازوں کی پابندی کرنے لگے، جماعت کا اہتمام اُس کی زندگی کے اندر آجائے''۔ اللہ پاک حضرت کو اِس کا بہترین بدلہ اور جزا مرحمت فرمائیں، آمین۔

اُن کی یہ شفقتیں، توجہات، سرپرستی اور عنایات نہ ہوتیں تو نہ جانے آج ہم کہاں ہوتے؟

فجر کے بعد سونا

اسی طرح فجر کے بعد سونا یہ بھی حضرت والد صاحب کی نگاہ میں بہت بڑا جرم تصور کیا جاتا تھا، اُن کے یہاں اِس کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ گھر کا کوئی فرد نماز فجر کے بعد بستر پر دراز ہوجائے اور نیند میں غرق ہو، ہر شخص اور ہر باشعور بچے کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ نماز کے بعد قرآنِ پاک کی تلاوت میں مشغول ہو اور یہ حقیقت ہے کہ آدمی کسی دوسرے کو کسی اچھائی کا پابند اُسی وقت بنا سکتا ہے جب خود اُس کے اندر وہ صفت، وہ خوبی اور وہ اچھائی پائی جاتی ہو۔ خود حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا تو یہ مزاج تھا کہ رات میں چاہے دیر سے سونا ہو؛ لیکن نماز فجر کے بعد سونے کا کوئی معمول نہیں تھا۔ آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر کھانا تناول فرماتے، پھر اس کے فوراً بعد سوجاتے اور پھر پوری رات مسلسل سونے کی عادت بھی آپ کی نہیں تھی، اکثر وبیشتر کمرے کی لائٹ بھی جلی رہتی، دو ڈھائی گھنٹے سوئے اُس کے بعد اُٹھ گئے، پھر تلاوت، مطالعہ، یا ذکر واذکار میں مشغول ہوگئے، اُس کے بعد پھر جی چاہا تو آرام فرمایا اور سوگئے، پھر

رات کے آخری پہر میں اُٹھنا تو آپ کی عادت تھی۔نماز تہجد کی پابندی آپ کی زندگی میں اسی طرح تھی جس طرح پنج وقتہ فرائض کی پابندی کا آپ اہتمام فرماتے تھے۔ہم نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں، تو اپنے محترم والدین کو نماز تہجد کی پابندی کرتے ہوئے پایا۔حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ فجر کی نماز سے پہلے معمول کے مطابق خود چائے بنا کر نوش فرماتے تھے اور نماز فجر کے بعد مختصر ناشتہ کیا کرتے تھے، اُس کے بعد مطالعہ اور درس کی تیاری میں مشغول ہوجاتے، پھر بروقت مدرسہ تشریف لے جاتے۔

رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک

اسی طریقے سے آپ کی زندگی کا ایک نمایاں وصف صلہ رحمی اعزاء واقرباء اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور بہترین برتاؤ تھا، ہمارا دادھیالی خاندان جو منصور پور، خانجہاں پور، حسین آباد، رتھیڑی، سیکری اور دیگر جگہوں پر آباد ہے، وہاں کوئی بھی تقریب حضرت والد صاحبؒ کی شرکت کے بغیر ادھوری رہا کرتی تھی، کوئی بیمار ہوتا، تو مزاج پرسی کے لئے تشریف لے جاتے، کوئی دنیا سے رخصت ہوجاتا، تو نماز جنازہ کے لئے تشریف لے جاتے، تعزیت کے لئے جاتے، شادی ہوتی تو نکاح کے لئے جانا ہوتا، آپ کی اس صلہ رحمی کی وجہ سے خاندان کے چھوٹے بڑے افراد کے دل کی گہرائیوں میں آپ نے جو مقام پایا تھا، وہ کسی دوسرے کو آسانی میسر نہیں ہوسکتا، آپ اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالا کرتے تھے، ہر طرح کے معاملات میں آپ کو فیصل بنایا جاتا اور آپ کی بات کو اوپر رکھا جاتا، آپ کے مشوروں کو قبول کیا جاتا اور آپ کی رہنمائی کے مطابق لوگ اپنی زندگی کا لائحۂ عمل متعین کرتے۔

دل داری اور وضع داری

اسی طریقے سے دل داری، وضع داری اور کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچانے کا جذبہ؛ یہ وہ صفت ہے جو کوٹ کوٹ کر حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے اندر بھری ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

ایک مرتبہ کسی سفر سے واپسی پر منصور پور تشریف لے گئے، رات کافی گذر چکی تھی، ڈھائی تین بج رہے تھے، آپ گھر کے باہر گاڑی ہی میں تشریف فرما رہے، اُس مکان میں جہاں آپ کے بھتیجے اور دیگر اہلِ خانہ موجود تھے، اندر تشریف نہیں لے گئے، ڈرائیور صاحب نے کہا کہ حضرت میں فون کر دیتا ہوں، ابھی کافی وقت ہے، آپ گھر تشریف لے جایئے، آرام فرمالیجیے، فرمایا کہ نہیں یہ بے وقت ہے، ابھی سب سو رہے ہوں گے، اِس وقت اُٹھائیں گے، تو نیند میں خلل پیدا ہوگا، اِس لئے ابھی گاڑی ہی میں بیٹھتے ہیں؛ چناں چہ گاڑی میں بیٹھے رہے، کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے، جب فجر کا وقت ہوا اور یہ محسوس ہوا کہ اب لوگ اُٹھ گئے ہوں گے، تب حضرت والا گھر تشریف لے گئے، ضروریات سے فارغ ہوئے اور پھر مسجد میں نماز فجر کی ادائیگی کے لئے تشریف لے گئے۔ ذرا تصور کیجئے! اپنے گھر میں جانے کے لئے آدمی اس طرح کے جذبات کا اظہار کرے اور یہ احساس اس کے دل کے اندر ہو کہ میرے عمل سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، یہ کس درجہ کمال کی چیز ہے؟

وضع داری اور دل داری کا تو یہ عالم تھا کہ معمولی معمولی لوگ بھی محبت کے ساتھ آپ کو مدعو فرمایا کرتے تو اُن کے گھر تشریف لے جاتے، وقت دیتے، خوش طبعی اور کشادہ قلبی کے ساتھ اُن سے گفتگو فرماتے، حد درجہ اپنائیت کا اُن کے ساتھ مظاہرہ فرماتے، کسی جگہ کسی پروگرام میں تشریف لے گئے، اصل پروگرام ایک ہے؛ لیکن ضمنی طور پر دسیوں جگہ آپ صرف لوگوں کی خاطر داری اور دل رکھنے کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ وہ صفت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے عشق ومحبت کے نتیجے میں آپ کی زندگی کے اندر دکھائی دیتی تھی۔

اکرامِ ضیف

مہمان نوازی کا تو یہ عالم تھا کہ کوئی صاحب مقامی یا بیرونی آپ سے ملاقات کے لئے آئیں اور آپ ''ماحضر'' سے اُن کی ضیافت نہ کریں، ایسا نہیں ہوسکتا تھا، چائے اور ناشتہ تو ضروری تھا، بیرونی حضرات ہوتے اور آنے سے پہلے اطلاع بھی دے دیتے تو باقاعدہ کھانے

کا اہتمام کے ساتھ نظم فرماتے، پھر اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے، روٹیاں اپنے پاس رکھتے اور بوقت ضرورت سب کو روٹیاں دیتے رہتے۔ اگر ہم میں سے کوئی گھر پر موجود ہوتا، تو کھانا لانے لے جانے اور مہمانوں کے پاس بیٹھنے کی تاکید ہوتی، اگر کبھی بروقت موجود کسی اور صاحب کے ذریعہ کھانا بھجوادیا گیا اور ہم مہمانوں کے پاس نہ جاسکے، تو والد صاحبؒ ناراض ہوجاتے تھے اور ڈانٹتے تھے کہ ''بڑے لاڈ صاحب بن گئے ہیں، دماغ میں خناس ہے، ہر کام کے لئے انہیں خادم چاہئے، گھر پر مہمان آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اور اِن کو جاکر ملنے کی توفیق بھی نہیں ہوتی''۔ اِس ناراضگی کا اثر یہ تھا کہ مہمانوں کی ضیافت کے لئے گھر کا ہر فرد ہمہ وقت پوری بشاشت کے ساتھ تیار رہتا تھا اور آئندہ بھی رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

بچوں اور پالتو جانوروں کے ساتھ شفقت

گھر اور خاندان کے چھوٹے بچوں کے ساتھ آپ کا رویہ بڑا ہی مشفقانہ اور محبت بھرا تھا، بچوں کے ساتھ ہنسی، دل لگی کرنا، اُن کو چھیڑنا، مانوس کرنا، گود میں لینا، ہدایا اور تحائف دینا آپ کا مزاج تھا، بچوں کے درمیان بیٹھ کر ہی آپ کو کھلکھلا کر ہنستے ہوئے دیکھا گیا، ورنہ بڑوں کی مجلسوں میں تبسم ہی پر اکتفا فرماتے تھے۔

گھر میں پلے ہوئے جانور بھی آپ سے حد درجہ مانوس رہتے تھے، سالہا سال تک ''مینا'' اور پہاڑی طوطے ہمارے یہاں رہے، اُن میں سے ایک طوطا متعدد مرتبہ اپنی چونچ سے مختلف لوگوں کو زخمی کر چکا تھا؛ لیکن حضرت والد صاحبؒ سے اُس کو ایسی اُنسیت تھی کہ آپ پنجرے میں ہاتھ ڈال کر طوطے کے اُوپر ہاتھ پھیرتے تو بالکل پرسکون اور ساکت ہوکر بیٹھا رہتا؛ یہاں تک کہ آپ پنجرے سے باہر بھی نکال لیتے تو بالکل بھاگنے کی کوشش نہیں کرتا تھا، گھر کے کسی دوسرے فرد کی یہ ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ پنجرے کے اُوپر ہی ہاتھ رکھ دے؛ کیوں کہ وہ اندر ہی سے چونچ مارتا تھا؛ لیکن حضرت والد صاحبؒ صبح وشام کچھ وقت باقاعدہ اس کے لئے نکالتے تھے، اِس لئے وہ بھی بہت مانوس ہوگیا تھا۔ اسی طرح گھر میں آنے جانے والی بلیوں

سے بھی آپ کو خاص لگاؤ تھا، اُن کے لئے باقاعدہ ''گوشت'' منگواتے، پلیٹ میں دودھ بھی اُن کے سامنے رکھتے، وہ بلیاں بھی ایسی مانوس ہوگئی تھیں کہ آپ مدرسہ سے گھر تشریف لاتے تو وہ سیڑھیوں پر منتظر ہوتیں اور آپ کو دیکھ کر بولنا اور آپ کے ساتھ چلنا شروع کردیتیں؛ یہاں تک کہ آپ کے ساتھ گھر میں داخل ہوجاتیں، تو جو کچھ ہوتا اُن کے سامنے ڈال دیا جاتا۔

آج آپ کی فرقت وجدائیگی کا احساس ہم ہی نہیں؛ یہ بے زبان جانور بھی کررہے ہیں۔

مجلس آرائی سے اجتناب

علماء کے طبقے میں عام طور پر عصر کے بعد کا وقت فارغ ہوتا ہے، جس میں چائے نوشی، احباب کے ساتھ نشست یا گھر سے باہر کے ضروری کام انجام دئے جاتے ہیں؛ لیکن ہم نے حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو عصر کے بعد بھی کبھی فارغ محسوس نہیں کیا، کوئی ملاقات کے لئے آتا تو کچھ دیر کے لئے ضرور باہر تشریف لاتے؛ لیکن مستقل طور پر آپ کا باہر بیٹھنے کا کبھی معمول نہیں رہا، عصر کے بعد بھی گھر میں رہتے اور مطالعۂ کتب یا دوسرے کاموں میں مصروف دکھائی دیتے، کبھی کسی کے ساتھ آپ کو بے تکلف نہیں دیکھا گیا اور نہ ہی آپ کی زبان سے کسی کی غیبت اور برائی سنی گئی، بلاضرورت گفتگو یا وقت گذاری کے لئے کسی کے پاس بیٹھنا یہ آپ کی سرشت میں داخل ہی نہ تھا۔

فکرِ آخرت

تمام تر لیاقت وصلاحیت، کمالات اور خوبیوں کے باوجود تواضع، انکساری اور سادہ مزاجی غیر معمولی طور پر آپ کی زندگی کے اندر پائی جاتی تھی۔ دنیا کی زیب وزینت، چمک دمک یہ وہ چیزیں تھیں جن کی طرف آپ کے قلب کا میلان ہوتا ہی نہیں تھا، آخرت کی فکر ہمہ وقت آپ کو دامن گیر رہا کرتی تھی۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ کے خاص طور پر فکرِ آخرت کے پہلو کو آپ اپنی گفتگو اور بیانات میں ذکر فرمایا کرتے تھے۔ مراد آباد میں سیرتِ طیبہ کے عنوان پر سلسلہ وار

پروگرام حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کی زیرنگرانی ہوتے چلے آرہے ہیں۔ محلّہ کسرول کی مسجد ابراہیمی میں اس سلسلے کا جب پہلا پروگرام طے ہوا اور اس میں سیرتِ طیبہ کے مختلف عناوین طے کئے جارہے تھے، تو حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اس گنہگار سے فرمایا تھا کہ تم سیرتِ طیبہ اور فکرِ آخرت کے عنوان پر مواد جمع کرو اور اسی موضوع پر تمہیں گفتگو کرنی ہے، جب مواد تیار ہوگیا، حضرت کے سامنے پیش کیا، تو آپ نے اُس کی اصلاح فرمائی اور پھر اُسی کے مطابق بیان کیا گیا، بہرحال فکرِ آخرت کا جو پہلو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت سے نمایاں ہوتا تھا، حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اُس کا عکس اپنی زندگی کے اندر اُتار لیا تھا اور جب آپ کے احوال، کیفیات، علمی انہماک اور آپ کی مصروفیات پر نگاہ ڈالی جاتی ہے، تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت وسنت کے رنگ میں پورے طور پر رنگنے کے لئے کوشاں اور فکرمند رہا کرتے تھے۔

تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے آپ کی جو خدمات ہیں، اِس موضوع سے آپ کو جو جذباتی لگاؤ وتعلق تھا اور اس موضوع پر جس شرحِ صدر کے ساتھ آپ گفتگو فرمایا کرتے تھے، وہ بھی درحقیقت نبی اکرم علیہ السلام سے عشق وعقیدت اور محبت کا مظہر ہے۔ باری تعالیٰ ہمیں بھی اس محبت کا کچھ حصہ نصیب فرمائے اور جو نقوش حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ہمارے لئے چھوڑے ہیں، اُن پر عمل ہم سب کے لئے آسان فرمائے۔

حبِ نبی ﷺ

پچھلے کئی سالوں سے رمضان المبارک میں آپ حرمین شریفین کے سفر پر تشریف لے جاتے تھے، زیادہ وقت قیام مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوتا تھا، درمیان میں عمرے کے لئے تین چار دن قیام کے اِرادے سے مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے تھے، دونوں جگہ اکثر وقت حرم میں گذرتا تھا، آپ بڑے اطمینان سے اَرکانِ عمرہ پیدل ہی اَدا فرمایا کرتے تھے اور کسی طرح کی عجلت کا مظاہرہ نہیں فرماتے تھے، چاہے عمرے میں پورا دن ہی کیوں نہ لگ جائے۔ مدینہ

منورہ میں بھی عام طور پر نماز ظہر کے لئے مسجد نبوی تشریف لے جاتے، تو پھر تراویح سے فراغت کے بعد ہی قیام گاہ واپسی ہوتی، درمیان میں اگر آرام کی ضرورت محسوس فرماتے تو مسجد ہی کے کسی خالی حصے میں کچھ دیر کے لئے لیٹ جاتے، یکسوئی کے ساتھ اکثر اَوقات میں تلاوت کلام اللہ، درود پاک اور دیگر اَوراد ووَظائف میں مصروف رہتے، ملاقاتوں سے حتی الامکان وہاں گریز فرماتے اور مناسب وقت کا خیال کرتے ہوئے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے لئے تنہا ہی جانے کی کوشش فرماتے اور جتنی دیر موقع ملتا ''مواجہہ شریف'' میں کھڑے ہوکر بے انتہاء عقیدت ومحبت اور احترام وعظمت کے جذبات کے ساتھ نذرانۂ درود وسلام پیش فرماتے۔

اِخفائے حال

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو نمایاں صفات عطا فرمائی تھیں، اُن میں ایک اہم صفت اخفائے حال تھی، آپ اپنے آپ کو بالکل مخفی اور پوشیدہ رکھنے کے عادی تھے، سرد وگرم ہر طرح کے حالات کو خاموشی کے ساتھ جذبہ صبر وشکر کا اظہار کرتے ہوئے جھیل جاتے تھے، آپ کا خاندانی پیشہ کاشت کاری تھا اور آج بھی ہے؛ لیکن مالی اعتبار سے کبھی بھی بہت فراوانی نہیں رہی؛ بلکہ ابتداء میں عسرت کے دور سے بھی گذرے اور پھر بقدر ضرورت ہی آمدنی رہی اور اس کے مطابق کفایت شعاری سے خرچ چلاتے رہے؛ لیکن کبھی زبان پر نہ حرفِ شکایت آیا اور نہ اپنا حال کسی پر ظاہر ہونے دیا؛ بلکہ بڑی خوش اُسلوبی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے جانبِ منزل رواں دواں رہے۔

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ اعلیٰ درجے کے متقی، اللہ کے ولی، شب زندہ دار اور صاحب نسبت بزرگ تھے؛ لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنے آپ کو ہمیشہ مخفی اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی، اصرار کے باوجود بھی عامۃً لوگوں کو بیعت نہیں فرماتے تھے، بلکہ دیگر اکابر بزرگانِ دین کی جانب رہنمائی فرمادیا کرتے تھے؛ ہاں اگر دور دراز کے دیہات میں جانا ہوتا اور وہاں

لوگ اصرار کرتے، تو آپ بیعت بھی فرمالیا کرتے تھے؛ لیکن عام طور پر ایسا ہوتا کہ لوگ آپ سے بیعت کی درخواست کرتے، تو دوسروں کی جانب اُن کی رہنمائی فرماتے تھے۔

اِس عاجز کو بھی حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہٗ نے ابتدائی اَسباق کی تلقین کے کچھ عرصے بعد پاس اَنفاس کا طریقہ سیکھنے کے لئے حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے رجوع کا حکم دیا، احقر نے والد صاحبؒ سے تحریری طور پر درخواست کی، آپ نے اپنی عادت کے مطابق احوال تو معلوم کیے؛ لیکن آگے سبق کچھ نہیں دیا؛ بلکہ اپنے ساتھ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا سید محمود حسن صاحب پٹھیڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے گئے اور اُن کو تفصیل بتائی اور آگے کے لئے اُن سے رہنمائی کرنے کی درخواست کی۔

یہ وصف بھی ایسا تھا جو عمومی طور سے دیکھنے کو نہیں ملتا، اللہ تعالیٰ جس کے دل کی دنیا کو آباد فرماتے ہیں اور جس کو اپنا خاص قرب وتعلق نصیب فرماتے ہیں اور جو اپنے آپ کو مٹانے کا جذبہ اللہ کی رضا کے لئے رکھتا ہے، اُسی کے اندر اِس طرح کی صفات نمایاں طور پر دیکھنے کو ملتی ہیں۔

اللہ رب العزت والجلال ہمیں بھی ان صفات کو اپنانے اور اُن سے سبق لینے کی توفیق نصیب فرمائیں اور حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی باری تعالیٰ مغفرت فرمائیں، اُن کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، درجات کو بلند سے بلند تر فرمائیں اور ہمارے جو اکابر، مشائخ، بزرگانِ دین، خاندان کے بڑے بقید حیات ہیں، اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ اُن کے سایہ کو دراز فرمائیں، آمین۔

◆❖◆

حضرت والد ماجدؒ کا تدریسی امتیاز

مفتی سید محمد عفان منصور پوری

حضرت اقدس والد ماجد نور اللہ مرقدہ بنیادی طور پر ایک کامل مدرس تھے، یقیناً آپ نے دیگر انتظامی، ملی اور اصلاحی ذمے داریوں کو باحسن وجوہ نبھایا؛ لیکن آپ کی نگاہ میں ترجیحی حیثیت تدریس ہی کو حاصل تھی بقیہ تمام ذمے داریوں کی انجام دہی کو آپ ثانوی درجہ میں رکھتے تھے حتی الامکان اس کی کوشش کرتے کہ غیر درسی مشغولیت کے باعث درس کا نقصان نہ ہو، فرمایا کرتے تھے کہ: ''اصل ذمہ داری ہماری طلبہ کو پڑھانا ہے اگر ہم دوسرے کاموں میں اتنی دلچسپی لیں گے جس سے تدریس متأثر ہو تو یہ خیانت بھی ہوگی اور طلبہ کی حق تلفی بھی'' یہی وجہ ہے کہ جب سے دوسری ذمہ داریوں کا بار آپ کے کاندھوں پر آیا اور اسفار کے تقاضے بڑھے تو حتی المقدور یہی کوشش فرماتے کہ کوئی ایسی شکل نکلے جس سے کم سے کم تدریس کا نقصان ہو؛ چناں چہ یہ دیکھا گیا کہ عام طور پر جلسوں کے زمانے میں آپ دیر رات میں گھر تشریف لاتے اور صبح پوری بشاشت کے ساتھ سبق پڑھاتے، دورانِ سفر مطالعہ کرنا آپ کی عادت میں شامل تھا۔ ''مرقاۃ المفاتیح'' شرح ''مشکوٰۃ المصابیح'' اور بعض دیگر متعلقات کتب آپ کے بیگ میں رہتے اور اس کا بھرپور مطالعہ فرماتے، بقدر ضرورت آرام بھی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر فرمالیا کرتے تھے، پھر پوری تیاری کے ساتھ بروقت درس گاہ میں تشریف لے جاتے اور حق تدریس اَدا فرماتے۔

آپ کا درس حشو وزوائد سے پاک انتہائی محقق، جامع اور ہر طالب علم کے لئے اطمینان بخش ہوا کرتا تھا، ہمیں درجہ ہفتم میں ''مشکوٰۃ المصابیح'' جزء ثالث اور دورۂ حدیث شریف میں ''مؤطا امام محمد'' آپ کے پاس پڑھنے کا شرف حاصل رہا، آپ کی درسی خصوصیات کا اجمالا درج

ذیل نکات میں استیعاب کیا جاسکتا ہے:

(۱) درس حدیث کی عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے درس گاہ جانے سے پہلے غسل یا وضو اہتمام سے فرماتے، داڑھی مبارک پر کنگھا کرتے، سر کے بال اکثر چھوٹے ہی رہتے تھے، صاف ستھرے سفید کپڑے زیب تن فرما کر خوشبو لگاتے، پھر عام طور پر بھنی ہوئی سونف اور تھوڑی سی ملہٹی نوش فرماتے، بعد ازاں نہایت پروقار انداز میں نگاہیں نیچے کئے ہوئے، متوسط رفتار سے چل کر درس گاہ میں مسند حدیث پر رونق اَفروز ہوتے اور عام طور پر پورے گھنٹے ایک ہی پہلو پر بیٹھ کر سبق پڑھاتے، آواز قدرے مدھم رہتی جو پوری توجہ سے سبق سننے کی متقاضی ہوتی، لہجہ میں سادگی وٹھہراؤ، انداز میں روانی وتسلسل اور اُسلوب بیان اُتار چڑھاؤ، کرختگی اور شدت سے پاک ہوتا، متانت وسنجیدگی نرمی وشائستگی سے آپ کی ذات عبارت تھی، اکثر زیر لب مسکرا کر تبسم پر اکتفاء فرماتے اور کھل کھلا کر ہنسنے سے گریز فرماتے، چہرہ مبارک جمال سے مزین ہونے کے ساتھ ساتھ بارعب تھا، جو دیکھتا متأثر ہوتا؛ لیکن فری ہو کر گفتگو کرنے کی ہمت نہ جٹا پاتا۔

عام طور پر ایک پرس میں موبائل ساتھ رکھتے تھے؛ لیکن پڑھانے کے لئے تشریف لے جاتے وقت قصداً موبائل گھر ہی پر چھوڑ کر جاتے۔

(۲) کتاب کے آغاز میں فن کے تعارف وتشریح اور اُس کے مبادیات پر پوری شرح وبسط کے ساتھ کلام فرماتے، حدیث کی حجیت کا اثبات کرتے ہوئے فرقہ اہل قرآن اور غیر مقلدین کی خبر لیتے اور اُن کے مزعومہ عقائد باطلہ کی پرزور تردید کرتے۔

حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمہ اللہ کی جلالتِ شان کو خاص طور بیان کرتے ہوئے اَحادیث سے متعلق اُن کی بنیادی خدمات کا تذکرہ فرماتے اور اِمام اَعظم علیہ الرحمہ کی شان محدثیت پر کلام کرنے والوں کو آئینہ دکھاتے۔

(۳) بھرپور مطالعہ اور پوری تیاری کے ساتھ درس گاہ میں تشریف لے جاتے، مشکوٰۃ المصابیح دسیوں سال سے آپ کے زیر درس تھی؛ لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بغیر مطالعہ کے آپ

درس گاہ تشریف لے گئے ہوں، صرف مطالعہ ہی نہیں؛ بلکہ اخیر اخیر تک آپ سبق سے متعلق نوٹس بھی تحریر فرماتے تھے اور بعض دفعہ اُن میں اہم چیزیں طلبہ کو املاء بھی فرمایا کرتے تھے۔

(۴) کبھی آپ کو درس گاہ میں حالاتِ حاضرہ یا درس کے علاوہ کسی بھی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے نہیں سنایا گیا، اگر طلبہ کی طرف سے کوئی غیر درسی سوال کبھی کر بھی لیا جاتا تو اُس کو بھی یہ کہہ کر نظر انداز فرمادیتے کہ اس کا سبق سے کوئی تعلق نہیں، اِن موضوعات پر بات کرنے کے لئے دوسرے وقت ملاقات کرنا۔

(۵) شروع سال سے اخیر تک درس کی رفتار، انداز اور تحقیقی کلام کی کیفیت یکساں رہتی، ششماہی امتحان کے بعد سے درس کا وقفہ تو ضرور بڑھ جاتا تھا، خارجی اَوقات میں بھی حسبِ موقع سبق پڑھاتے تھے، کوئی گھنٹہ خالی ہوتا تو اس میں بھی پڑھالیا کرتے؛ لیکن رواروی میں، برق رفتاری کے ساتھ اور عجلت پسندی سے کام لیتے ہوئے سبق پڑھانا آپ کے مزاج کے خلاف تھا۔

(۶) مشکوٰۃ المصابیح جزء ثالث میں چوں کہ احکام سے متعلق روایات کم ہی ہیں؛ اِس لئے اختلافِ مذاہب پر گفتگو کرنے کی ضرورت زیادہ پیش نہیں آتی تھی؛ البتہ ابواب الفتن میں بالخصوص نادر اور مشکل الفاظ والی اَحادیث کا خاصا ذخیرہ ہے؛ اِس لئے ایک ایک کلمہ کی نحوی صرفی اور لغوی تشریح آپ اِس انداز میں فرماتے کہ کوئی پہلو تشنہ باقی نہیں رہتا تھا، لغت کی مستند کتابوں اور عرب کے معتبر شعراء اور اَدیبوں کے حوالہ سے مشکل کلمات کے معنی مرادی کی ایسی تعیین فرماتے کہ طبیعت خوش ہوجاتی، یہ آپ کا کمال تھا کہ دسیوں طرح کی غیر درسی مشغولیات کے باوجود آپ کا سبق ایسا تحقیقی اور دقیق نکات پر مشتمل ہوتا کہ یوں محسوس ہوتا کہ صرف درس وتدریس ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا ہے اور کتابوں میں ڈوب کر آپ پڑھاتے ہیں۔

(۷) ابواب الفتن سے متعلق روایات کی تشریح میں آپ کا حسنِ کلام اور ذوق تحقیق جوبن پر ہوتا، سیر حاصل گفتگو فرماتے، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشین گوئیوں کا مصداق اور

اَحادیثِ مبارکہ کا فرقِ ضالہ پر انطباق ایسی دلنشیں انداز میں فرماتے کہ بات دل میں اُترتی چلی جاتی اور ساری گتھیاں سلجھ جاتیں۔

(۸) عبارت کی تصحیح اور ترجمہ کی صحت کا خاص خیال رکھتے، عبارت خواں کو معمولی سی غلطی پر بھی ٹوکتے، فحش غلطی ہوتی تو وجہ اعراب بھی معلوم کر لیتے اور تنبیہ فرماتے، ترجمہ نہایت شستہ واضح اور مطلب خیز ہوتا جس میں لغت وعرف دونوں ملحوظ ہوتے۔

(۹) احکام سے متعلق روایات کی تشریح میں اَولاً صورتِ مسئلہ کی وضاحت فرماتے، ثانیاً اختلافِ مذاہب کو بالتفصیل بیان کرتے، پھر مستدلات فقہاء کا ذکر فرماتے، بعد اَزاں عند الاحناف قول مفتی بہ کی صراحت کرتے ہوئے اُس کی وجہ ترجیح بیان فرماتے اور ضرورت ہوتی تو اپنے یا فریق مخالف کے مستدل کی سندی حیثیت پر بھی کلام فرماتے۔

احناف کا مستدل اگر کتاب کے کسی دوسرے باب میں مذکور ہوتا تو وہی صفحہ کھلواتے اور بالکل سبق کے انداز میں اُس کی تشریح فرماتے، بارہا ایسا بھی ہوتا کہ اصل سبق کہیں اور چل رہا ہوتا اور دو ایک دن موضوع کی مناسبت سے دوسرے باب کی روایت زیر درس رہتی۔

(۱۰) تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی کا درس بھی آپ کا بہت مقبول رہا، آیاتِ مبارکہ اور اُس کے معانی ومفاہیم کا استحضار اور بروقت اُن سے استدلال یہ آپ کا خاص ذوق تھا، تفسیری نکات کو بیان کرنے میں بھی آپ کو درک وکمال حاصل تھا، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی تفسیر بیان القرآن کے محاوراتی ترجمے آپ کی نوکِ زباں تھے، آپ کی تقاریر بھی آیات واَحادیث کی تشریح ہی ہوا کرتی تھی، واقعات وقصص بیان کرنا آپ کا مزاج نہیں تھا۔

(۱۱) تخصص فی الادب العربی میں پڑھائی جانے والی کتاب ''اَسالیب الانشاء'' سالہا سال تک دارالعلوم دیوبند میں آپ کے زیر درس رہی، اُس کتاب کی تدریس میں بھی وہ انداز آپ اختیار فرماتے تھے کہ طلبہ میں جلد ہی عربی کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں میں بھی مضمون نگاری اور اِنشاء پردازی کے جوہر نمایاں ہونے لگتے تھے، حل لغات کے بعد نہایت سلیس، شستہ اور

دلنشیں ترجمہ فرماتے جس سے اُردو اَدب کا ذوق بھی پروان چڑھتا۔

سبق کی عبارت زبانی یاد کرواتے جس سے عربی لہجہ پر قدرت اور زبان پر اُس کی روانی آسان ہوتی، کتاب میں موجود تعبیرات کا بالالتزام زبانی اور تحریری طور پر استعمال کرواتے، جس سے عربی جملوں کی ساخت و بناوٹ اور کیفیت معلوم ہوتی اور اپنی زبان میں اُس کا استعمال آسان ہوتا، پھر سبق کے آخر میں جو تطبیقات ہوتی تھیں، اُن کو لکھنے کا مکلّف ہر طالب علم کو بنایا کرتے تھے اور سب کی کاپیاں خود چیک کرتے، درس گاہ میں وقت نہ ہوتا تو گھر پر کاپیاں منگاتے اور ایک ایک طالب علم کی کاپی دیکھ کر اُس کی اصلاح فرماتے، بعض دفعہ دورانِ سفر بھی اُن کاپیوں کو چیک فرماتے، مسلسل تطبیقات کی شکل میں تحریریں مرتب کرنے کی وجہ سے طلبہ میں مضمون نویسی کا ایک ذوق پیدا ہوجایا کرتا تھا۔

عربی اَدب میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو باہمی گفتگو عربی زبان ہی میں کرنے کی ترغیب دیتے اور اپنے اُستاذ محترم حضرت مولانا وحید الزمان صاحب کیرانوی نور اللہ مرقدہٗ کا قول نقل فرماتے کہ: ''جتنی بھی عربی آتی ہو ٹوٹی پھوٹی ہی سہی بولنے کی کوشش کرو، اگر کسی لفظ کی عربی برموقع ذہن میں نہیں آرہی ہے، تو اُس کو اُردو ہی میں بول دو، اِس ڈر سے کہ لوگ میری عربی پر ہنسیں گے بولنا نہ چھوڑو؛ اِس لئے کہ بولتے بولتے ہی ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم پر ہنسنے والی تمہاری قدرت کلامی پر عش عش کرنے والے ہوں گے۔''

(۱۲) سال بھر میں پانچ محاضرات ''ردقادیانیت'' کے عنوان پر آپ تکمیلات کے طلبہ کے مابین پیش فرمایا کرتے تھے، جس میں فتنہ قادیانیت کا تعارف، مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کا گھناؤنا کیریکٹر، تضاد بیانی، ہرزہ گوئی اور اُس فتنہ کی زہرناکی کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے اور اُن اسباب وعوامل کا ذکر فرماتے، جن کے سبب یہ فتنہ پروان چڑھا، اُس کے ساتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ خاتمیت رسالت کو آیاتِ قرآنیہ اور اَحادیث نبویہ کی روشنی میں ذکر فرماتے اور آپ کی ناموس کے تحفظ کو ہر مسلمان کا لازمی فریضہ قرار دیتے، قادیانیوں کی

طرف سے آیات واَحادیث کی جو من مانی اور غلط تشریحات کی گئی ہیں اُس کا مسکت جواب دیتے اوراس طریقہ کار کی بالتفصیل رہنمائی فرماتے، جس کو اختیار کر کے قادیانیوں کو علمی اور عقلی طور پر بآسانی زیر کیا جاسکتا ہے۔

گذشتہ چند سالوں سے اسی موضوع کے ضمن میں مدعی مہدویت شکیل بن حنیف کے ایجاد کردہ ''فتنہ شکیلیت'' کا پوسٹ مارٹم کرتے اور علمی وعقلی طور پر اُس کے بطلان کو ثابت کرتے۔

قابلِ تقلید صفات:

چند مشاہدات وتأثرات

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق بہت سے حضرات نے اپنے ذاتی مشاہدات اور تأثرات مختلف مضامین ومقالات میں تحریر فرمائے، ایسے سبھی مضامین ''الجمعیۃ'' کے ''اَمیر الہند رابع نمبر'' اور ''ذکرِ رفتگاں'' کی پانچویں اور چھٹی جلد (ذکرِ عثمانؒ) میں شائع ہو چکے ہیں۔ اُنہی مضامین میں سے چند اہم اَجزاء برائے اِفادہ ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں۔ تفصیلی مضامین کے لئے مذکورہ کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ (مرتب)

اَسباق کے لئے نوٹس کی تیاری

ہمارے مدارس میں اسباق پڑھانے کے لئے مطالعہ کا اہتمام تو ہوتا ہے، مگر اسباق کے لئے نوٹس تیار کرنے اور پھر اس کو ساتھ رکھ کر اس میں سے ضروری باتیں طلبہ کو لکھانے کا اہتمام نہیں ہوتا، استاذ جو کچھ بولتا ہے حافظے سے بولتا ہے، یہی طریقہ شروع سے چلا آرہا ہے، جب کہ عام سبق بالخصوص حدیث کے اسباق میں اُستاذ اگر ضروری یاداشت تحریر کی شکل میں ساتھ رکھے تو وہ مسائل ودلائل کو زیادہ بہتر انداز میں طلبہ کے سامنے رکھ سکتا ہے، نصوص کو مکمل حوالے کے ساتھ طلبہ کو نوٹ کرا سکتا ہے، جب کہ حافظے سے سبق پڑھانے میں تمام مستدلات کو بلفظہٖ نقل کرنا شاذ ونادر کسی کے لئے ممکن ہے، اسی لئے عصری درس گاہوں میں اسباق کے لئے نوٹس تیار کرنے کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔

حضرت قاری صاحب اس خصوصیت میں ہمارے اَساتذہ میں ممتاز تھے، وہ اسباق کی

تیاری ومطالعہ کے دوران باقاعدہ ضروری نوٹس تیار کرتے تھے اور طلبہ کو اہتمام کے ساتھ ضروری باتیں نوٹ بھی کراتے تھے۔ اس طرح اسباق کی تیاری میں زیادہ وقت صرف ہوتا اور پڑھانے میں بھی زیادہ وقت لگتا اور پھر ماحول نہ ہونے کی وجہ سے عام طلبہ میں اس چیز کی جیسی قدر اور پذیرائی ہونی چاہئے تھی؛ نہیں ہوتی تھی، مگر حضرت قاری صاحب دھن کے پکے تھے، ان کا یہ معمول جاری رہتا اور جو شوقین محنتی اور قدر کرنے والے ہوتے ان کو اس سے بڑا فائدہ ہوتا۔ گوناں گوں ذمہ داریوں اور طرح طرح کی مصروفیات سے زیرِ بار ہونے کے باوجود تدریس کے لئے باقاعدہ نوٹس تیار کرنے کا یہ اہتمام طلبہ کی خیر خواہی اور امانتِ تدریس کی بہتر سے بہتر ادائیگی کے تئیں حضرت الاستاذ کی فکرمندی کی بہترین دلیل ہے۔ (مفتی محمد اجمل صاحب قاسمی اُستاذ تفسیر وادب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد)

تدریس کا نرالا انداز

قاری صاحب سے ہم نے تین کتابیں پڑھیں عربی ہفتم میں ''مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ''، دورۂ حدیث میں ''مؤطا امام محمدؒ'' اور پھر تکمیل ادب میں ''اسالیب الانشاء'' اس کے علاوہ ردِّ قادیانیت پر آپ کے محاضرات میں بھی شرکت کی سعادت ملی، آپ کا اندازِ تدریس بالکل فطری تھا، جس میں عجلت پسندی، سرسری پن یا رواروی کو ذرا بھی دخل نہ تھا، پورے اطمینان سے پڑھاتے اور ہر مسئلہ پر مکمل بحث کرتے، کہیں سوال وجواب کا انداز بھی اپناتے، کہیں معصومانہ مزاح سے بھی کام لیتے۔ تبسم اتنا پُرکشش تھا کہ پوری محفل میں پھول سے بکھر جاتے اور دل کو ایک ناقابلِ بیان سرور وانبساط کی کیفیت ملتی، دل کے نہاں خانے میں ان کی یادوں کے جو خوش نما دریچے ہیں، ان میں ایک دریچہ فقط اس مسکراہٹ کے نام ہے، جس سے نگاہیں اب عمر بھر کے لئے محروم ہوگئیں۔

ہر ہر بات ذہن کو اپیل کرتی ہوئی محسوس ہوتی، جس میں بلاغت کی چاشنی کے ساتھ، ترتیب کا حسن، رائے کی قوت، مطالعہ کی وسعت اور علمی پختگی پوری طرح کارفرما ہوتی۔

سنجیدگی اور متانت لازمۂ حیات تھی، کبھی کھل کھلا کر ہنستے ہوئے راقم نے نہیں دیکھا، بس تبسم فرماتے اور اسی تبسم سے دلوں کو اسیر کر لیتے، احادیث کی تشریح میں صحابۂ کرامؓ اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باہمی گفتگو کی منظر کشی کرتے، تو سما باندھ دیتے، چشمِ باطن کو وا اور ظاہری آنکھوں کو بند کر لیتے، چہرے پر مسکراہٹ سجا لیتے، جو دل کے جذبات کی عکاسی کرتی اور دھیمے دھیمے لہجے میں تاجدارِ بطحیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کی باہمی گفت وشنید کا نقشہ کھینچتے، صحابہؓ کی جانب سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ''حضرت جی'' اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے لیے ''بھائی جبرئیل'' کا خطاب ایسے دل نشین انداز میں ادا فرماتے کہ محسوس ہوتا کہ شاید قاری صاحب ان سب واقعات کے عینی شاہدین میں سے ہیں، احادیث کی تشریح میں درایتی پہلو پر توجہ زیادہ رہتی، حدیث سے ائمہ کرام کے استدلالات کی مکمل وضاحت کے بعد ضرورت کے وقت مذہبِ احناف کے ترجیحی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتے، کہیں حنفی مسلک سے بہ ظاہر متعارض روایت آتی، تو خاص انداز میں چہک کر فرماتے: ''ایک ہی حدیث تھوڑی ہے''، دیکھو صفحہ نمبر فلاں اور پھر وہ حدیث دکھاتے، جس پر احناف کے مسئلہ کی بنا ہوتی، پھر ہر دو احادیث میں تطبیق یا ترجیح پر سیر حاصل گفتگو فرماتے۔

ان کے درس میں عبارت پڑھنے والے کے لیے سب سے بڑی حیرانی یہ ہوتی کہ نہ جانے اب قاری صاحب کون سا صفحہ کھلوائیں گے اور کہاں سے پڑھوائیں گے؛ کیوں کہ وہ درس کے مقام سے تو عبارت دیکھ کر آتا؛ مگر اس غریب کو یہ کیا خبر کہ اس مضمون کی حدیث اور کس مقام پر ہے کہ وہ اسے بھی دیکھ لے، قاری صاحب ہی اس حدیث تک لے جاتے اور طالبِ علم کا سابقہ اس سے پہلی بار پڑتا، جو زیرک ہوتا وہ تو میدان سَر کر لیتا، اور جو ذرا مغفل ہوتا وہ بار بار غچہ کھاتا اور قاری صاحب کی ''ہمم''، ''ہمم'' کے ذریعہ تنبیہ کے بعد ہی چل پاتا۔

کوئی اہم بات دورانِ مطالعہ ملتی، تو بسا اوقات اسے پرچی پر نوٹ کر لیتے اور دورانِ

درس جیب سے وہ رقعہ نکال کر طلبہ کو بھی املا کرا دیتے، ان کے درس میں کبھی محسوس نہ ہوتا کہ انھیں پڑھنے پڑھانے کے علاوہ بھی کوئی کام ہے، یا ادارہ کے انتظامی اُمور یا جمعیۃ علماءِ ہند کی پیہم سرگرمیوں سے بھی وہ کوئی واسطہ رکھتے ہیں، یوں لگتا کہ حضرت والا مسلسل مطالعہ اور کتب بینی میں مصروف رہتے ہیں؛ کیوں کہ اتنا تحقیقی درسِ حدیث، وسیع مطالعہ اور پیہم علمی انشغال کے بعد ہی ممکن ہے، جب کہ قاری صاحب سے خود دارالعلوم میں بہت سے انتظامی اُمور متعلق تھے اور اس کے علاوہ جمعیۃ علماء کی ملکی وملی پیہم سرگرمیاں بھی تھیں؛ مگر ان تمام ذمہ داریوں کو بہ حسن وخوبی انجام دینے کے باوجود درس وتدریس کے مشغلہ کو اتنے اعلیٰ معیار کے ساتھ برقرار رکھنا، قاری صاحب ہی کا امتیاز تھا، جس کے لیے قاری صاحب اپنے اوقات کو بڑی احتیاط سے کام میں لاتے، سفر کے دوران بھی درسی کتب ہمراہ رکھتے، اور گھنی مصروفیتوں میں بھی مطالعہ کا موقع نکال لیتے، ذہین اور باشوق طلبہ میں آپ کا درس خصوصاً ''مشکوٰۃ المصابیح'' کا ہمیشہ مقبول رہا۔ (مفتی محمد شعیب قاسمی علی گڑھی استاذ مدرسہ اسلامیہ اصغریہ دیوبند)

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں

قاری صاحب نے اپنی زندگی میں بہت سے مناصب کو زینت بخشی، بہت سے عہدوں پر فائز رہے؛ بل کہ آخر آخر تو آپ کی شخصیت ملت کے مسلمہ قائدین میں شامل ہوگئی تھی؛ لیکن آپ کے بارے میں اپنے تو اپنے کسی بے گانے کو بھی یہ تصور نہ گزرا ہوگا کہ آپ نے کوئی عہدہ یا منصب پانے کے لیے کبھی کسی قسم کی کوشش کی، لوگوں کی رائے اپنے حق میں کرنے کے لیے کوئی خفیہ تحریک برپا کی، یا اپنے اثر ورسوخ کے دم پر کسی عہدے پر تسلط جمایا؛ بل کہ وہ تو خودنمائی سے ہمیشہ گریزاں ہی رہے، ان کی تخلیق میں ایسے عناصر سے کام لیا ہی نہ گیا تھا، جن کا اثر خودرائی، اعجابِ نفس اور بڑا بننے کی بے جا ہوس کی صورت میں ظاہر ہو؛ لیکن اداروں، تنظیموں اور تحریکوں کے وابستگان کو جب کام کے آدمی کی ضرورت پڑتی، تو ان کی نگاہیں قاری صاحب پر ہی جا کر ٹھہرتیں؛ کیوں کہ وہ ایک ایسی شخصیت تھی جسے ناموری سے غرض تھی نہ صلے وستائش سے، اسے

پرواہ تھی تو بس کام کی، اسے واسطہ تھا تو اپنی ذمہ داری سے، بھلا ایسا شخص جب کسی عہدہ پر فائز ہوگا، تو اللہ کی توفیق ونصرت شاملِ حال کیوں نہ ہوگی؟ ضابطہ ہی یہ ہے کہ جب آدمی کو بلا طلب کوئی منصب سپرد کیا جاتا ہے، تو اس کی یاوری دستِ غیب سے کی جاتی ہے اور جب آدمی دنیا سے بھاگتا ہے، تو دنیا اس کے قدموں پہ نثار ہونے کو آتی ہے۔

نہیں چلنے لگی یوں میرے پیچھے
یہ دنیا میں نے ٹھکرائی بہت ہے

(مفتی محمد شعیب قاسمی علی گڑھی)

طلبہ کی تشویق وترغیب اور ان کی حوصلہ افزائی

حضرت کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ ہمیشہ طلبہ کو شوق وترغیب دلاتے، کرنے کے مختلف کام بتاتے، ان کی طالب علمانہ کوششوں کو سراہتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، حضرت قاری صاحب ہمارے دور میں دارالعلوم کے نیابتِ اہتمام کے منصب پر فائز تھے، درجۂ علیا کے قدیم استاذ تھے، مختلف ذمہ داریاں آپ سے وابستہ تھیں، عمر بھی خاصی ہوچکی تھی، جو شخصیات اس درجہ کی ہوتی ہیں مختلف عوارض ومصروفیات کی بنا پر خارج میں طلبہ کو وقت نہیں دے پاتیں؛ لیکن قربان جایئے قاری صاحب کے، ان کی زندگی کا یہ پہلو میرے لئے ہمیشہ باعث حیرت رہا کہ وہ اپنی تمام متنوع مصروفیات کے باوجود طلبہ کو بھرپور وقت دیتے تھے، انجمنوں کے پروگرام میں اساتذہ تو دور طلبہ بھی زیادہ دیر نہیں رک پاتے، مگر حضرت طلبہ کی دلداری اور حوصلہ افزائی کے لئے دیر دیر تک پورے صبر وسکون اور وقار کے ساتھ تشریف فرما ہوتے، طلبہ دارالعلوم کی عربی انجمن النادی الادبی کے سہ ماہی ششماہی اور سالانہ اجلاس ہوں، یا طلبۂ دارالعلوم کی سب سے منظّم اور فعال انجمن مدنی دارالمطالعہ کا معروف سالانہ اجلاس ہو سب میں شروع سے لے کر آخر تک بیٹھتے، اس کے علاوہ جن صوبائی یا ضلعی انجمنوں کے پروگرام میں مدعو کیے جاتے ان میں بھی اہتمام کے ساتھ شریک ہوتے اور پورا پروگرام سنتے، اخیر میں خطاب فرماتے، کمزوریوں کی طرف توجہ دلانے کے ساتھ طلبہ کے لئے حوصلہ افزا کلمات ضرور ارشاد فرماتے۔

النادی کے اجلاس میں تقریر عربی میں فرماتے اور طلبہ کی حوصلہ افزائی میں ایک بات عام طور سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے بہت سے طلبہ کہتے ہیں کہ جن طلبہ نے تقریریں کیں ہیں یا دوسرے پروگرام پیش کئے ہیں ہفتوں یاد کرنے اور رٹنے کے بعد پیش کئے ہیں، اس میں آخر کون سی کمال کی بات ہے؟ فرماتے: ہمارے اُستاذ حضرت مولانا وحید الزماں صاحب ایسے لوگوں سے کہا کرتے تھے، اگر یاد کر کے تقریر کرنا کوئی کمال کی بات نہیں ہے، تو تم بھی کر کے دکھاؤ، جبھی سمجھ میں آئے گا، فرماتے: بسا اوقات شخصیات اور مجمع سے متاثر ہو کر آدمی بار بار کی رٹی تقریر بھی بھول جاتا ہے، انجمنوں میں جب اپنے اساتذہ اور اکابر کے سامنے طالب علم تقریری مشق کر لیتا ہے تو پھر شخصیات اور مجمع سے مرعوب نہیں ہوتا اور بے رٹے تقریر کرنا بھی اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حاضرین کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ذہن میں کبھی یہ بات پیدا نہیں ہونی چاہئے کہ آخر ہم سے کیا ہوگا؟ اور ہم کہاں کوئی مقام حاصل کر سکیں گے؟ یہ شیطانی دھوکا ہے، ہمارے اکابر شیخ الہندؒ، علامہ کشمیریؒ، حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ وغیرہ بھی اگر یہی سوچ کر بیٹھ جاتے، تو جس مقام تک وہ پہنچے ہرگز نہ پہنچ پاتے؛ مگر اُنہوں نے یہ سب نہیں سوچا، محنت اور لگن کے ساتھ حصولِ علم میں لگے رہے، تو اللہ نے انہیں اونچا مقام عطا فرمایا، ہم گرچہ اس دورِ اخیر میں ہیں، مگر ہمارے اور آپ کے لئے بھی حدیث میں بڑی بشارت ہے، ٹھیک ہے کہ پہلے دور میں امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام بخاری و مسلم جیسے لوگ پیدا ہوئے مگر دروازہ بند نہیں ہوا ہے، اس دور میں اس زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے لوگ پیدا ہوئے، اِس دور میں اِس دور کی ضرورت کے لحاظ سے افراد پیدا ہوں گے، جیسا کہ ہمارے اکابر دیوبند پیدا ہوئے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”مَثَلُ أُمَّتِي مَثَلُ مَطَرٍ لَا يُدْرَى أَوَّلُهُ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُ. (رواه الترمذي / أبواب الأمثال عن رسول الله ﷺ رقم: ۲۸۶۹) ترجمہ: میری امت کی مثال اس بارش کی طرح ہے جس کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا شروع زیادہ خیر و برکت والا ہے یا آخر۔ حضرت نے فرمایا: بلاشبہ امت کے اولین طبقے آخر والوں سے

خیر و برکت اور فضلیت میں بڑھے ہوے ہیں، مگر خیر کا یہ سلسلہ ان کے بعد ختم نہیں ہو جائے گا، بلکہ آخر تک جاری رہے گا اور آخری دور میں دین کی خدمت اور اس کے دفاع کے ایسے تقاضے سامنے آئیں گے جو پہلے لوگوں کے دور میں نہیں آئے اور ان تقاضوں کو پورا کرنے کی سعادت بھی بعد کے لوگ ہی حاصل کریں گے نہ کہ پہلے کے لوگ، اس طرح جزوی خیر میں بعد کے لوگ بسا اوقات پہلے لوگوں سے بڑھ بھی جائیں گے، اس کو حدیث میں کہا گیا ہے نہیں معلوم اس کا اول زیادہ خیر والا ہے یا آخر۔ حضرت کی یہ بات میرے لئے نئی بھی تھی اور نہایت حوصلہ بخش بھی اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اب تک یاد بھی رہ گئی۔ (مفتی محمد اجمل صاحب قاسمی)

تعمیری ذہن اور سرگرم عمل طبیعت کے مالک

حضرت قاری صاحب کشادہ اور تعمیری ذہن کے مالک تھے، وہ مدارس کے طلبہ کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لئے جدید تعلیم اور کمپیوٹر وغیرہ سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، کہتے تھے ہمارے طلبہ کو اپنی دینی و علمی شناخت کے ساتھ عصری تعلیم بھی حاصل کرنا چاہیے، تاکہ اس میدان میں بھی ہمارے رجال کار پہنچیں۔ گذشتہ سے پیوستہ سال جمعیت علما کے زیر اہتمام اکابر جمعیت کے حیات اور کارناموں کو یاد کرنے کے لئے سیمیناروں کا سلسلہ شروع ہوا تو راقم السطور نے بھی اس سلسلے کے بعض سیمیناروں میں شرت کی، سیمینار میں کثیر تعداد میں مدارس کے ارباب بینش اور یونی ورسٹیز کے ارباب دانش موجود تھے، ایک پروفیسر صاحب نے سیمینار کو سن کر فرمایا: کچھ کام ایسے ہیں جو علما زیادہ بہتر انجام دے سکتے ہیں، عصری دانش گاہ کے لوگ اسے صحیح انجام نہیں دے سکتے اور کچھ کام ایسے ہیں جسے جدید دانش گاہوں کے فضلا انجام دے ستے ہیں، وہ علما نہیں کر ستے، اگر یہ دونوں طبقے باہمی تعاون سے کام کریں تو بڑے بڑے کام وجود میں آسکتے ہیں، حضرت نے اپنے خطاب میں اس خیال کی تائید فرمائی اور کہا: یہ دونوں ہی طبقے امت کا بڑا سرمایہ ہیں اور ہمیں باہمی تعاون کی شکلوں پر غور کرنا چاہیے۔

ایک سے زائد بار حضرت کو خطاب میں یہ کہتے سنا کہ ہمارے مدارس میں تعلیمی نظام کے

ساتھ بحث وتحقیق کا بھی ایک شعبہ ہونا چاہیے اور جس طرح پڑھانے کے لئے باقاعدہ استاذ کا تقرر ہوتا ہے اسی طرح تحقیق وتالیف کے لئے مستقلاً اچھے علما کا تقرر ہونا چاہئے۔ آپ اہل علم حضرات کو مختلف علمی کاموں کی طرف متوجہ بھی کرتے رہتے تھے، امداد الفتاویٰ کو حضرت مولانا ومفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے جب اپنی تحقیق سے شائع کیا تو رسم اجرا کے موقع پر حضرت قاری صاحب بھی تشریف لائے، آپ نے فرمایا: جس طرح ہمارے مفتی شبیر احمد صاحب نے ''امداد الفتاویٰ'' پر تحقیق وتعلیق کا کام کیا ہے، اسی طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''بیان القرآن'' پر بھی تسہیل اور تحقیق کے کام کی ضرورت ہے، اہل علم حضرات کو اس سمت میں بھی توجہ کرنی چاہیے۔

حضرت کا ایک ذوق یہ بھی تھا کہ وہ چھوٹے چھوٹے پمفلٹ شائع کرنے اور اسے عوام میں تقسیم کرنے پر زور دیتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ جلسے میں آدمی تقریریں سنتا ہے اور بھول جاتا ہے، ضرورت ہے کہ تقریر کا خلاصہ چند اوراق میں جمع کر دیا جائے اور اسے تقریر کے بعد سامعین میں تقسیم کر دیا جائے، تاکہ آدمی خود بھی اسے پڑھے اور اس کے گھر والے بھی اسے پڑھیں اور اسی سوچ کے ماتحت حضرت نے لاک ڈاؤن کے زمانے میں اصلاح معاشرہ کا وسیع پروگرام تیار کیا اور اساتذۂ دارالعلوم کے تذکیری واصلاحی اسفار کا ایک نظام مرتب کیا گیا تو اس موقع سے آپ نے اساتذہ سے درجنوں پمفلٹ اور کتابچے تیار کرا کے شائع کیے۔

حضرت میں کام کرنے اور اپنے ماتحت لوگوں سے کام لینے کی دھن اور لگن تھی، وہ روایتی دائرے سے نکل کر حالات وتقاضے کے مطابق کام کی نئی نئی شکلیں سوچتے اور انھیں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے۔ (مفتی محمد اجمل صاحب قاسمی)

متنوع اَوصاف کی حامل شخصیت

حضرت قاری صاحب میں باہم متقابل بلکہ متضاد اوصاف نہایت توازن اور خوبصورتی کے ساتھ جمع کر دیے گئے تھے، وہ خوش اخلاق ایسے تھے کہ ہر چھوٹا بڑا اور خاص وعام بڑی سہولت سے اپنی بات ان سے کہہ سکتا تھا، ان کے سامنے اپنی درخواست رکھ سکتا تھا، اپنی شکایت

پیش کرسکتا تھا، مگر ساتھ ہی ان میں وقار بھی ایسا تھا کہ کوئی آسانی سے ادنیٰ قسم کی بے ادبی و بے احترامی کی ہمت جٹا نہیں سکتا تھا۔ وہ متواضع ایسے تھے کہ طلبہ کی درخواست پر معمولی معمولی قسم کے پروگراموں میں تشریف لے جاتے، عام لوگوں کی درخواست پر بے تکلف ان کے گھر چلے جاتے، جو پیش کیا جاتا خوش دلی کے ساتھ اسے نوش فرمالیتے، اخیر عمر تک بلا تکلف رکشہ میں بیٹھ جاتے، مگر ساتھ ہی وضعداری بھی ایسی تھی کہ دین و دیانت اور شرافت و نجابت کے خلاف انہیں کسی چیز پر آمادہ کرپانا ممکن نہ تھا۔ وہ نہایت نرم اور رعایت و مراعات والے شخص تھے، مگر اصول وضابطے کے خلاف ان کے یہاں رعایت اور نرمی کا کوئی خانہ نہیں تھا۔ ان کے یہاں سادگی میں رکھ رکھاؤ تھا، تکلف سے بری نفاست و نستعلیقیت تھی۔ (مفتی محمد اجمل صاحب قاسمی)

پیکر شفقت وتواضع

اساتذہ سب ہوتے ہیں جن کے سامنے کتاب کھول کر پڑھی جاتی ہے، زانوئے تلمذ تہہ کیا جاتا ہے؛ مگر مناسبت اللہ کا انعام ہے، ہر ایک سے نہیں ہوتی، جس استاذ کی شفقت وعنایت جتنی زیادہ ہوتی ہے اسی سے اتنی ہی عقیدت پھر مناسبت کے بعد محبت بھی ہوجاتی ہے، حضرت استاذ محترمؒ کو پہلی مرتبہ اس وقت دیکھا جب موطا امام محمدؒ کا سبق متعلق ہوا، گھنٹے کے بعد قدرے انتظار کرنا پڑتا، جب سارے طلبہ سراپا اشتیاق ہوجاتے تب تشریف لاتے، شیروانی زیب تن ہوتی، نگاہیں نیچی رکھے مسند تدریس پر بیٹھتے اور حدیث شریف کی سند پر گفتگو کرتے، پھر اجزائے حدیث کو الگ الگ سمجھاتے، پھر مسالک بیان کرتے، امام محمدؒ کی تعبیر کی خوبی کا مسلک سمجھاتے اور احناف کی ترجیحات بڑے اعتدال سے ذکر کرتے، الفاظ وتعبیرات میں برجستگی اور شگفتگی دل آویز رہتی تھی، حضرت الاستاذ کا یہ انداز بڑا اچھا لگا، عقیدت کے بعد مناسبت بھی پیدا ہونے لگی، دورۂ حدیث شریف سے امتیازی نمبرات کے ساتھ کامیابی حاصل ہوئی، پھر افتاء میں داخل ہوا، محاضرات کا سلسلہ شروع ہوا، اس زمانے میں قادیانیت ملک کے گوشے گوشے میں دندنا رہی تھی، ارادہ ہوا کہ ''ردقادیانیت'' کے موضوع کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے، آخر یہ

کیا بلا ہے، جو اپنے سیلاب بلا خیز میں آبادی کی آبادی کو بہالے جارہی ہے؟ اس کے لیے ایک تو ''شعبۂ مناظرہ'' میں داخلہ لیا، دوسرے ''ردقادیانیت'' پر پیش کیے گئے حضرت کے محاضرات کو سامنے رکھ کر مضمون نگاری شروع کی، اس سے اور بھی مناسبت میں اضافہ ہوا، پھر جب محاضرات کے اسباق شروع ہوئے تو ہمہ تن گوش ہوکر حضرت قاری صاحب کی باتیں سنتا اور نئی باتوں کو نوٹ بھی کرتا تھا، اس طرح افتاء کا سال پورا ہوا اور حضرت قاری صاحب سے محبت ہو گئی، اب جہاں کہیں سے گزرتے، دیکھتا تو رک کر دیکھنے لگتا، مجھے ان کی شخصیت میں کشش کی بہت سی جہات نظر آتی تھیں؛ لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ آپ کی نظرِ عنایت بھی میری طرف ہے اور اسی کا یہ اثر ہے، غرض یہ کہ اگلے سال ''تدریب افتاء'' میں داخلہ ہوا اور تمرین افتاء حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن بلند شہری مدظلہ العالی کے پاس تھی، ''ردقادیانیت'' کے موضوع پر ملک بھر میں پروگرام ہوتے تھے، دہلی میں جمعہ کے دن بہت سی مسجدوں میں اس موضوع پر بیان کا نظام حضرت نے بنایا، اس کے لیے اساتذۂ کرام کے ساتھ تخصص وتکمیلات کے طلبہ کی بھی ترتیب بنی، اس میں میرا نام بھی تھا، ہم لوگ صبح چار بجے والی فاسٹ پیسنجر سے دہلی پہنچے، میرا انتخاب حضرت قاری صاحب کی خدمت کے لیے ہوا، ساتھ میں حضرت مفتی صاحب مدظلہ بھی تھے، دفتر جمعیت کے پاس سے ایک آٹو رکشہ پر بیٹھے، اس نے ایک جگہ لے جاکر اُتار دیا، اترنے کے بعد معلوم ہوا کہ مسجد یہاں سے دور ہے، تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر ہے۔

اتنے میں ایک ٹھیلی والا آیا جو اینٹ ڈھو رہا تھا، اس پر اینٹ کی سرخیاں بڑی مقدار میں پڑی تھیں، ہم نہا دھوکر اچھا کپڑا پہنے نماز کے لیے جارہے تھے، ٹھیلی والے نے کہا: حضرت! مسجد بہت دور ہے، یہاں رکشہ بھی نہیں ہے، نماز کا وقت قریب ہے، آیئے! اس پر بیٹھیے، میں مسجد تک پہنچا دیتا ہوں، دھوپ میں پیدل چل کر بہت پریشان ہوجائیں گے، حضرت نے اس کی معقولیت بھری تقریر سن کر کہا: چلو اسی سے چلتے ہیں، مجھے اس پر بیٹھنے میں ادنیٰ تأمل ہوا کہ کپڑے سرخی سے گندے ہوجائیں گے؛ لیکن میں نے کسی طرح سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا، حضرت قاری

صاحب کو کشف ہو گیا، آہستہ سے اپنا خوبصورت نفیس سفید رومال سر سے اتارا اور اس ٹھیلی پر بچھا دیا، ارشاد فرمایا: مولوی اشتیاق تم اس پر بیٹھو! کپڑے گندے ہو جائیں گے، میں بڑا پشیمان ہوا اور جلدی سے رومال اٹھا کر جھاڑا اور ادب سے حضرت کو پیش کیا، ٹھیلی پر بیٹھ گیا، پسینہ کچھ زیادہ ہی آنے لگا، حضرت کی تواضع کا تأثر مجھے اندر سے جھنجھوڑ چکا تھا، غرض ہم تینوں مسجد پہنچے، نماز کا وقت قریب تھا، حضرت سیدھے منبر پر پہنچے اور بیان شروع کر دیا، نہایت ہی سادہ انداز میں میں مرزا غلام قادیانی کی حماقتوں کو سمجھایا، اس کے دعویٔ نبوت کا مطلب سمجھا کر اس کی تردید کی، ''کلمۂ قادیانیت'' کا مفہوم سمجھا کر ''کلمۂ توحید'' سے اس کا تقابل پیش کیا، جس سے سامعین نے صاف سمجھ لیا کہ قادیانیت اسلام کے مقابل ایک مستقل مذہب ہے اور قادیانی ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتے، غرض تقریر کے بعد خطبہ پھر نماز ہوئی اور سنت ونفل کے بعد واپسی کا ارادہ ہوا، مسجد کے باہر ایک رکشہ نظر آیا، اس سے آئی ٹی او لے جانے کی بات ہوئی۔

حضرت بائیں طرف بیٹھ گئے، نہایت ہی اطمینان سے بیٹھ کر اشارہ کیا، آجاؤ، میں بیٹھتے ہی چونک سا گیا، دھوپ میں رکشہ توے کی طرح گرم ہو گیا تھا، تعجب تھا کہ اتنی نازک شخصیت کس طرح پرسکون ہو کر بیٹھی ہے، اس تصور سے میں بھی بہ تکلف اطمینان سے بیٹھا رہا، رکشہ جب آگے بڑھا، تو حضرت نے گفتگو شروع کی، ''ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ ہمیں تو دھوپ میں رکشہ بھی نصیب ہے، تصور کرو، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کی چلچلاتی دھوپ میں گرم پتھروں اور پہاڑوں پر کیسے پیدل چلے ہوں گے، دین کی تبلیغ کے لیے کتنی مشقتیں اٹھائی ہوں گی، طائف کی (ساڑھے پانچ سو فٹ) اونچی پہاڑی پر کیسے چڑھے ہوں گے، آہستہ آہستہ حضرت نے چند جملے ایسے ارشاد فرمائے کہ گرم رکشہ لطف دینے لگا اور چند لمحوں میں ٹھنڈا محسوس ہونے لگا، اس شبنمی نصیحت نے بڑا متأثر کیا، اکابر بزرگوں کی لمبی لمبی تقریریں بارہا سنی ہیں، مگر جتنا اثر حضرت قاری صاحب کے چند جملوں نے کیا اتنا کسی نے نہیں کیا۔

وہاں سے ایک مدرسہ میں آئے، جہاں کھانا طے تھا، دیکھا تو دسترخوان پر نہ تو سلیقے کے

پلیٹ، کٹورے تھے اور نہ ہی کھانا مزیدار، سلاد میں کھیرے اور پیاز کی کتلیاں بھی ایسی تھیں جیسے چاقو کے علاوہ کسی اور چیز سے کاٹی گئی ناشپاتی کے بدشکل ٹکڑے؛ لیکن حضرت نے بڑی قدردانی اور خندہ پیشانی سے تھوڑا تھوڑا اٹھاتے اور میزبان کو خوش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کررہے تھے، ہاں اخیر میں ''پیپسی'' ضرور آئی، اس زمانے میں یہی کالا مشروب بازاروں میں ملتا تھا اور لوگ بڑی خوشی سے پیتے تھے، بعد میں اس سے اچھے مشروب آئے، پھر امریکی مصنوعات کے بائیکاٹ نے اس کی اہمیت کو اور گھٹا دیا، غرض میں نے یہ سوچا کہ حضرت اس کو ضرور پسند فرمائیں گے، مگر آپ نے آہستہ سے منع کردیا، بعد میں اس کی مضرتوں سے دنیا واقف ہوئی اور دور ہوئی، تب معلوم ہوا کہ ہمارے اکابر کتنے دوررس ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں۔

حضرت قاری صاحب اصول پسند اور بڑی متواضع شخصیت کے حامل تھے، دارالعلوم دیوبند میں علیا کے مدرس ہونے کے باوجود ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی سے بڑا متواضعانہ سلوک کرتے تھے، یہ آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔

الف:- درجۂ علیا کے مدرس، دارالاقامہ اور تحفظ ختم نبوت کے ناظم ہونے کے باوجود حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے اسباق بخاری شریف میں حاضر ہوتے اور خوب استفادہ فرماتے تھے، جب ہماری جماعت کو بخاری شریف کتاب الایمان تبرکاً پڑھانے کے لیے حضرت تشریف لائے، تو دیکھا کہ حضرت قاری صاحب پیچھے پیچھے آرہے ہیں، پورا گھنٹہ بیٹھ کر استفادہ کیا، پھر ساتھ ہی واپس ہوئے اور غالباً نسائی شریف کی کتاب الطہارۃ والصلاۃ کے اسباق میں بھی تشریف لاتے تھے، اس سے حضرت کی بے نفسی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ب:- ''تحفظ ختم نبوت'' کے ناظم اعلیٰ حضرت استاذ محترم مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ سے مشورے کے لیے سیدھے مکان پر تشریف لے جاتے، ساتھ میں فائلیں ہوتیں، طلبۂ کرام کے انتخاب کے لیے سب کو لے کر وہیں پہنچتے، مسودات و مقالات پر رائے لینے کے لیے بھی بارہا میں نے دیکھا، اس میں ذرہ برابر تکلف نہیں فرماتے تھے۔ (مولانا مفتی اشتیاق احمد صاحب دربھنگوی اُستاذ دارالعلوم دیوبند)

سفر میں دل داری اور نماز کا اہتمام

چار اسفار میں ناچیز کو حضرت کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، اس میں کئی چیزیں متأثر کن دیکھیں:

الف:- نماز کا خوب اہتمام فرماتے، دہلی جیسے سفر میں پانچ چھ گھنٹے اس لیے لگتے تھے کہ صحیح وقت پر نماز با جماعت اطمینان سے ادا فرماتے ہوئے جاتے تھے، ساتھ میں چھوٹی جائے نماز اور بڑا مصلیٰ ہوتا تھا، اطمینان سے رکتے اور معمولات پورے کرنے کے بعد چلتے۔

ب:- راستے میں گزرتے ہوئے اگر کوئی چائے کے بہانے رکتا تو اس کی ضرور دلداری فرماتے، کھاتے تو بہت کم تھے، مگر سامنے والے کا دل خوش کر دیتے، ان کے لیے دعائیں کرتے۔

ج:- وقت ضائع نہ کرتے، چلتے ہوئے یا تو خاموش تسبیحات پڑھتے رہتے، یا کوئی کتاب اٹھا لیتے، غرض خالی نہ رہتے تھے۔

د:- ساتھ رہنے والوں کا بھی خوب خیال رکھتے، خصوصاً دسترخوان پر بڑی محبت سے کھلاتے، جی خوش ہو جاتا تھا، ان اداؤں کو یاد کر کے آنسو آنے لگتے ہیں۔

دار العلوم حیدر آباد میں عظمت صحابہ سیمینار تھا، مجھے خدمت کے لیے حضرت کے ساتھ رکھا گیا، اس میں کئی چیزیں بڑی متأثر کن تھیں:

الف:- سب سے پہلے ٹکٹ وغیرہ کی تفصیلات معلوم کیں، دیوبند سے دہلی پھر واپسی وغیرہ کا انتظام معلوم کیا، ادارے نے جہاز کے ٹکٹ کے ساتھ ٹیکسی کا کرایہ پہلے بھیج دیا تھا، واپسی میں حضرت کو دہلی سے دیوبند کے لیے ٹیکسی لینی نہیں تھی، کوئی اور انتظام تھا تو آپ نے دار العلوم حیدر آباد کے ذمہ دار کو واپسی کا کرایہ واپس فرمایا اور ضرورت نہ ہونے کی صراحت فرمائی، یہ تھی معاملے کی صفائی، منتظمین بہت متاثر ہوئے۔

ب:- اسی سفر میں حضرت کو دیکھا کہ جہاز میں سوار ہوتے ہی ایک کتاب نکالی اور اس کو پڑھتے رہے، اس میں سے نوٹ لکھتے رہے، پوری کتاب میں سے اپنا مطلوبہ حصہ پڑھ

ڈالا، جب سیمینار میں حضرت کو بلایا گیا تو حضرت نے ڈائز پر اس نوٹ کو رکھ لیا اور نہایت ہی مرتب انداز میں بڑے اہم نکات پر گفتگو فرمائی، سامعین میں اہل علم وقلم کی تعداد اچھی خاصی تھی، سب نے حضرت کی گفتگو کی انفرادیت کو تسلیم کیا، منتظمین نے اس کو ریکارڈ کیا، حضرت کی خواہش تھی کہ کاغذ پر منتقل ہوکر مرتب ہوجائے، منتظمین نے اس کا وعدہ بھی کیا، مگر افسوس کہ وہ پورا نہ ہوسکا۔

ج:- تقریر وتحریر میں کبھی حضرت کو تکلف کرتے ہوئے نہیں دیکھا، بالکل سادہ انداز میں لکھتے اور بولتے تھے، باتیں ترتیب وار ہوتیں، پھر اخیر میں خلاصہ بھی پیش فرماتے تھے، سادہ اسلوب کے ساتھ موضوع اور مبحث کی ترکیز بھی ہوتی تھی، وہ ادھر ادھر نہیں بہکتے تھے، اس سے سامعین میں یکسوئی باقی رہتی تھی، یہ بات اس پروگرام میں بھی نظر آئی، صحابہ کرامؓ کے سلسلے میں امت کے معتدل موقف کو نہایت ہی مدلل انداز میں پیش فرمایا تھا۔

اسی طرح اردو زبان میں بغیر مجبوری کے انگریزی الفاظ سے آپ بہت اجتناب کیا کرتے تھے اور اس کی نصیحت بھی کرتے تھے۔ (مولانا مفتی اشتیاق احمد صاحب دربھنگوی)

معاملات کی صفائی اور دارالعلوم دیوبند کا اہتمام

معاملات کی صفائی، پائی پائی کا حساب وکتاب رکھنے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، چاہے رقم کے حساب وکتاب سے اُس کا تعلق ہو یا دارالعلوم دیوبند کے دفتر اہتمام سے ہو یا جمعیۃ علماء ہند سے ہو، یا دارالعلوم اور جمعیۃ کی کوئی چیز استعمال کرنے سے ہو، یا کوئی رقم طلبہ نے یا کسی اور نے آپ کے پاس رکھوائی ہو یا آپ نے کسی کو کوئی رقم دی ہو، یا گھریلو اعتبار سے کسی چیز کی خریداری ہوئی ہو یا منصور پور میں زمین کے تعلق سے کوئی معاملہ ہوا ہو، ایک ایک چیز تاریخ اور دستخط کے ساتھ لکھ کر رکھنا اور وصول یابی پر دوسرے کے بھی دستخط لینا یہ آپ ہی کا خاصہ تھا، بڑے سے بڑے حساب وکتاب کلکولیٹر کے بغیر چٹکیوں میں جوڑ لیتے تھے، جو لوگ کلکولیٹر سے حساب جوڑ کر آپ کے پاس لاتے تھے بعض مرتبہ وہ بھی اپنے حساب میں غلطی کر جاتے تھے۔ عام طور پر

لوگ حساب کرنے میں ایک دو روپیہ کو اہمیت نہیں دیتے یا تو چھوڑ دیتے ہیں یا پیسے ٹوٹے ہوئے نہ ہونے کی وجہ سے زائد لے لیتے ہیں؛ لیکن ہمیں یاد ہے کہ دادے ابا کی نظر ایک ایک پیسہ پر رہتی تھی، یعنی کوئی زائد پیسہ ہمارے پاس نہ آجائے اور کوئی زائد پیسہ دارالعلوم کے حساب سے چلا نہ جائے، دارالعلوم کے اہتمام سے کئی سال آپ وابستہ رہے، آج تک کوئی شخص آپ سے منسلک فائلوں میں یا آپ کے حساب میں ایک روپیہ کی ہیرا پھیری نہیں دکھا سکتا؛ بلکہ آپ کے مزاج کو دیکھ کر لوگوں کی ہیرا پھیری کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی، حساب وکتاب کے سلسلے میں آپ کا ایک خاص نظریہ تھا اور شاید یہی دارالعلوم کا اصول بھی ہے کہ جو کام ہونا ہے پہلے اُس کی منظوری لی جائے پھر اُس کام میں جتنا مٹیریل استعمال ہوگا اتنا ہی منگوایا جائے اُس سے زائد نہیں۔ اِس بات پر سخت ناراض ہوتے تھے کہ منظوری کے بغیر کوئی کام کرالیا جائے، پھر بعد میں حساب کا پرچہ سامنے لاکر رکھ دیا جائے، یا ضرورت سے زائد سامان منگوالیا جائے، پھر وہ سامان ادھر ادھر استعمال ہوجائے۔ (مفتی سید محمد ابوبکر صدیق منصور پوری اُستاذ مدرسہ حیات العلوم مرادآباد)

تحفظ ناموسِ صحابہؓ

اسی طرح ''دادے ابا'' کی عمر کے آخری حصہ میں خاندانِ منصور پور کے ایک فرد کی طرف سے صحابیِ رسول سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے ہفوات اور زبان درازی کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ دادے ابا ہی تھے جنھوں نے پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے بذات خود تن تنہا اس فتنہ سے مقابلہ کے لئے رات دن ایک کردیا، اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کی فکر اور مسلک ومشرب کی پوری ترجمانی کا حق اَدا کیا، کوئی رات ایسی نہیں گذرتی تھی جب وہ گھر میں رات کے ایک یا دو بجے سے پہلے داخل ہوئے ہوں، ''کورونا بیماری'' کے خوف کے باوجود کسی کے بلائے بغیر بذات خود تن تنہا بے خوف وخطر دور دراز علاقوں میں پہنچنا، لوگوں کو اکھٹا کرنا، حضرات صحابہ کرام اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے حوالے سے دارالعلوم دیوبند کے تعلق سے، اصلاح معاشرہ کے تعلق سے اپنی بات کہنا، پھر

ان کی بات سننا، اُن کے اعتراضات اور غلط فہمیوں کا جواب دینا، دیگر اساتذۂ دارالعلوم کو وہاں بلانے کے لئے لوگوں کو آمادہ کرنا، دارالعلوم دیوبند کے سچے خادم کی یہ ایسی عظیم خدمات ہیں جن کے بارے میں ہمیں اور آپ کو شاید آج پہلی مرتبہ علم ہو رہا ہو؛ لیکن اسی خاموشی اور خلوص وللّٰہیت پر مشتمل محنت نے بڑی بڑی باتیں بولنے والے لوگوں کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا، اور ایک بڑے فتنہ سے کافی حد تک حفاظت ہوگئی، فالحمدللہ۔

جو کام مخالف لوگ اتحاد کے نام پر بڑے زور وشور سے کر رہے تھے اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تعلق سے شکوک وشبہات لوگوں کے ذہن ودماغ میں ڈال رہے تھے، دادے ابا کی خاموش محنت نے ان سب کے ارادوں پر پانی پھیر دیا، اور ہم نوجوانوں کو یہ پیغام دیا کہ جس کے عقیدے میں کھوٹ پیدا ہو جائے چاہے اس سے رشتہ داری کا تعلق ہو یا کوئی اور تعلق ہو، ایسے موقع پر صحیح عقیدہ کا دفاع کرنا ہمارے ایمان کا اولیں فرض ہے، اور جہاں بات آجائے کسی صحابی کو صحابیت سے نکالنے؛ بلکہ نکالنے پر اصرار کی، جب کہ اُس کے صحابی ہونے پر صاف حدیثیں موجود ہوں، تو اس ایک صحابی کی صحابیت کو بچانے کے لئے ہماری اس مختصر سی زندگی کا جتنا بھی وقت لگ جائے کم ہے؛ تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر اور آپ کے جانثاروں کی عزت وعفت پر کوئی حملہ آور نہ ہو سکے، اور میدانِ حشر میں ان حضرات کے جھنڈے تلے تھوڑی سی جگہ مل جائے۔ (مفتی سید محمد ابوبکر صدیق منصور پوری)

بروقت اصلاح کی فکر

دادے ابا مرحوم کی ایک خاص بات یہ تھی کہ بروقت منکر پر نکیر فرمایا کرتے تھے، اور سامنے وہاں کے کوئی عالم یا مفتی موجود ہوں تو منکر پر نکیر کرتے ہوئے ان مفتی صاحب کی طرف بھی توجہ فرماتے؛ تاکہ ان کو بھی تنبیہ ہو، بے شمار پروگراموں میں دادے ابا کے ساتھ جانا ہوا، دینی اصلاحی یا مدرسہ کے پروگراموں میں کسی منکر کے بارے میں پتہ لگ جاتا تو اپنی تقریر میں ضرور اُس پر تنبیہ کرتے تھے؛ بلکہ پروگرام سے پہلے اگر کسی منکر کے بارے میں پتہ لگ جاتا تو

بعض مرتبہ پروگرام میں شریک ہوئے بغیر ہی واپس ہو جاتے تھے۔

ایک مرتبہ مظفر نگر کے قریب ایک مدرسہ کے سالانہ پروگرام میں جانا ہوا، مدرسہ والوں نے راستے میں دور دور تک خوب رنگ برنگی لائٹیں لگا رکھی تھیں، دادے ابا نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی مدرسہ کے ذمہ دار کو بلوایا اور سخت غصہ کا اظہار فرمایا کہ یہ لائٹیں اور قمقمے لگا کر آپ کیا دکھلانا چاہ رہے ہیں؟ یہ دینی پروگرام ہے یا میلہ لگا رکھا ہے؟ کیا یہ سب چیزیں فضول خرچی میں نہیں آئیں گی؟ آپ جیسے ذمہ دار لوگ فضول خرچی کریں گے تو عوام کو کون روکے گا؟ یہ سب کہہ کر گاڑی سے اُترے بھی نہیں اور پروگرام میں شریک ہوئے بغیر واپس ہو گئے۔

اسی طرح ایک دینی پروگرام میں اسٹیج پر تشریف فرما تھے، پروگرام سے پہلے طے ہو گیا تھا کہ کوئی ویڈیو گرافی وغیرہ نہیں ہوگی، اتفاق سے دادے ابا نے چپکے سے ویڈیو گرافی کرتے ہوئے دیکھ لیا، وہیں اسٹیج سے ڈرائیور کو فون کیا کہ گاڑی لے کر آؤ، سخت تنبیہ کرتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

اکثر دیکھا جاتا تھا کہ دادے ابا تقریر کے آغاز میں پہلے تصویر کشی کی حرمت بیان کرتے، پھر وہاں اسٹیج پر موجود علماء کے بارے میں کہتے کہ یہ سب لوگ بھی تصویر کو حرام کہتے ہیں؛ تاکہ علماء کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو، اور منکر کو دیکھنے کے باوجود خاموش رہنے پر اُن کی تنبیہ بھی ہو۔

(مفتی سید محمد ابوبکر صدیق منصور پوری)

نرالی سادگی

دادے ابا کی سادگی بھی نرالی تھی، اپنی ذات کے بارے میں بے فکر ہو کر زندگی گزاری، چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی آپ سے مل سکتا تھا، اپنے یہاں پروگرام میں بلا سکتا تھا، جہاں چاہے بلالو، جہاں چاہے بٹھا دو، جہاں چاہے سلا دو، جو چاہے کھلا دو، ایک حرف شکایت بھی زبان پر نہیں آسکتا تھا۔ بعض مرتبہ ہم لوگوں کو برا لگتا تھا کہ دادے ابا کو کہاں بٹھا دیا، ان کو وہ مقام نہیں دیا گیا جو دینا چاہئے تھا؛ لیکن دادے ابا کے چہرے پر ناگواری کا ذرہ برابر احساس ہی نہیں

ہوتا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دادے ابا کے دل میں کسی عہدے یا مقام کی خواہش ہی نہیں ہوتی، اور نہ کبھی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش کی؛ بلکہ کسی سے امید بھی نہیں رکھتے تھے کہ فلاں میرے ساتھ ایسا کرے، اپنا کام چاہے گھر کا ہو یا باہر کا خود کرنا پسند کرتے تھے، اپنی ٹوپی بنیائن وغیرہ دھونا ہو تو خود ہی دھو لیتے تھے، رات بے رات یا دوپہر میں چائے کی خواہش ہوتی تھی تو خود ہی چائے بنا کر پی لیتے تھے۔

سادگی کا یہ عالم تھا کہ دارالعلوم کا دربان بھی دعوت کر دیتا تو اس کی بھی دعوت قبول فرما لیتے، دلی سے دیوبند کے راستے میں کتنی جگہیں ایسی تھیں جہاں آپ پہلے سے اطلاع کئے بغیر تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے، تو ان لوگوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا تھا۔

(مفتی سید محمد ابوبکر صدیق منصور پوری)

اَمیر الہندؒ ایک ولی کامل کی نظر میں

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ فرشتہ صفت انسان تھے، تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی ان کی روحانی غذا تھی، تعلیم وتدریس وعظ وتبلیغ، بیعت وارشاد، پڑھنا پڑھانا، چلنا پھرنا صرف اور صرف خدا کی رضا کے لئے تھا۔ دولت، عزت، شہرت، اقتدار سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔

۱۹۹۴ء کی بات ہے راجستھان کے شہر جودھپور میں اصلاحِ معاشرہ کے عنوان سے ایک عظیم الشان اجلاس کا انعقاد کیا گیا، جس میں حضرت قاری صاحب باندویؒ کو مدعو کیا گیا اور دارالعلوم دیوبند سے حضرت امیر الہند قاری صاحبؒ اور راقم السطور کو دعوت دی گئی، اسٹیج پر حضرت باندویؒ سے ملاقات ہوئی، سلام وکلام کے بعد حضرت باندویؒ نے امیر الہندؒ سے فرمایا کہ ''قاری صاحب! میں آپ سے خدا کے واسطے محبت کرتا ہوں؛ کیوں کہ آپ کی تحفظ ختم نبوت کی محنت کی وجہ سے بہت سارے مسلمان ارتدادی فتنہ سے محفوظ ہو رہے ہیں اور میں آپ کے بیٹے مفتی محمد سلمان سے بھی محبت کرتا ہوں''۔ اس پر امیر الہند قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت

وہاں بھی محبت کیجئے گا۔ اس پر حضرت باندویؒ نے جواباً حضرت امیر الہند قاری صاحبؒ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''ضرور اِن شاء اللہ!''

اس سفر میں داعی حضرات نے حضرت امیر الہند قاری صاحبؒ کے ہمراہ ایک ہی کمرہ میں ہمارے قیام کا بھی نظم کر دیا سچ پوچھو تو ہم کو ساری رات بے چینی الجھن رہی، بستر پر الٹتا پلٹتا رہا، ؛ مگر اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ابھی ایک بجے رات میں پروگرام سے فارغ ہو کر آنے والا ڈھائی بجے رات میں مصلے پر عبادت کے لئے سوار ہے ان کی برکت سے اس گنہگار کو بھی چند رکعات نماز پڑھنے کی توفیق ملی۔ اللہ قبول و منظور فرمائیں، آمین۔

خلوص کا لفظ آج کی فلوس والی دنیا میں اجنبی سا لگنے لگا ہے۔ مگر امیر الہند قاری صاحبؒ کے ساتھ سفر و حضر میں اس کی گرمی محسوس ہو جاتی تھی۔ (مولانا محمد عرفان قاسمی بہرائچی مبلغ دار العلوم دیوبند)

اَمیر الہند اور نیک کاموں کی حرص

اسی سال رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کے پہلے عشرہ میں دار العلوم دیوبند کے دفتر محاسبی کے انچارج جناب نیر عثمانی صاحب کے پاس میرا ذاتی کام کے لئے جانا ہوا، دورانِ گفتگو اُنہوں نے سوال کیا کہ مولانا صاحب یہ بتلایئے کہ:

> ''میں حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری معاون مہتمم دار العلوم دیوبند کو دیکھتا ہوں کہ وہ میت کی نماز جنازہ میں شریک ہو کر جنازہ کے ساتھ قبرستان پابندی کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں اور تدفین کے بعد قبرستان سے واپس آتے ہیں۔ بعض دفعہ سخت دھوپ و بارش کی بوندا باندی کی وجہ سے چھاتہ بھی ساتھ لے جاتے ہیں، آخر وہ اتنا اہتمام کیوں کرتے ہیں''؟

میں نے جواب دیا کہ: ''دیکھو ویسے تو حرص بری چیز ہے، خواہ مال کی حرص، دنیا کی حرص، شہرت کی حرص مت کرو، اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے؛ دنیوی معاملات میں قناعت اختیار کرنے کا حکم ہے؛ لیکن دین کے کاموں میں، اچھے اعمال میں، عبادات میں حرص کرنا اچھی

چیز ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

ایک مرتبہ سیدنا حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انھوں نے ان کو یہ حدیث سنائی، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی نماز جنازہ میں شریک ہو تو اس کو ایک قیراط اَجر ملتا ہے اور اگر اس کے دفن میں بھی شریک رہے تو اس کو دو قیراط ملتے ہیں'' قیراط اس زمانہ میں سونے کا ایک مخصوص وزن ہوتا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھانے کے لئے قیراط کا لفظ بیان فرمایا۔ پھر خود ہی فرمایا: کہ آخرت کا وہ قیراط اُحد پہاڑ سے بڑا ہوگا۔ بہرحال سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب یہ حدیث سیدنا حضرت ابوہریرہؓ سے سنی تو فرمایا: افسوس! ہم نے اب تک بہت سے قیراط ضائع کر دیے۔اگر پہلے سے یہ حدیث سنی ہوتی تو ایسے مواقع کبھی ضائع نہ کرتے۔(بخاری شریف)

میں نے اس حدیث شریف کی روشنی میں نیر عثمانی صاحب اور دفتر محاسبی کے لوگوں سے عرض کیا کہ بھائی حضرت قاری صاحبؒ کو معلوم ہے اس لئے وہ خوب خوب نیکیاں جمع کر رہے ہیں۔ جناب نیر عثمانی صاحب نے کہا کہ آج پوری بات معلوم ہوئی۔ میں سوچتا تھا کہ حضرت قاری صاحبؒ نمازِ جنازہ و تدفین میں شرکت کا اس قدر اہتمام کیوں کرتے ہیں۔اس گفتگو کے ایک ماہ بعد ہی حضرت قاری صاحبؒ اللہ کو پیارے ہوگئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے آخرت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں، آمین۔(مولانا محمد عرفان قاسمی بہرائچی)

اتباعِ سنت

حقیقت یہ ہے کہ اتباعِ سنت کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، ہمارے اکابر اور بزرگانِ دین کا کہنا ہے کہ ہمیں جو کچھ بھی حاصل ہوا اتباعِ سنت سے حاصل ہوا، اسی لیے کہا گیا ہے کہ: ''اَلاِسْتِقَامَةُ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ كَرَامَةٍ'' (یعنی دین پر ثبات قدمی اور اتباعِ سنت ہزار کرامتوں

اور خارق عادت چیزوں سے افضل ہے) حضرت استاذ مکرم رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کی کتابِ زندگی کا بھی ایک روشن ورق اپنی چال ڈھال، رفتار و گفتار، لباس و پوشاک، خورد ونوش اور عبادات، معاملات، معاشرت واخلاق وغیرہ میں ''اتباعِ سنت'' ہے، دیگر جتنی بھی صفات آپ کے اندر موجود تھیں، وہ سب اسی ایک اہم صفت ''اتباعِ سنت'' کا پرتو تھیں، مثلا: غصہ آپ کو دیر سے آتا اور جلد ہی اُتر جاتا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں بیان فرمائیں، نیز ارشاد فرمایا: ''أَلاَ إِنَّ خَيْرَ الرِّجَالِ مَن كانَ بَطِيْءَ الْغَضَبِ سَرِيْعَ الرِّضَا وَشَرَّ الرِّجَالِ مَنْ كانَ سَرِيعَ الْغَضَبِ بَطِيْءَ الرِّضَا''. (المسند للإمام أحمد ۲۲۸/۱۷ رقم: ۱۱۱۴۳، سنن الترمذي / أبواب الفتن رقم: ۲۱۹۱) یعنی غصہ کرنے والوں میں سب سے اچھا آدمی وہ شخص ہے جس کو غصہ دیر میں آئے اور جلدی چلا جائے اور سب سے برا وہ شخص ہے جس کو غصہ جلدی آئے اور دیر سے جائے، جلدی سے جانے کا نام نہ لے۔ ہمارے حضرت قاری صاحبؒ اس حدیث شریف کی روشنی میں یقیناً ''خیر الرجال'' (بہترین انسان) اور پورے طور پر سنت پر عامل تھے۔

اسی طرح راہ چلتے آپ کی کمر میں ہلکا سا خم ہوتا، یہ عادت بھی سنت کے اتباع میں تھی۔ چناں چہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''كانَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إِذَا مَشىٰ تَكَفَّأَ تَكَفُّؤًا كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ''. (شمائل ترمذي / باب ماجاء في مشية رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رقم: ۱۱۸) یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال میں آگے کو جھکاؤ ہوتا تھا، گویا آپ بلندی سے نیچے اُتر رہے ہیں۔

غرض کہ جب آپ کی زندگی کے احوال اور مصروفیات پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ خود کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسنت کے رنگ میں رنگنے کے لیے کوشاں اور فکرمند رہا کرتے تھے۔ (مولانا مفتی ابوجندل قاسمی شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفرنگر یوپی)

ذوقِ نظافت ونفاست

اسلام میں صفائی ستھرائی کی بڑی اہمیت ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”إِنَّ اللّٰہَ نَظِیْفٌ یُحِبُّ النَّظَافَۃَ“. اللہ تعالیٰ نظیف ہیں، نظافت کو پسند فرماتے ہیں۔ (ترمذی شریف، حدیث ۲۷۹۹) حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو اتباعِ سنت کا یہ جذبہ بھی کما حقہ آپ کے اندر پاتے ہیں، نظافت اور صفائی ستھرائی آپ کی طبیعت بن گئی تھی، ہر کام میں نفاست اور عمدگی پسند تھی، لباس میں آپ کا ذوق نہایت اعلیٰ اور نفیس تھا کہ کپڑے پر ادنیٰ سا دھبہ بھی برداشت نہ تھا، طبیعت کی نفاست کی وجہ سے موسم گرما میں دن میں کئی دفعہ غسل فرماتے، تاکہ بدن میں معمولی سی بھی بو نہ آئے، مہمانوں کے لیے جب کھانے کے لیے دسترخوان بچھتا تو اکثر دسترخوان کے نیچے الگ سے ایک چادر بچھائی جاتی، تاکہ سالن وغیرہ کے دھبّے اصل چادر کو گندا نہ کردیں، معیاری اور عمدہ قسم کا عطر لگانے کا التزام فرماتے، بالخصوص درس اور دیگر مجلسوں میں تشریف لے جاتے وقت وضو اور عطر کا اہتمام فرماتے۔ (مولانا مفتی ابوجندل قاسمی)

ضیاعِ وقت سے احتیاط

اس کامل ومکمل دین میں وقت کی بہت زیادہ اہمیت ہے، عربی کا ایک مقولہ مشہور ہے: ”اَلْوَقْتُ أَثْمَنُ مِنَ الذَّھَبِ“ (وقت سونے چاندی سے بھی زیادہ قیمتی ہے) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْھِمَا کَثِیْرٌ مِنَ النَّاسِ اَلصِّحَّۃُ والْفَرَاغُ“. یعنی دو عظیم نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکہ کھائے ہوئے ہیں: (۱) تندرستی (۲) فراغت یعنی فرصت کے لمحات۔ (بخاری شریف/کتاب الرقاق ۹۴۹/۲ حدیث: ۶۴۱۲، ترمذی شریف/ابواب الزہد ۵۶/۲ حدیث: ۲۲۹۷)

دنیا کے کاموں میں تو لوگ ان دونوں نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، صحت کے وقت میں خوب محنت کرتے ہیں اور فرصت کے اوقات سے خوب فائدہ حاصل کرتے ہیں، مشغولیت کے زمانے کا خیال کرکے پہلے ہی کاموں کو نمٹاتے ہیں، مگر دین کے تعلق سے اور آخرت کی تیاری کے معاملے میں اس کا خیال نہیں کرتے؛ بلکہ معاملہ اُلٹا ہوجاتا ہے، تندرستی اور فرصت کے

زمانے کو ضائع کر دیتے ہیں اور پھر جب مشغولیت کا زمانہ آتا ہے تو کفِ اَفسوس ملتے ہیں۔

لیکن حضرت استاذ مکرم رحمہ اللہ چوں کہ ''عامل بالسنۃ'' تھے، اس لئے اس حدیث شریف کے پیشِ نظر ہمہ وقت کام میں لگے رہنا اور کام میں لگے ہوئے افراد سے خوش ہونا آپ کا خاص مزاج تھا، فضول مشاغل اور بے فائدہ مصروفیات سے آپ کی زندگی بالکل پاک تھی، وقت کی قدر دانی آپ کی طبیعت بن گئی تھی، آپ اپنی زندگی کے لمحے لمحے کو کسی نہ کسی علمی و عملی کام میں گزارنا پسند فرماتے تھے، عصر کے بعد کا وقت بھی (جو علماء کے طبقہ میں عموماً فارغ ہوتا ہے) حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے لئے مہمانوں اور ملاقاتیوں کے علاوہ گھر کے اندر مطالعۂ کتب یا کسی دوسرے ضروری کام میں مصروفیت کا ہوتا تھا۔ (مولانا مفتی ابوجندل قاسمی)

صفائی معاملات

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی میں معاملات کی صفائی کا اہم وصف بھی نمایاں تھا، کبھی کسی نے آپ کو کسی کے ساتھ بدمعاملگی کرتے نہیں دیکھا، بلکہ معاملات کی صفائی پر زور دیتے، اپنے متعلقین کو اس کی ہدایت فرماتے، مجلس تحفظ ختم نبوت دار العلوم دیوبند کے نائب ناظم مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری زید مجدہم نے بتایا کہ مجلس کے حوالے سے کوئی معمولی سا بھی صرفہ ہوتا تو باقاعدہ تاریخ سمیت بل بنواتے اور حساب کتاب بالکل صاف رکھتے، مولانا موصوف نے مجھ سے ایک دفعہ کہا کہ: حضرت قاری صاحبؒ کی معاملات کی صفائی کے پیشِ نظر بیعت کے لیے میرا قلبی رجحان حضرتؒ کی طرف تھا، لیکن ختم نبوت کے کام کی وجہ سے (کہ اُس میں بسا اوقات حضرتؒ کی رائے کے خلاف مشورہ دینا پڑتا تھا) میں بیعت نہیں ہوا۔

بہت سے طلبہ اپنی رقم حضرت رحمہ اللہ کے پاس جمع کرتے، اس جمع شدہ رقم کے حوالے سے آپ کا معاملہ احتیاط کا نمونہ ہوتا تھا، وفات کے بعد آپ کے کاغذات میں ایسے بہت سے لفافے ملے جن میں اسی طرح کی رقم کی تفصیلات تاریخ وار درج ہیں، مثلاً: فلاں طالب علم نے اتنی رقم فلاں تاریخ میں جمع کی، فلاں فلاں تاریخ میں اتنے پیسے لیے اور اب اتنی رقم باقی ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کے ایک مسترشد مولانا فریدالدین صاحب بھاگلپوری لکھتے ہیں کہ: ''۲۰۱۹ء میں حضرت نور اللہ مرقدہ پورنیہ بہار تشریف لائے تھے، اس موقع پر میں بھی حضرتؒ سے ملاقات کے لیے پورنیہ گیا، میں حضرتؒ کی خدمت کررہا تھا، اسی دوران ایک صاحب حضرتؒ سے ملنے کے لیے آئے اور کہا کہ: حضرت مجھے پہچانتے ہیں؟ حضرتؒ نے نام پوچھا، انہوں نے ''محمود'' نام بتایا، حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے فوراً پہچان لیا اور فرمایا: بھائی جب تم دیوبند سے گھر آئے تو پھر کبھی دیوبند نہیں آئے، تم میرے پاس خرچ کے لیے رقم جمع کرتے تھے، اس میں سے کچھ پیسے باقی ہیں، وہ اپنی باقی رقم لے لو، واضح رہے کہ امانت جمع کرنے کا یہ واقعہ تقریباً سترہ سال پہلے کا ہے، اللہ اکبر۔ (مولانا مفتی ابوجندل قاسمی)

زبان کی حفاظت

حضرت استاذ مکرم رحمہ اللہ کی ایک امتیازی صفت یہ تھی کہ آپ اپنی زبان کو حددرجہ محتاط رکھتے، آپ برائی کے ساتھ نہ کسی فرد و جماعت کا ذکر کرتے اور نہ سنتے، کسی مخالف کے لیے بھی تہذیب سے گری ہوئی کوئی بات آپ سے نہیں سنی گئی، سفر میں اکثر کتابوں اور رسائل کے مطالعہ میں یا قرآن کریم کی تلاوت میں مشغولیت رہتی، فضول، لایعنی اور بے فائدہ گفتگو سے آپ کی زندگی قطعاً پاک تھی، گویا آپ کی زندگی ارشاد مبارک ''مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ''. (صحيح البخاري / كتاب الأدب رقم: ٦٠١٨، صحيح مسلم / كتاب الإيمان رقم: ٤٧) اور ''مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْأِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ''. (سنن الترمذي / أبواب الزهد رقم: ٢٣١٧) کا مکمل مصداق تھی، احباب کے ساتھ نشست و برخاست اور مجلس سجانا یا وقت گذاری کے لیے کہیں بیٹھنا آپ کی عادت نہیں تھی۔ (مولانا مفتی ابوجندل قاسمی)

تکلیف دہی سے اجتناب

حدیث شریف میں کامل مسلمان اس شخص کو کہا گیا ہے جو اپنی زبان وغیرہ یا اپنے کسی عمل سے کسی بھی انسان کی تکلیف کا باعث نہ بنے۔ (صحیح بخاری ۱/۶، حدیث: ۱۰، عن عبداللہ بن عمروؓ)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کا قول کہیں پڑھا ہے کہ: ''اگر کوئی شخص مجھ سے آکر یہ کہہ دے کہ میں کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا، تو میں اس کو ولایت کی سند دے دوں گا''۔ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے اندر کسی دوسرے کو تکلیف نہ دینے کا بلکہ آرام پہنچانے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، جس کا مشاہدہ بارہا ہوا۔

نظم ونسق اور اُصول پسندی

آپ اسوۂ نبوی کے مطابق عہدہ طلبی سے ہمیشہ دور رہے، مگر دارالعلوم دیوبند سے پہلے دیگر اداروں میں یا دارالعلوم میں جو بھی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی اس کو اللہ تعالی کا فیصلہ سمجھ کر قبول کیا اور اس میں حتی الامکان کسی قسم کی کوتاہی روا رکھے بغیر آپ نے اپنی شاندار انتظامی صلاحیتوں اور مؤمنانہ فراست ودانش مندی کے ذریعے اُن اداروں کو خوب فائدہ پہنچایا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

''ہم دارالعلوم کے خادم اور ملازم ہیں، اس لیے ادارے کی طرف سے جو کام بھی ہم کو دیا جائے گا وہ ہمیں بہرحال کرنا ہے''، ظن غالب بلکہ یقین ہے کہ آپ دارالعلوم ودیگر اداروں کی خدمت عبادت سمجھ کر انجام دیتے تھے، آپ کو مبدأ فیاض سے حسنِ انتظام اور نظم ونسق کی اعلیٰ صلاحیت عطا ہوئی تھی، کسی بھی معمولی یا غیر معمولی کام میں بے اُصولی، بے ترتیبی اور کام کو وقت سے ٹالنے کے سخت مخالف تھے، آپ تمام امور مفوضہ کو مدرسہ کے دستور، مجلس شوریٰ کی تجاویز اور مقررہ اصول وضوابط کی روشنی میں پوری دیانت داری نیز مستعدی کے ساتھ بحسن وخوبی انجام دیتے تھے۔ آپ کی انتظامی لیاقت اور اصول پسندی کی صفت کا ہر شخص معترف ہے۔

دخل اندازی سے پرہیز

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی ایک عمدہ اور لائق تقلید عادت یہ بھی تھی کہ آپ اپنے کام سے کام رکھتے، دوسرے سے متعلق ذمہ داری میں دخل نہ دیتے اور جو کام اپنے سے متعلق ہوتا اس کو

پوری لگن وتن دہی کے ساتھ نیز کسی ادنیٰ فروگذاشت کے بغیر انجام دیتے اور اپنے متعلقین کو بھی اس بات کی تاکید فرماتے، بندے کی ایک دفعہ خدمت میں حاضری کے موقع پر یہی نصیحت فرمائی اور امروہہ کے زمانۂ تدریس کا اپنا ایک واقعہ سنایا، فرمایا کہ: ''جب میں امروہہ میں مدرس تھا تو بسا اوقات ذمہ داران مدرسہ میرا مشورہ نہیں مانتے تھے، ایک مرتبہ امروہہ سے دیوبند آیا، حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ سے ملاقات کے لیے مسجد قدیم کے بائیں جانب اُن کے کمرے میں حاضری ہوئی، میرے ذہن میں ذمہ داران کی طرف سے یہی کھٹک تھی، میں جا کر بیٹھ گیا، کچھ دیر کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ذمہ داران مدرسہ اگر کوئی مشورہ طلب کریں تو دینا چاہیے، از خود کوئی مشورہ دینا مناسب نہیں، پھر وہ مانیں یا نہ مانیں اپنے کام میں لگنا چاہیے، ہمیں اپنی ذمہ داری ادا کرنی چاہیے، دوسرے کے کام میں دخل دینا اچھا نہیں، اوکما قال''۔ اس کے بعد حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''اس کو کیا کہا جائے گا، کرامت ہی کہہ سکتے ہیں''۔

دارالعلوم دیوبند کے بعض اساتذۂ کرام نے بندے سے بیان کیا کہ: لاک ڈاؤن کے دوران تمام ہی اساتذہ حصن حصین کے ختم کے لیے ہر روز دفتر اہتمام حاضر ہوتے، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ بھی تشریف لاتے اور نہایت وقار وسنجیدگی کے ساتھ بیٹھے رہتے، کوئی مشورہ آپ سے طلب کیا جاتا تو بولتے ورنہ خاموش رہتے۔ (مولانا مفتی ابوجندل قاسمی)

دو اہم نصیحتیں

۲۰۰۹-۲۰۱۰ء میں ہم لوگ دارالعلوم دیوبند میں تکمیلِ افتاء کی جماعت میں تھے، امتحان سالانہ کے بعد میرا تقرر دارالعلوم حیدرآباد میں ہوا، اس موقع پر اپنے اساتذہ سے ملاقات کی، تاکہ انہیں اطلاع دے کر دعائیں لوں؛ پتہ نہیں اب اس دیار میں واپسی کا موقع ملتا بھی ہے یا نہیں۔

ایک دن مغرب کی نماز کے بعد، مسجد چھتہ سے متصل کمرے میں حضرت الاستاذ مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ سے ملاقات کی اور انہیں حیدرآباد میں تقرر کی خبر

سنائی، حضرت خوش ہوے، دعائیں دیں، ادارہ کو سراہا اور دو اہم نصیحتیں کیں:

(۱) محتاج الیہ بننے کی کوشش کیجئے:- فرمایا: جب کسی فاضل کا کسی ادارہ میں تقرر ہوتا ہے تو ادارہ کو استاذ کی اور استاذ کو ادارہ کی ضرورت ہوتی ہے؛ مگر غور کرو تو استاذ کی ضرورت زیادہ ہے؛ کیوں کہ فضلا بہت ہیں اور معتبر ادارے کم؛ لیکن جب استاذ اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو اخلاص، لگن اور ایمانداری کے ساتھ ادا کرتا ہے تو آہستہ آہستہ وہ ادارے کا ایسا رکن بن جاتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بغیر ادارہ ناقص ہے؛ اس لیے کوشش کیجیے کہ آپ بھی محنت سے ادارہ کے لیے محتاج نہ رہ کر محتاج الیہ بن جائیں۔

(۲) لاتنازع الامر اہلہ:- فرمایا: انتظام اور خدمت دو الگ الگ شعبے ہیں اور دونوں کے تقاضے الگ ہیں، آپ ادارے کے خادم ہیں منتظم نہیں؛ اس لیے کسی مسئلے میں ادارہ کے فیصلے پر اعتراض یا تبصرہ بازی سے گریز کیجیے، اس کا نقصان آپ کو ہوگا، ہاں اگر آپ کی حیثیت ایسی ہوگئی ہے کہ آپ کے کہنے سے ادارہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرسکتا ہے تو صحیح اسلوب میں، براہ راست منتظم یا مہتمم کو اپنی بات کہنے میں کوئی حرج نہیں، بے فائدہ گروپ بازی اور تبصرہ بازی کے ساتھ، آدمی صحیح طریقے پر خدمت نہیں کرسکتا۔ مزید فرمایا: عام طور پر تنخواہ اور کتابوں کو لے کر اساتذہ تبصرہ بازی کرتے ہیں، جو بھی تنخواہ ہو اس پر قناعت کریں اور برکت کی دعا کریں اور جو بھی کتاب ملے پڑھائیں، کبھی بھی بڑی کتاب کا مطالبہ نہ کریں، یہ علم میں اضافہ سے مانع بن جاتا ہے اور اکابرین کی روش کے بھی خلاف ہے۔

اس کے بعد حضرت نے دعائیں دے کر رخصت کیا۔ آج حضرت بھی ہم سے رخصت ہوئے۔ (مولانا مفتی محمد نوشاد نوری قاسمی دارالعلوم وقف دیوبند)

ماٰخذ ومراجع

(اس کتاب کی ترتیب وتالیف میں درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے، مرتب)

۱	القرآن الکریم	ترجمہ: حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ	مجمع الملک فہد مدینہ منورہ
۲	القرآن الکریم	ترجمہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	فرید بک ڈپو دہلی
۳	صحیح البخاری	الامام ابومحمد بن اسمٰعیل بن بردزبۃ البخاریؒ (م۲۲۶ھ)	مکتبہ الاصلاح لالباغ، مرادآباد
۴	صحیح مسلم	الامام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ (م۲۶۱ھ)	مختار اینڈ کمپنی دیوبند
۵	جامع الترمذی	الامام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ	مختار اینڈ کمپنی دیوبند
۶	شمائل ترمذی	الامام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ	مختار اینڈ کمپنی دیوبند
۷	سنن ابی داؤد	الامام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ (م۲۷۵ھ)	اشرفی بکڈپو دیوبند مرقم: دارالفکر بیروت
۸	سنن ابن ماجہ	الامام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (م۲۷۵ھ)	اشرفی بک ڈپو دیوبند دارالفکر بیروت
۹	مسند امام احمد بن حنبل (تحقیق: احمد محمد شاکر)	الامام احمد بن محمد بن حنبلؒ (م۲۴۱ھ)	دارالحدیث القاہرہ
۱۰	شعب الایمان	الامام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ (م۴۵۸ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت،
۱۱	مشکوۃ المصابیح	الامام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزیؒ	اشرفی بک ڈپو دیوبند
۱۲	الجامع لاحکام القرآن	الامام ابوعبداللہ محمد بن احمد الاندلسی القرطبیؒ (م۶۶۸ھ)	دارالفکر بیروت

۱۳	الترغیب والترہیب	الحافظ ذکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذریؒ (م ۶۵۶ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۴	مجمع الزوائد	الحافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ)	دارالکتاب العربی بیروت
۱۵	الصواعق المحرقہ	العلامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمیؒ (م ۹۷۴ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۶	کتاب الزہد	شیخ الاسلام عبداللہ بن المبارک المروزیؒ (م ۱۸۱ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۷	عقود الجمان	العلامہ محمد بن یوسف الصالحی الشافعیؒ (م ۹۴۲ھ)	مکتبۃ الایمان مدینہ منورہ
۱۸	احیاء العلوم	حجۃ الاسلام امام غزالیؒ	نول کشور لکھنؤ
۱۹	العلم والعلماء	ابوبکر جابر الجزائری (مدینہ منورہ)	دارالشروق مدینہ منورہ
۲۰	الرقۃ والبکاء	ابن ابی الدنیا	دارابن حزم بیروت
۲۱	ذم الدنیا	ابن ابی الدنیا	مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت
۲۲	کتاب القناعۃ	ابن ابی الدنیا	مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت
۲۳	فتح الملہم شرح مسلم	العلامہ شبیر احمد العثمانی	مکتبہ رشیدیہ کراچی
۲۴	معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ	معراج بکڈپو، دیوبند
۲۵	جامع العلوم والحکم	علامہ ابن رجب حنبلیؒ	دارالکتب العلمیہ
۲۶	مختصر جامع بیان العلم	علامہ ابن عبدالبرؒ	مکتبۃ التجاریہ مکہ معظّمہ
۲۷	مذاق العارفین	مولانا محمد احسن صدیقی نانوتویؒ	مطبع تیج کمار، لکھنؤ
۲۸	بیس بڑے مسلمان	مولانا عبدالرشید ارشد	مکتبہ رشیدیہ، لاہور
۲۹	ارواح ثلاثہ	مولانا امیر علی صاحب	مکتبہ نعیمیہ دیوبند
۳۰	میرے والد میرے شیخ	مولانا محمد تقی عثمانی	مکتبہ نعمانیہ دیوبند
۳۱	تذکرۃ الرشید	مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ	مکتبہ خلیلیہ سہارن پور

۳۲	حکیم الامتؒ کے حیرت انگیز واقعات	مولانا اسحٰق صاحب ملتانی	عظیم بکڈپو دیوبند
۳۳	اصلاحی خطبات	مولانا محمد تقی عثمانی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
۳۴	شیخ الاسلامؒ کے حیرت انگیز واقعات	مولانا ابوالحسن بارہ بنکوی	مکتبہ دینیہ دیوبند
۳۵	تاریخ مشائخ چشت	حضرت شیخ الحدیثؒ	مکتبہ یحیوی سہارن پور
۳۶	حضرت شیخ الحدیثؒ اوران کے خلفاء کرام	مرتب: مولانا عبدالرحیم متالا	دارالعلوم بری لندن
۳۷	ملفوظات شیخؒ	حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہٗ	سہارن پور
۳۸	ملفوظات فقیہ الامتؒ	مولانا محمد مسعود صاحب وغیرہ	کتب خانہ محمودیہ میرٹھ
۳۹	آپ بیتی	حضرت شیخ الحدیثؒ	یحیوی سہارن پور
۴۰	الحزب الاعظم	ملا علی قاریؒ	فرید بکڈپو
۴۱	العلم والعلماء	افادات تھانوی، مرتبہ: مولانا محمد زید مظاہری ندوی	ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون
۴۲	تراشے	مولانا محمد تقی عثمانی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
۴۳	مناجات مقبول	مرتبہ: حضرت تھانویؒ	فرید بکڈپو دہلی
۴۴	ماہنامہ ندائے شاہی		
۴۵	ماہنامہ ''حق نوائے احتشام'' کراچی	مرتبہ: مولانا محمد صدیق ارکانی	جامعہ احتشامیہ کراچی
۴۶	ماہنامہ پیغام محمود دیوبند (صدیق نمبر)	مرتبہ: مولانا محمد طیب صدیقی	دیوبند

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

مرتب کی علمی کاوشیں

سیرتِ طیبہ:

❑ نعت النبی ﷺ نمبر (ماہنامہ ندائے شاہی):

۶۵۸ رصفحات پر مشتمل اس ضخیم نمبر میں علماء دیوبند اور ان کے ہم مشرب شعراء کی حمد ونعت اور منقبت پر مشتمل ۵۳۸ رنظمیں (عربی، فارسی اور اُردو) نہایت خوبصورتی سے جمع کردی گئی ہیں، بفضلہٖ تعالیٰ اس مجموعہ کے مطالعہ سے قارئین کے قلوب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت سے معمور ہورہے ہیں، عشاقِ رسول کے لئے یہ ایک قیمتی سوغات ہے۔

❑ شمائلِ رسول:

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شمائل طیبہ سے متعلق ۴۰ راَحادیث کا جیبی سائز مختصر مجموعہ ہے، اُردو ترجمہ مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری زید علمہ نے کیا ہے، یہ رسالہ بار بار چھپ چکا ہے، اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔

❑ خطباتِ سیرتِ طیبہ:

سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے مختلف گوشوں پر دس خطبات کا یہ مجموعہ خاص طور پر نوجوانوں اور عام مسلمانوں کے لئے شائع کیا گیا ہے، یہ خطبات مرادآباد کی ''مسجد ابراہیمی'' محلّہ کسرول میں بالترتیب دس روز تک جاری رہے، بعد میں انہیں کتابی شکل دے دی گئی۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ گھروں میں اس کی تعلیم ہو؛ تاکہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کے متعلق اہم معلومات مسلم معاشرہ کو حاصل ہوں۔ الحمدللہ یہ کتاب متعدد بار چھپ چکی ہے، نیز ہندی زبان میں بھی اس کی اشاعت ہوچکی ہے۔ صفحات: ۲۴۰

❑ مسک الختام فی الصلوٰۃ علی خیر الانام:

اس رسالہ میں اولاً درود شریف کے مختصر فضائل جمع کئے گئے ہیں، بعد ازاں اَحادیثِ شریفہ اور سلفِ صالحین سے منقول درود شریف کے چالیس منتخب اور پسندیدہ کلمات یکجا کر دئے گئے ہیں، اور اخیر میں چند مقبول دعائیں بھی درج ہیں، جن کی قبولیت کی بہت امید ہے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ تمام عربی عبارتوں کا سلیس اور عام فہم ترجمہ بھی کیا گیا ہے؛ تاکہ عوام کے لئے سہولت ہو۔ جیبی سائز، صفحات:۱۰۴، عام قیمت: ۵۰/ روپے،

فقہ وفتاویٰ:

❑ فتاویٰ شیخ الاسلام:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی علمی اور فقہی آراء اور مکتوبات کا یہ مرتب مجموعہ بالخصوص فقہ وفتاویٰ کے شائقین کے لئے گراں قدر تحفہ ہے۔ ہر مسئلہ حوالہ جات سے مزین ہے، اور نادر علمی نکات، فقہی تحقیقات اور قیمتی اِفادات کو بہت سلیقہ اور عمدگی سے مرتب کیا گیا ہے، یہ کتاب ہندوستان کے علاوہ پاکستان میں بھی شائع ہو چکی ہے۔

صفحات:۲۵۱، ناشر: مکتبہ دینیہ دیوبند

❑ الفہرس الحاوی علی حاشیۃ الطحطاوی:

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح'' کی تفصیلی فہرست تیار فرمائی تھی، اُسی کو مختلف نسخوں سے ملا کر مرتب نے بہت اچھے انداز میں شائع کیا ہے، جس کی بنا پر اِس کتاب سے استفادہ بہت آسان ہو گیا ہے۔ حضرات اہل علم وطلبۂ اِفتاء بطور خاص اِس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

❑ کتاب المسائل (پانچ جلدیں، کتاب الطہارت تا کتاب النفقات):

واقعہ یہ ہے کہ مسائل کا یہ مجموعہ ہر مسلمان گھرانے کی دینی ضرورت ہے، اور عوام وخواص

سب کے لئے یکساں طور پر مفید ہے، اور چوں کہ ہر مسئلہ کے ساتھ اصل فقہی عبارات مذکور ہیں؛ اس لئے یہ کتاب حضراتِ علماء کرام اور مفتیانِ عظام کے لئے اصل ماٰخذ سے مراجعت میں سہولت کا ذریعہ بھی ہے۔ کتاب کی اصل افادیت کا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے، اس منصوبہ پر آگے بھی کام جاری ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

صفحات جلدِ اول: ۵۹۰، جلدِ ثانی: ۳۵۲، جلدِ ثالث: ۵۲۸، جلدِ رابع: ۳۲۸، جلدِ خامس: ۵۱۲

❑ کتاب النوازل (۱۹/جلد):

یہ کتاب مرتب کے اُن فتاویٰ کا منتخب مجموعہ ہے، جو دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد سے گذشتہ پچیس سالوں میں جاری ہوئے ہیں۔ ترتیب وتحقیق کا کام جناب مولانا مفتی محمد ابراہیم قاسمی سلمہ نے انجام دیا ہے۔ فتاویٰ کی زبان نہایت آسان اور اُسلوب دل نشیں ہے، اور ہر فتویٰ معتبر حوالہ جات سے بھرپور مزین ہے۔ ۱۹/جلدیں شائع ہوچکی ہیں، جن میں طہارت سے لے کر فرائض تک کے مسائل جمع ہوگئے ہیں۔

صفحات جلدِ اول: ۶۸۸، صفحات جلدِ دوم: ۵۶۰، صفحات جلدِ ثالث: ۶۴۸، صفحات جلدِ رابع: ۶۳۲، صفحات جلدِ خامس: ۵۷۶، صفحات جلدِ سادس: ۶۲۴، صفحات جلدِ سابع: ۶۴۰، صفحات جلدِ ثامن: ۵۷۶، صفحات جلدِ تاسع: ۶۰۸، صفحات جلدِ عاشر: ۵۴۴، صفحات جلدِ حادی عشر: ۵۲۸، صفحات جلدِ ثانی عشر: ۶۴۰، صفحات جلدِ ثالث عشر: ۶۰۸، صفحات جلدِ رابع عشر: ۶۹۶، صفحات جلدِ خامس عشر: ۶۲۴، صفحات جلدِ سادس عشر: ۶۰۸، صفحات جلدِ سابع عشر: ۶۲۴، صفحات جلدِ ثامن عشر: ۵۲۸، صفحات جلدِ تاسع عشر: ۴۷۲

❑ نخبۃ المسائل (۴/جلد):

کتاب النوازل (۱۹/جلد) کی اِشاعت کے بعد ۱۴۳۶ھ سے ۱۴۴۲ھ تک جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں قیام کے دوران جو فتاویٰ لکھے گئے، اُن کو ''نخبۃ المسائل'' کے نام سے چار جلدوں میں الگ سے مرتب کردیا گیا ہے۔ یہ سب فتاویٰ مدلل اور منقح ہیں اور طالبین

افتاء کے لئے بیش قیمت تحفہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

صفحات جلدِ اول:۵۴۴، صفحات جلدِ دوم:۵۸۴، صفحات جلدِ ثالث:۶۰۰، صفحات جلدِ رابع:۵۵۲، عام قیمت: ۲۱۰۰/ روپئے

❑ اِرشاد السائلین (۲ رجلدیں):

''التذکیر یوٹیوب چینل'' پر ''دینی رہنمائی'' کے نام سے علمی وفقہی سوالات کے جوابات ہر اتوار کو رات میں ۱۰ بجے (ہندوستانی وقت کے مطابق) نشر کئے جاتے ہیں۔ اُن میں سے سر دست ۵۰ رمجلسوں میں نشر شدہ ۹۸۸ رسوال وجواب کا مجموعہ ''اِرشاد السائلین'' کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ جس میں تحقیق ومراجعت کا کام جناب مولانا مفتی محمد ابراہیم قاسمی مراد پوری سلمہ نے انجام دیا ہے۔ یہ سوال وجواب قیمتی اور مفید معلومات پر مشتمل ہیں، اور عربی واُردو کتابوں کے معتبر حوالہ جات سے مزین ہیں، اِس سلسلے میں آگے بھی کام جاری ہے، ترتیب کے بعد اگلی جلدوں کی اِشاعت ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

صفحات جلدِ اول:۶۳۲، صفحات جلدِ دوم:۵۹۲، قیمت: ۱۱۰۰/ روپئے

❑ کتاب الفرائض (آسان سراجی):

یہ کتاب دار العلوم دیوبند میں ''درسِ سراجی'' کے اَمالی اور اِفادات پر مشتمل ہے، جس میں ''سراجی'' کے مباحث کو انتہائی آسان اَنداز میں پیش کیا گیا ہے، جس سے طلبہ کے لئے سراجی سے اِستفادہ بہت آسان ہوجائے گا۔ اِن اَمالی کو مفتی اُسامہ عظیم شاہ جہاں پوری اور اُن کے رفقاء نے مرتب کیا ہے۔

صفحات:۳۵۲، عام قیمت: ۳۵۰/ روپئے، ناشر: مکتبہ ''التذکیر'' دیوبند

❑ فتویٰ نویسی کے رہنما اُصول:

یہ فقیہ العصر علامہ ابن عابدین شامیؒ کی معروف کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' کی روشنی میں اُصولِ افتاء پر ایک انوکھی کتاب ہے، جس میں ۳۴ راُصول متعین کرکے ہر اُصول کے اِجراء

اور تمرین کے لئے رہنمائی کی گئی ہے۔ جو طلبۂ افتاء نظر میں گہرائی اور مطالعہ میں گیرائی کے مشتاق ہیں، اُن کے لئے یہ کتاب قدم قدم پر معاون بن رہی ہے۔ نیز بفضلہٖ تعالیٰ تجربہ سے یہ طرز اِجراء بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ کتاب کے شروع میں ایک قیمتی ابتدائیہ ہے، جس میں فقہ وحدیث اور تفسیر سے متعلق ماٰخذ کی ۱۱۹/کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے، جو طلبہ اور علماء کیلئے نہایت مفید اور کارآمد ہے۔ عام قیمت: ۳۰۰/روپئے، ملنے کا پتہ: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑ دینی مسائل اور اُن کا حل:

دور حاضر کے اہم پیش آمدہ مسائل کے ۶۵۰/مختصر اور جامع جوابات پر مشتمل یہ قیمتی مجموعہ ہر گھر کی ضرورت اور قدم قدم پر رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ یہ مسائل کئی سال سے رسالہ تحفۂ خواتین مرادآباد میں سوال وجواب کی صورت میں شائع ہورہے تھے، اب انہیں عربی عبارات اور حوالوں کے ساتھ جمع کرکے شائع کیا گیا ہے، جو عوام کے علاوہ اہل علم اور ارباب افتاء کے لئے بھی مفید ہے۔ صفحات: ۴۱۶۔ عام قیمت: ۳۰۰/روپئے۔

❑ درسی سوال وجواب:

یہ اُن پانچ سو سے زائد سوال وجواب کا مجموعہ ہے، جو مسلم شریف اور ترمذی شریف کے درس کے دوران طلبہ دورۂ حدیث شریف کی طرف سے کئے گئے، ہر جواب مختصر جامع اور مدلل ہے۔ مطالعہ ہی سے اس کی اَہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

صفحات: ۴۰۰۔ عام قیمت: ۳۰۰/روپئے، ملنے کا پتہ: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑ تحفۂ رمضان:

رمضان المبارک، رؤیتِ ہلال، صدقہ فطر، اعتکاف، زکوٰۃ اور عیدین وغیرہ سے متعلق فضائل ومسائل پر مشتمل یہ مختصر کتاب اپنے موضوع پر بہت جامع ہے، اور مرتب کے سلسلۂ تالیفات کی پہلی کڑی ہے، اور عرصۂ دراز سے مختلف کتب خانوں سے شائع ہورہی ہے۔

صفحات: ۱۷۲، عام قیمت: ۲۰۰/روپئے

❑ حج وزیارت نمبر (ندائے شاہی):

۲۳۲ رصفحات پر مشتمل یہ معلوماتی نمبر حجاجِ کرام کی رہنمائی میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اور اپنی جامعیت کی وجہ سے نہایت مقبول ہے۔

دعوت واِصلاح:

❑ ایک جامع قرآنی وعظ:

یہ قرآنِ کریم کی ایک جامع ترین آیت: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ﴾ کی مبسوط ومفصل شرح پر مشتمل ایک ضخیم تالیف ہے، جس میں اسلام کی انسانیت نواز فطری تعلیمات کو بہت مثبت اور مؤثر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عوام وخواص بالخصوص داعیانِ قوم، ائمہ وعلماء کرام کے لئے اس کتاب میں بیش بہا مواد جمع کر دیا گیا ہے، فالحمدللہ۔ صفحات: ۷۲۸۔ عام قیمت: ۵۰۰/ روپئے، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ رحمٰن کے خاص بندے:

یہ کتاب ''سورۂ فرقان'' کے آخری رکوع میں ''رحمٰن کے خاص بندوں'' کی پندرہ صفات کی تشریح وتفسیر پر مشتمل ہے، ہر موضوع پر مستند مواد حسن ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ زبان بہت عام فہم اور دل نشیں ہے، مثبت انداز میں نہایت قیمتی اِفادات جمع کئے گئے ہیں۔ اَولاً یہ مضمون ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد میں ''نظر وفکر'' کے کالم میں قسط وار شائع ہوا، بعد ازاں اُس کی کتابی شکل میں اِشاعت ہوئی ہے۔ یہ کتاب بلاشبہ اِس قابل ہے کہ اِس کا بار بار مطالعہ کیا جائے؛ بلکہ دینی مجالس میں پڑھ کر سنایا جائے تو بڑے نفع کی اُمید ہے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ صفحات: ۵۱۲، عام قیمت: ۴۵۰/ روپئے، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ اللہ سے شرم کیجئے:

اِس کتاب میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کے متعلق ایک جامع ارشادِ نبوی ا کی تفصیلی شرح کے ضمن میں نہایت مفید اِصلاحی مضامین (آیاتِ قرآنیہ اَحادیثِ طیبہ اور اَحوال واَقوالِ سلف)

خوب صورتی کے ساتھ جمع کر دئے گئے ہیں، یہ کتاب مردہ ضمیر کو جھنجوڑنے، اور غفلت کے پردے ہٹانے میں تریاق کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو شخص بھی صدق دل سے اور عمل کی نیت سے اِس کا مطالعہ کرے گا، اُسے اِن شاء اللہ یقیناً نفع ہوگا، کتاب کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ ہر بات حوالہ جات سے مزین ہے۔ عوام وخواص کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ اب تک ہندو پاک کے مختلف کتب خانوں سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اور مسلسل اِس کی اِشاعت جاری ہے۔ کئی زبانوں میں اِس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے، فالحمد للہ۔

صفحات: ۴۳۲، عام قیمت: ۳۵۰/ روپئے، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ اللہ والوں کی مقبولیت کا راز:

اِس کتاب میں اَکابر واَسلاف کی مقبول صفات مثلاً: تواضع، زہد وتقویٰ، عفو ودرگذر، حلم وبردباری، جود وسخا اور خوف وخشیت سے متعلق پُر اَثر اور حیرت انگیز حالات وواقعات بیان کر کے اُن کی روشنی میں اپنے کردار کا مؤثر انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتاب علماء، طلباء اور اَپنی اِصلاح کے خواہش مند حضرات کے لئے اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ زبان بہت آسان اور عام فہم ہے، یہ کتاب بھی ہندو پاک کے متعدد کتب خانوں سے مسلسل شائع ہو رہی ہے، الحمد للہ۔

صفحات: ۱۹۲، عام قیمت: ۲۵۰/ روپئے، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ کتاب الوعظ والتذکیر (۳/ جلدیں):

یہ مرتب کے اُن اصلاحی بیانات کا مجموعہ ہے جو مختلف موضوعات پر ملک وبیرونِ ملک میں کئے گئے ہیں، اُن کو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے تحریری شکل دے کر نظر ثانی کر کے بالترتیب اِشاعت کی جارہی ہے۔ جلد اول میں ۲۰/ بیانات، جلد ثانی میں ۲۵/ بیانات اور جلد ثالث میں ۲۵/ بیانات جمع کئے گئے ہیں۔ آگے بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

صفحات (جلد اول): ۳۳۰، صفحات (جلد دوم): ۳۵۲، صفحات (جلد سوم): ۳۶۸

عام قیمت: ۹۰۰/ روپئے، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ دعوتِ فکر وعمل:

یہ کتاب مختلف دینی، اِصلاحی، سماجی اور معاشرتی موضوعات پر مبنی ۹۷ رقیمتی مضامین کا مجموعہ ہے، جن میں پوری قوت کے ساتھ فکری اِصلاح پر زور دیا گیا ہے۔ اِن مضامین کے مطالعہ سے اِصابت رائے اور اعتدال کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، موجودہ دور میں دینی خدمات میں مشغول حضرات کے لئے اِس کتاب کا مطالعہ نہایت کارآمد ہے، اَکابر علماء کی تقریظات سے کتاب مزین ہے، متعدد کتب خانوں سے اِس کی اِشاعت ہورہی ہے۔

صفحات: ۵۴۰، عام قیمت: ۳۰۰/ روپئے، ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ لمحاتِ فکریہ:

اِس کتاب میں ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۳ء سے لے کر مئی ۲۰۰۵ء تک کے اِدارتی مضامین اور دو رسالوں ''اِسلام کی اِنسانیت نوازی'' اور ''اِسلامی معاشرت'' کو یکجا کر کے شائع کیا گیا ہے۔ اِس مجموعۂ مضامین میں قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ سے نہایت قیمتی ہدایات نقل کی گئی ہیں۔ صفحات: ۳۲۰، عام قیمت: ۲۰۰/روپئے، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ مشعلِ راہ:

یہ کتاب بھی ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد کے اِدارتی مضامین ''نظر وفکر'' کا مجموعہ ہے، جس میں جون ۲۰۰۵ء سے ستمبر ۲۰۰۸ء تک کے مضامین شامل کئے گئے ہیں، اِس مجموعے میں خاص طور پر اُمت میں رائج کج فکری اور بدعملی پر نکیر سے متعلق مستند تحریریں شامل ہیں، جو علماء اور عوام سبھی کے لئے مفید ہیں۔ صفحات: ۴۰۰، عام قیمت: ۲۰۰/ روپئے، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

سیر وسوانح:

❑ ذکرِ رفتگاں (۶/جلدیں):

یہ ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد میں گذشتہ (۱۹۸۹ء تا ۲۰۲۱ء) میں وفات پانے والی

اُمت کی اہم اور مؤقر شخصیات پر شائع شدہ تعزیتی مضامین کا بیش قیمت مجموعہ ہے، جس میں بہت سے اَکابر اور اہم حضرات کے مختصر سوانحی خاکے اور تأثرات جمع ہوگئے ہیں۔ تذکرۂ اکابر کے شائقین کے لئے یہ بیش بہا تحفہ اور سیر وسوانح کے باب میں قیمتی معلومات کا ذخیرہ ہے، جس کا مطالعہ اِن شاء اللہ ذہن میں تازگی اور روح میں بالیدگی کا سبب ہوگا۔

اِس میں جلد پنجم اور ششم خاص طور پر اَمیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ صدر جمعیۃ علماء ہند ومعاون مہتمم واُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی سوانح سے متعلق مضامین پر مشتمل ہے، جن کو ''ذکر عثمان'' کا نام دیا گیا ہے۔

صفحات جلدِ اَول: ۶۴۸، صفحات جلدِ دوم: ۵۲۰، صفحات جلدِ سوم: ۶۵۶،
صفحات جلدِ چہارم: ۶۰۸، صفحات جلدِ پنجم: ۵۴۴، صفحات جلدِ ششم: ۶۹۶
عام قیمت: ۳۶۰۰/ روپئے، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ تذکرۂ فدائے ملتؒ:

یہ امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ صدر جمعیۃ علماء ہند کی یاد میں منعقدہ فدائے ملت سیمینار (منعقدہ ۲۰۰۸ء) میں پیش کردہ مقالات کا بہترین مجموعہ ہے، جس میں نہ صرف حضرت فدائے ملتؒ کے حالات اور قابلِ تقلید روشن کارنامے جمع ہوگئے ہیں؛ بلکہ ملتِ اسلامیہ ہند کی گذشتہ نصف صدی کی تاریخ کے اہم پہلو بھی اس مجموعۂ مضامین میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ اکابر کی سوانح سے دل چسپی رکھنے والوں کے لئے یہ ایک قیمتی سوغات ہے، جسے جمعیۃ علماء ہند نے بہت اہتمام سے شائع کیا ہے، اور مختصر مدت میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ صفحات: ۱۲۰۰، ناشر: جمعیۃ علماء ہند

❑ فدائے ملت نمبر (ندائے شاہی):

حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی حیاتِ طیبہ اور خدماتِ عالیہ پر یہ ایک تاریخی اور جامع دستاویز ہے، جس میں نصف صدی کی ملی تاریخ کے اہم واقعات یکجا ہوگئے ہیں۔ اس ضخیم نمبر کے صفحات کی تعداد ۷۸۸ ہے۔

❑ مشاہدات وتأثرات:

یہ کتاب حضرت مولانا سید حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مختلف حضرات کے تأثراتی مضامین کا مجموعہ ہے، جسے مرتب نے حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ سابق مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے حکم سے ترتیب دیا تھا۔

❑ خصوصی ضمیمہ:

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے مایۂ ناز مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ کی وفات پر یہ ضمیمہ شائع کیا گیا تھا، جس میں حضرت موصوف کی گراں قدر خدمات اور تأثراتی مضامین کا احاطہ کیا گیا ہے۔

❑ تحریک ریشمی رومال؛ ایک مختصر تعارف:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی اِنقلابی تحریک ریشمی رومال کے متعلق تاریخی اور دستاویزی معلومات پر مشتمل یہ مقالہ مرتب نے طالبِ علمی کے زمانہ میں شیخ الہند سیمینار (منعقدہ جنوری ۱۹۸۶ء) کے لئے لکھا تھا، جو بعد میں رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا، اور موقع بموقع ہندو پاک میں اس کی اِشاعت ہوتی رہتی ہے۔ صفحات: ۴۱، ناشر: جمعیۃ علماء ہند

❑ پیکرِ عزم وہمت، اُستاذ اور شاگرد:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہما کی سبق آموز حیاتِ طیبہ پر مشتمل کئی قیمتی مضامین اِس مختصر رسالہ میں شامل ہیں، جن کا مطالعہ علماء اور طلباء کے لئے بالخصوص مفید ہے۔

صفحات: ۸۰، عام قیمت: ۱۰۰/ روپئے، ناشر: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

تاریخ:

❑ تحریک آزادئ ہند میں مسلم عوام اور علماء کا کردار:

ہندوستان کی تحریکات آزادی میں شروع سے لے کر اخیر تک مسلم عوام اور علماء نے جو

عظیم ترین قربانیاں پیش کی ہیں، اُن کو نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ سوال و جواب کے انداز میں اِس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ انداز نہایت دلچسپ ہے، اور ہر بات حوالہ سے مدلل ہے۔ کتاب کے اَخیر میں مولانا معز الدین احمد صاحب کے قلم سے اُن حضرات کا جامع تعارف بھی شامل ہے، جن کا نام کتاب کے اندر کسی نہ کسی عنوان سے آیا ہے، اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقفیت کے لئے نئی نسل کے حضرات کو اِس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

صفحات: ۲۲۸، ناشر: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑ تاریخ شاہی نمبر (ندائے شاہی):

مرکز العلوم الاسلامیہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی سوا سو سالہ تاریخ پر مبنی یہ نمبر دستاویزی حیثیت کا حامل ہے، اور نادر و نایاب تاریخی معلومات کو شامل ہے، اِس کی اہمیت کا اندازہ باذوق حضرات ہی لگا سکتے ہیں۔ صفحات: ۶۴۸، ناشر: مکتبہ ندائے شاہی مرادآباد۔

❑❖❑

رابطہ:

- محمد ابوبکر صدیق منصور پوری (مرادآباد) 8791034667
- محمد اسجد قاسمی مظفر نگری (دیوبند) 9058602750

مکتبۃ التذکیر دیوبند

Published by

MAKTABA AL-TAZKEER

Near Chatta Masjid, Deoband, Saharanpur 247554

Mob. No. 9058602750 - 639531326